دار العلوم دیوبند کے داخلہ ششماہی اور سالانہ پرچہ سوالات کا بہترین

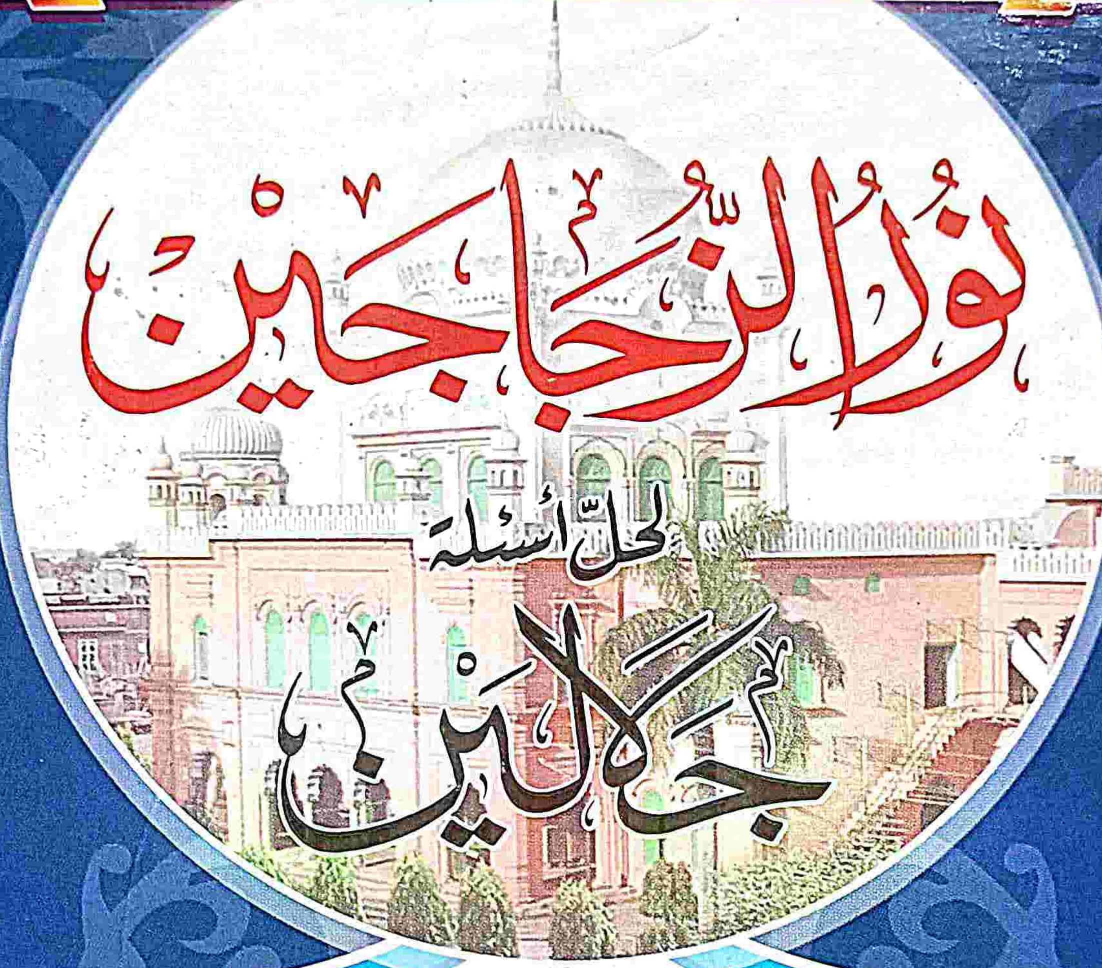

نور النجاحین

لحل أسئلة جلالین

پسند فرمودہ

حضرت مولانا راشد صاحب اعظمی
استاذ دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا حسین الدین صاحب قاسمی
مہتمم جامعہ انوار الصفہ بجنور یوپی

مرتب

(مفتی) ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)
خادم الحدیث والفقہ معہد عائشہ الصدیقہ قاسم العلوم للبنات دیوبند

NEW MADARSA

دار الکتاب دیوبند

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ذٰلِکَ الکِتابُ لاریْبَ فِیْہِ

دار العلوم دیو بند کے داخلہ، ششماہی اور سالانہ پرچۂ سوالات کا بہترین

نور الزّجاجین

لحل أسئلة

جلالین

(۱)

پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی
استاذ دار العلوم دیو بند

حضرت مولانا حسین الدین صاحب قاسمی
مہتمم جامعہ انوار الصفہ شہر بجنور (یوپی)

مرتب

(مفتی) ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)
خادم الحدیث والفقہ معہد عائشۃ الصدیقہ قاسم العلوم للبنات دیو بند

ناشر
دار الکتاب دیو بند
سہارنپور یوپی ۲۴۷۵۵۴

تفصیلات

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب.................: نور الزجاجین لحل أسئلۃ جلالین (اوّل)

مرتب ....: (مفتی) ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)

طبع اوّل ....: ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۸ء

صفحات ....: ۳۴۴

کمپیوٹر کتابت.................: عبید کمپیوٹرس دیوبند

مطبع.................: یاسر ندیم آفسیٹ پریس دیوبند

باہتمام.................: واصف حسین: مالک دارالکتاب دیوبند

ناشر

دارالکتاب دیوبند

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حسنِ ترتیب

انتساب	۳۵
عرض مرتب	۳۶
قلبی تاثرات: والدِ محترم حضرت مولانا حسین الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم	۳۷
دعائیہ کلمات: حضرت مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی دامت برکاتہم	۳۸
مقدمہ	۳۹
علم تفسیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف	۳۹
موضوع اور غرض وغایت	۳۹
جلالین شریف اور اس کے مرتبین کا تعارف	۳۹
سوال (۱)	۴۱
علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے مختصر حالات	۴۱
علامہ جلال الدین محلیؒ کے مختصر حالات	۴۲
سوال (۲)	۴۳
ترجمۃ العبارۃ	۴۳
تفسیر العبارۃ	۴۳
فوائد تفسیر	۴۴
سورۂ بقرہ کی فضیلت	۴۶
حروف مقطعات کے متعلق اہل سنت والجماعت کا کیا مسلک ہے؟	۴۷
سوال (۳)	۴۸

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ترجمۃ العبارۃ	۴۸
تفسیر العبارۃ	۴۸
اِنذار کے معنی	۴۹
انبیاء کو نذیر کہنے کی وجہ	۴۹
''کابی جهل وابی لهب'' سے مفسر علامؒ نے کس طرف اشارہ کیا ہے؟	۵۰
''ء أنذرتهم''میں ہمزہ کیسا ہے؟ اور ''بتحقیق الهمزتین''میں کتنی قرأتیں ہیں؟	۵۰
سوال (۴)	۵۱
ترجمۃ العبارۃ	۵۱
آیت کریمہ کا شان نزول	۵۲
''لقوا'' کی تعلیل	۵۳
''استهزاء''اور''اشتراء'' کے لغوی اور مرادی معنی	۵۳
مفسرؒ نے''فما ربحت تجارتهم'' کی تفسیر''ماربحوا'' سے کیوں کی ہے؟	۵۳
سوال (۵)	۵۴
ترجمۃ العبارۃ	۵۴
تفسیر العبارۃ	۵۵
''رزقوا'' کے دونوں مفعولوں کی وضاحت	۵۶
آیت مذکورہ کی تفسیر میں لفظ''مثل'' کیوں مقدر مانا گیا ہے؟	۵۶
کیا''متشابها'' سے جنت ہی کے پھلوں کا آپس میں مشابہ ہونا مراد ہے؟	۵۷
مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام سیوطی علیہ الرحمۃ کی کیا رائے ہے؟	۵۷

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال (٦)	۵۸
ترجمۃ العبارۃ	۵۸
آیتِ مذکورہ کا شان نزول	۵۹
تفسیر العبارۃ	۵۹
''یضرب'' کے مفعول اول اور ثانی کی تعیین اور جملہ ''ماذا.... الخ..'' کی ترکیب	٦٠
سوال (۷)	٦٠
ترجمۃ العبارۃ	٦١
''فسجدوا الا ابلیس''اور''وکلا منها رغدا'' کی ترکیب	٦١
مفسرؒ نے''تاکید للضمیر المستتر'' سے کیا بیان کیا ہے؟	٦٢
خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق	٦٢
سوال (۸)	٦٣
ترجمۃ العبارۃ	٦٤
تفسیر العبارۃ	٦٤
ابلیس کافر ہونے کے باوجود جنت میں کیسے گیا؟	٦۵
''عنهما''اور''مما کانا فیه'' کے ضمائر مراجع	٦۵
کیا نبی سے گناہ کو صدور ہوسکتا ہے؟	٦٦
سوال (۹)	٦٦
ترجمۃ العبارۃ	٦۷
تفسیر العبارۃ	٦۷

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

فوائد تفسیر	٦٩
صبر کے مشہور معانی	٦٩
"یظنون" کی تفسیر "یقنون" سے کرنے کی وجہ	٦٩
ظن، شک اور یقین کی تعریف اور ان کے مابین فرق	٦٩
سوال (١٠)	٧٠
ترجمۃ العبارۃ	٧٠
تفسیر العبارۃ	٧١
تفسیری جملوں کی وضاحت	٧٢
سوال (١١)	٧٣
ترجمۃ العبارۃ	٧٤
تفسیر العبارۃ	٧٤
"الذین ظلموا" کے "منھم" کا اضافہ کرنے کی وجہ	٧٥
ایک سوال اور اس کا جواب	٧٥
"استاہ" واحد ہے یا جمع اور "بما کانوا" میں "ما" کس معنی میں اس کی وضاحت	٧٦
سوال (١٢)	٧٦
ترجمۃ العبارۃ	٧٧
تفسیر العبارۃ	٧٧
"وھو الذی فر بثوبہ" سے کس جانب اشارہ کرنا مقصود ہے؟	٧٨
حال مؤکدہ کی وضاحت	٧٨

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

رخام اور کذان کی لغوی تحقیق	۷۹
سوال (۱۳)	۷۹
ترجمۃ العبارۃ	۷۹
تفسیر العبارۃ	۸۰
ایک سوال اور اس کا جواب	۸۰
موجودہ دور کے یہود پر یہ آیت کریمہ کیسے صادق آتی ہے؟	۸۱
سوال (۱۴)	۸۲
ترجمۃ العبارۃ	۸۳
آیات کریمہ میں مذکور واقعہ کی تفصیل	۸۴
''تثیر الارض'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟	۸۶
مفسرؒ نے ''نطقت بالبیان التام'' سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟	۸۷
سوال (۱۵)	۸۷
ترجمۃ العبارۃ	۸۷
''فا دار أتم'' کی تعلیل	۸۸
''ھذا اعتراض'' کی تشریح	۸۸
سوال (۱۶)	۸۹
ترجمۃ العبارۃ	۸۹
تفسیر العبارۃ	۹۰
مفسر علامؒ نے ''رجع'' اور ''ویقیموا علیکم الحجۃ'' کی عبارت کیوں نکالی ہے؟	۹۱

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال(۱۷)	۹۲
ترجمۃ العبارۃ	۹۲
تفسیر العبارۃ	۹۳
خبر بمعنی النہی کی تشریح اور اس کو نہی کے معنی میں کیلنے کی وجہ	۹۳
’’بالوالدین‘‘ سے پہلے قبل ’’احسنوا‘‘ کا اضافہ کرنے کی وجہ	۹۳
’’مصدر وصف‘‘ سے کس اشکال کا جواب دیا ہے؟	۹۴
سوال(۱۸)	۹۴
ترجمۃ العبارۃ	۹۵
تفسیر العبارۃ	۹۵
’’بینات‘‘ اور ’’روح القدس‘‘ کا مصداق	۹۶
تائید عیسیٰ علیہ السلام بروح القدس کی صورت	۹۷
حکایت حال ماضی کا مطلب	۹۷
’’أفكلما‘‘ کے کلمۂ ثلاثہ کی تعیین	۹۷
سوال(۱۹)	۹۸
ترجمۃ العبارۃ	۹۸
تفسیر العبارۃ	۹۹
مفسرؒ نے ’’کما زعمتم‘‘ کا اضافہ کر کے کس طرف اشارہ کیا ہے؟	۱۰۰
’’فتمنوہ الموت‘‘ شرط اول کا جواب ہے یا شرط ثانی کا؟	۱۰۰
’’تعلق بتمنیہ...الخ.‘‘ سے مفسرؒ نے کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟	۱۰۰

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

''خالصة''ترکیب میں کیاواقع ہورہاہے؟	۱۰۱
سوال(۲۰)	۱۰۱
ترجمۃ العبارۃ	۱۰۱
آیت کریمہ کے شان نزول کی وضاحت اور تفسیر العبارۃ	۱۰۲
''اوقعہ موقع'' سے مفسر علامؒ نے کیا بتایا ہے؟	۱۰۳
''من کان'' کی جزاء کیا ہے؟	۱۰۳
سوال(۲۱)	۱۰۳
ترجمۃ العبارۃ	۱۰۴
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۰۴
ہاروت وماروت کون تھے؟	۱۰۴
کیا سحر مطلقاً حرام ہے؟	۱۰۵
سوال(۲۲)	۱۰۵
ترجمۃ العبارۃ	۱۰۶
آیت مذکورہ کا شان نزول	۱۰۶
تفسیر العبارۃ	۱۰۷
نسخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف	۱۰۸
''ماننسخ''میں''ما'' کی تعیین	۱۰۸
''ننسخ''اور''ننسھا'' کی قرأتیں	۱۰۸
''نات بخیر''ترکیب میں کیاواقع ہورہاہے؟	۱۰۸

سوال (۲۳)	۱۰۹
ترجمۃ العبارۃ	۱۰۹
آیت مذکورہ کا شان نزول	۱۱۰
لفظ ''راعنا'' کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق	۱۱۱
مفسرؒ کے قول ''سماع قبول'' کی وضاحت	۱۱۱
مفسرؒ کے قول ''حسدا لکم'' کی وضاحت:	۱۱۱
سوال (۲۴)	۱۱۲
ترجمۃ العبارۃ	۱۱۳
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۱۳
مفسر نے ''خبر بمعنی الامر'' سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟	۱۱۴
کیا آیت میں مذکور حکم دیگر مساجد کیلئے بھی ہے؟	۱۱۴
سوال (۲۵)	۱۱۵
ترجمۃ العبارۃ	۱۱۵
تفسیر العبارۃ	۱۱۶
''ومن ذریتی'' کا تعلق کس سے ہے؟	۱۱۷
سوال (۲۶)	۱۱۷
ترجمۃ العبارۃ	۱۱۸
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۱۸
''سفه نفسه'' کے ذیل میں مفسر کے ضروری نوٹ کی وضاحت	۱۱۹

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

''ولقد اصطفیناہ'' کا ماقبل سے کیا ربط ہے؟	۱۱۹
سوال (۲۷)	۱۲۰
ترجمۃ العبارۃ	۱۲۰
تفسیر العبارۃ	۱۲۱
مفسر نے ''أی شئی... الاتیان بالسین...اور...ھدایتہ'' سے کیا بیان کیا ہے؟	۱۲۱
سوال (۲۸)	۱۲۲
ترجمۃ العبارۃ	۱۲۲
وسط کے معنی اور تفسیر العبارۃ	۱۲۲
''کذالک'' میں کاف تشبیہ کیلئے یا کسی اور چیز کیلئے	۱۲۳
''امۃ وسطا'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا؟	۱۲۳
سوال (۲۹)	۱۲۳
ترجمۃ العبارۃ	۱۲۳
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۲۵
تفسیر العبارۃ	۱۲۵
مفسر علامؒ نے ''لنعلم'' کے بعد ''علم ظھور'' اضافہ کیوں کیا ہے؟	۱۲۶
''وَاِنْ اِلَّا عَلَی الَّذِینَ ھَدَی اللّٰہ'' کی ترکیب	۱۲۷
سوال (۳۰)	۱۲۷
ترجمۃ العبارۃ	۱۲۸
تفسیر العبارۃ	۱۲۸

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

کیا آیت میں ''قد'' برائے تحقیق ہے؟	۱۲۹
مفسرؒ کے ''المسجد الحرام'' کی تفسیر ''الکعبة'' سے کرنے وجہ	۱۲۹
تحویل قبلہ کا حکم کس سن میں نازل ہوا اور بیت المقدس کتنے دن قبلہ رہا	۱۲۹
بیت المقدس کی جگہ بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی حکمت	۱۳۰
''وحیث ما کنتم'' میں کن لوگوں کو خطاب ہے؟	۱۳۰
خط کشیدہ الفاظ کی لغوی صرفی تحقیق	۱۳۱
سوال (۳۱)	۱۳۱
ترجمة العبارة	۱۳۲
تفسیر العبارة	۱۳۲
''لئلا'' کا ''لام'' کس سے متعلق ہے؟	۱۳۳
''الناس'' اور ''حجة'' سے کیا مراد ہے؟	۱۳۳
مجادلہ میں یہود اور مشرکین کیا کہتے تھے؟	۱۳۴
''الا الذین ظلموا'' میں استثناء متصل ہے یا منفصل ہے؟	۱۳۴
سوال (۳۲)	۱۳۵
ترجمة العبارة	۱۳۵
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۳۵
تفسیر العبارة	۱۳۶
سعی بین الصفا والمروة کے متعلق ائمہ کے مذاہب	۱۳۶
صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنے کے چند اہم مسائل	۱۳۶

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

لفظ ''یطوف'' کی اصل اور آیتِ مذکورہ میں طواف کی مراد	۱۳۷
سوال (۳۳)	۱۳۸
ترجمۃ العبارۃ	۱۳۸
تفسیر العبارۃ	۱۳۹
فوائد تفسیر	۱۴۰
''یتخذ'' کے دونوں مفعول ''یحبونھم'' کی دونوں ضمیروں کے مراجع اور ''اشد'' کے مفضل اور مفضل علیہ کی تعیین	۱۴۲
سوال (۳۴)	۱۴۲
ترجمۃ العبارۃ	۱۴۳
تفسیر العبارۃ	۱۴۳
فوائد تفسیر	۱۴۴
آیت کریمہ میں ''جمیعاً'' کے منصوب ہونے کی وجہ	۱۴۶
''وان ومابعدھا .....الخ...'' سے مفسرؒ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟	۱۴۶
سوال (۳۵)	۱۴۶
ترجمۃ العبارۃ	۱۴۷
''المیۃ'' کے بعد ''اکلھا'' اور ''الدم'' کے بعد ''المسفوح'' تحریر کرنے وجہ؟	۱۴۷
''موت'' اور ''ذکاۃ'' کے لغوی اور شرعی معنی	۱۴۸
غیر اللہ کے نام چھوڑا گیا جانور اگر خود مالک ذبح کرے تو کیا حکم ہے؟	۱۴۸
سوال (۳۶)	۱۴۹

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ترجمة العبارة	۱۴۹
تفسیر العبارۃ	۱۵۰
مذکورہ چیزوں کے متعلق امام شافعیؒ کا مذہب	۱۵۰
احناف اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں؟	۱۵۱
خط کشیدہ الفاظ کے ابواب اور صیغہ	۱۵۱
سوال (۳۷)	۱۵۲
ترجمة العبارة	۱۵۲
تفسیر العبارۃ	۱۵۳
فوائد تفسیر	۱۵۳
آیت کریمہ سے مستنبط احکام شرعیہ	۱۵۶
سوال (۳۸)	۱۵۶
ترجمة العبارة	۱۵۷
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۵۷
تفسیر العبارۃ	۱۵۸
فوائد تفسیر	۱۵۹
"من مبتدأ شرطية وموصولة" کا مطلب	۱۵۹
"فلا يقتل مسلم... الخ..." سے مفسرؒ نے کس امام کا مسلک بیان کیا ہے؟	۱۶۰
سوال (۳۹)	۱۶۰
ترجمة العبارة	۱۶۱

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

''کتب''اور''وصفاً فعلاً''سے کیا مراد ہے؟	۱۶۲
''مماثلة فی الدین''کی مثال	۱۶۲
''اخیه''کی مراد''ولو حراً''کیوں منصوب ہے اس کی وضاحت	۱۶۳
''وترتیب الاتباع''سے مفسرؒ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟اور''فاتباع''ترکیب میں.....	۱۶۳
سوال(۴۰)	۱۶۴
ترجمة العبارة	۱۶۴
آیت میں مذکور مسئلہ کی وضاحت	۱۶۵
''الوصیة''اور''حقاً''ترکیب میں کیا واقع ہیں؟	۱۶۵
آیت میراث کی تعیین	۱۶۶
کیا حدیث کتاب اللہ کیلئے ناسخ بن سکتی ہے؟	۱۶۶
سوال(۴۱)	۱۶۶
ترجمة العبارة	۱۶۷
تفسیر العبارة	۱۶۷
فوائد تفسیر	۱۷۰
''ایاماً''کیوں منصوب ہے؟	۱۷۰
احناف کے نزدیک فدیہ کیا مقدار ہے؟	۱۷۱
کیا روزہ رکھنے اور فدیہ دینے کے مابین اختیار اب بھی باقی ہے؟	۱۷۱
حاملہ اور مرضعہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی کیا رائے ہے؟	۱۷۱
سوال(۴۲)	۱۷۱

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ترجمۃ العبارۃ	۱۷۲
’’یطیقونه‘‘ سے پہلے ’’لا‘‘ مقدر ماننے کی وجہ اور نہ ماننے کی صورت میں....	۱۷۲
حامل ومرضعہ کے متعلق احناف کا عمل کس کے قول پر ہے؟	۱۷۳
سوال (۴۳)	۱۷۳
ترجمۃ العبارۃ	۱۷۴
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۷۴
آیت کریمہ میں ’’قریب‘‘ سے کونسا قرب مراد ہے؟	۱۷۴
’’ولیؤ منوا‘‘ کی تفسیر ’’ید یموا‘‘ سے کیوں کی گئی ہے؟	۱۷۵
سوال (۴۴)	۱۷۵
ترجمۃ العبارۃ	۱۷۶
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۷۶
تفسیر العبارۃ	۱۷۷
’’رفث‘‘ کے معنی	۱۷۷
’’بالافضاء‘‘ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے کیا بیان کیا ہے؟	۱۷۷
سوال (۴۵)	۱۷۸
ترجمۃ العبارۃ	۱۷۸
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۷۸
تفسیر العبارۃ	۱۷۹
یہاں اس آیت کو ذکر کرنے کی حکمت	۱۷۹

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال (۴۶)	۱۸۰
ترجمۃ العبارۃ	۱۸۰
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۸۱
تفسیر العبارۃ	۱۸۱
اشہر حرم کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں؟	۱۸۲
"سمی مقابلته اعتداء" سے مفسرؒ نے کس بات کی وضاحت کی ہے؟	۱۸۳
سوال (۴۷)	۱۸۳
ترجمۃ العبارۃ	۱۸۳
تفسیر العبارۃ	۱۸۴
احناف کے نزدیک عمرہ کرنا واجب ہے یا سنت ہے؟	۱۸۵
محصر اپنی ہدی کہاں ذبح کرے گا؟	۱۸۵
سوال (۴۸)	۱۸۶
ترجمۃ العبارۃ	۱۸۶
"اتموا" فعل امر وجوب کے لئے ہے یا ندب کیلئے؟	۱۸۷
احصار کسے کہتے ہیں؟	۱۸۷
"محله" کی تفسیر احناف کیا کرتے ہیں؟	۱۸۷
"استیسر" کی تفسیر "تیسر" سے کیوں کی گئی ہے؟	۱۸۸
سوال (۴۹)	۱۸۸
ترجمۃ العبارۃ	۱۸۹

آیت کریمہ کا شان نزول	۱۸۹
''اشهر معلومات'' کی تعیین اور ائمہ کرام کے اختلاف کی وضاحت	۱۸۹
''وقته وفی قراء ة بفتح الاولین'' کی وضاحت	۱۹۰
''والمراد فی الثلثة'' کی وضاحت	۱۹۰
''رفث،فسوق''اور''جدال''لغوی اور صرفی تحقیق	۱۹۱
سوال(۵۰)	۱۹۱
ترجمۃ العبارۃ	۱۹۱
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۹۲
''له''اور''هی''کا مرجع اور جس کے متعلق یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی ہے اس کا نام؟	۱۹۲
مفسرؒ نے''من جملة الفساد''اور''لا یرضی''لکھ کر کیا بیان کیا ہے؟	۱۹۲
سوال(۵۱)	۱۹۳
ترجمۃ العبارۃ	۱۹۳
آیت کریمہ کا شان نزول	۱۹۴
تفسیر العبارۃ	۱۹۵
فوائد تفسیر	۱۹۶
اشہر حرم کون وکون سے مہینے ہیں اور ان میں قتال کا کیا حکم ہے؟	۱۹۷
آیت کریمہ کی نحوی ترکیب	۱۹۷
سوال(۵۲)	۱۹۸
ترجمۃ العبارۃ	۱۹۸

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

تفسیر العبارۃ	۱۹۹
ارتداد محبط اعمال ہے یا نہیں؟	۱۹۹
سوال (۵۳)	۲۰۰
ترجمۃ العبارۃ	۲۰۱
تفسیر العبارۃ	۲۰۱
’’یسئلونک‘‘ میں ضمیر کا مرجع	۲۰۲
خمر اور میسرہ اور لاٹری کا حکم اور ان کے منافع کی وضاحت	۲۰۲
آیت مائدہ کونسی ہے؟	۲۰۲
سوال (۵۴)	۲۰۳
ترجمۃ العبارۃ	۲۰۳
تفسیر العبارۃ	۲۰۳
فوائد تفسیر	۲۰۴
’’ولا زیادۃ علیہ‘‘ سے مفسرؒ نے کس امام کا مسلک بیان کیا ہے؟	۲۰۵
سوال (۵۵)	۲۰۶
ترجمۃ العبارۃ	۲۰۶
تفسیر العبارۃ	۲۰۷
’’تمسوھن‘‘ اور ’’تماسوھن‘‘ میں معنی کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟	۲۰۷
’’أو‘‘ کے بعد ’’لم‘‘ کا اضافہ اور ’’متاعاً‘‘ کی تفسیر ’’تمتیعاً‘‘ سے کرنے کی وجہ؟	۲۰۷
متعہ کس کو کہتے ہیں، اس کی کیا مقدار ہے؟	۲۰۸

متعہ کس عورت کیلئے واجب ہوتا ہے؟	۲۰۸
متعہ کی ادائیگی میں مرد وعورت میں سے کس کی حیثیت کا اعتبار ہے؟	۲۰۸
سوال (۵۶)	۲۰۹
ترجمۃ العبارۃ	۲۰۹
تفسیر العبارۃ	۲۱۰
''وصیة'' اور ''متاعاً'' ترکیب میں کی واقع ہو رہے ہیں؟	۲۱۱
''وصیت'' اور ''تربص حول'' کس آیات سے منسوخ ہیں؟	۲۱۱
مفسرؒ نے ''السابقة المتأخرة فی النزول'' سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟	۲۱۱
سوال (۵۷)	۲۱۱
ترجمۃ العبارۃ	۲۱۲
تفسیر العبارۃ	۲۱۲
''وهم الوف حذر الموت'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟	۲۱۴
مذکورہ واقعہ کس نبی کے زمانے کا اور اس کو یہاں لانے کا کیا مقصد ہے؟	۲۱۴
سوال (۵۸)	۲۱۴
ترجمۃ العبارۃ	۲۱۵
تفسیر العبارۃ	۲۱۵
''فعلنا ذلک لتعلم'' سے مفسرؒ نے کیا بیان کیا ہے؟	۲۱۷
''انظر الی العظام'' میں لام تعریف کس قسم کا ہے؟	۲۱۷
''کیف ننشزها'' مفسرؒ نے جتنی قرأتیں بیان کی ہیں؟	۲۱۷

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال(۵۹)	۲۱۸
ترجمۃ العبارۃ	۲۱۸
تفسیر العبارۃ	۲۱۹
خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق	۲۱۹
سوال(۶۰)	۲۲۰
ترجمۃ العبارۃ	۲۲۰
تفسیر العبارۃ	۲۲۱
”وھذا تمثیل“ کی وضاحت	۲۲۱
حضرت ابن عباسؓ نے کیا تفسیر کی ہے؟	۲۲۲
”اصابه“ سے پہلے ”قد“ کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟	۲۲۲
سوال(۶۱)	۲۲۳
ترجمۃ العبارۃ	۲۲۳
تفسیر العبارۃ	۲۲۳
مفسرؒ نے ”انفاق“ کی تفسیر ”زکوٰۃ“ سے کیوں کی ہے؟	۲۲۴
”ما اخرجنا“ کی تفسیر ”من الحبوب“ سے کرنے کی وجہ	۲۲۴
زمین کی پیداوار میں احناف اور شوافع کے نزدیک کیا واجب ہوتا ہے؟	۲۲۵
سوال(۶۲)	۲۲۶
ترجمۃ العبارۃ	۲۲۶
آیت کریمہ کا شان نزول	۲۲۶

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

تفسیر العبارة	۲۲۷
''من التعفف''میں''من'' کیسا ہے؟	۲۲۷
سرایا کی تعریف	۲۲۷
سوال (۶۳)	۲۲۸
ترجمة العبارة	۲۲۸
تفسیر العبارة	۲۲۹
فوائد تفسیر	۲۲۹
ربوا کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۳۱
زمانۂ جاہلیت میں کونسا ربوا رائج تھا؟	۲۳۱
علت ربوا کے متعلق احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے؟	۲۳۲
سوال (۶۴)	۲۳۲
ترجمة العبارة	۲۳۲
تفسیر العبارة	۲۳۳
سوال (۶۵)	۲۳۴
ترجمة العبارة	۲۳۴
تفسیر العبارة	۲۳۴
مفسرؒ نے''وان تبدوا'' کی تفسیر میں''والعزم علیه'' کی زیادتی کیوں کی ہے؟	۲۳۵
''او تخفوه یحاسبکم'' کے بعد''یخبرکم'' کا جملہ کس لئے لکھا گیا ہے؟	۲۳۵
''والفعلان بالجزم والرفع'' کی توجیہ	۲۳۶

سوال (٦٦)	۲۳۶
ترجمة العبارة	۲۳۷
تفسير العبارة	۲۳۷
مفسرؒ قول ''من الخير والشر'' کی وضاحت	۲۳۸
آیت میں کار خیر کو کسب کے ساتھ اور کار شر کو اکتساب کے ساتھ ذکر کرنے وجہ	۲۳۸
''الاية التى ماقبلها'' کا مصداق	۲۳۸
''فَسُؤَاله اعْتِرَاف'' سے مفسرؒ نے کس سوال کا جواب دیا ہے؟	۲۳۸
سوال (٦٧)	۲۳۹
ترجمة العبارة	۲۳۹
تفسير العبارة	۲۴۰
محکم اور متشابہ کی اصطلاحی تعریف	۲۴۱
متشابہ کی اقسام اور مثالیں	۲۴۱
''هن ام الكتاب'' کا مطلب	۲۴۱
خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق	۲۴۲
سوال (٦٨)	۲۴۲
ترجمة العبارة	۲۴۳
آیت میں مذکور واقعہ کی مختصر تفصیل	۲۴۳
آیت کریمہ میں ''لکم'' سے کس کو خطاب کیا گیا ہے؟	۲۴۴
''آية'' مؤنث ہے پھر اس کیلئے ''کان'' فعل مذکر کیوں لایا گیا ہے؟	۲۴۴

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

''یرونهم مثلیهم'' کی تمام ضمیروں کے مراجع کی تعیین	۲۴۴
سوال (٦٩)	۲۴۵
ترجمة العبارة	۲۴۵
تفسیر العبارة	۲۴۵
علامہ سیوطیؒ نے ''متاع'' کی کیا تفسیر کی ہے؟	۲۴۶
خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق	۲۴۶
سوال (٧٠)	۲۴۷
ترجمة العبارة	۲۴۷
تفسیر العبارة	۲۴۸
''بشرهم'' کی تفسیر ''أعلمهم'' سے کرنے کی وجہ	۲۴۸
مفسر علامؒ نے ''دخلت الفا....الخ....'' سے کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟	۲۴۹
سوال (٧١)	۲۵۰
ترجمة العبارة	۲۵۰
آیت کریمہ کا شان نزول	۲۵۰
''هيهات'' اسم ہے یا فعل؟	۲۵۲
''الخير'' کے بعد ''اى الشر'' کا اضافہ کرنے کی وجہ	۲۵۲
سوال (٧٢)	۲۵۲
ترجمة العبارة	۲۵۳
فوائد تفسیر	۲۵۳

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

''هذا'' کے مشار الیہ کی تعیین اور موالات کی تشریح	۲۵۴
سوال (۷۳)	۲۵۴
ترجمۃ العبارۃ	۲۵۵
تفسیر العبارۃ	۲۵۵
''حواریین'' کون تھے؟	۲۵۵
سوال (۷۴)	۲۵۶
ترجمۃ العبارۃ	۲۵۶
مکر کے لغوی معنی اور اللہ رب العزت کیلئے اس کو استعمال کرنے کا حکم	۲۵۷
مفسرؒ نے ''خیر الماکرین'' کی تفسیر ''أعلمھم'' سے کیوں کی ہے؟	۲۵۷
سوال (۷۵)	۲۵۸
ترجمۃ العبارۃ	۲۵۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام، یہود اور نصاریٰ کا عقیدہ	۲۵۹
''متوفیک، رافعک'' کی اسلامی عقیدہ ظاہر کرنے والی تشریح	۲۵۹
''متوفیک، رافعک، مطھرک'' کی لغوی اور صرفی تحقیق	۲۶۰
سوال (۷۶)	۲۶۱
ترجمۃ العبارۃ	۲۶۱
آیت کریمہ کا شان نزول	۲۶۲
مباہلہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۶۳
کیا مباہلہ اب بھی مشروع ہے؟	۲۶۳

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال (۷۷)	۲۶۳
ترجمة العبارة	۲۶۴
تفسیر العبارة	۲۶۴
یہاں رسول سے کونسے رسول مراد ہیں؟	۲۶۵
سوال (۷۸)	۲۶۶
ترجمة العبارة	۲۶۶
آیت کریمہ کا شان نزول	۲۶۷
اس آیت میں یہود کے کس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے؟	۲۶۷
حضرت یعقوب علیہ السلام کا کیا واقعہ ہے؟	۲۶۸
عرق النساء کس بیماری کا نام ہے؟	۲۶۸
سوال (۷۹)	۲۶۸
ترجمة العبارة	۲۶۹
تفسیر العبارة	۲۶۹
مکہ اور بکہ کی تفصیل	۲۷۰
سوال (۸۰)	۲۷۱
ترجمة العبارة	۲۷۱
تفسیر العبارة	۲۷۲
مفسرؒ نے استفہام تعجب کے بجائے استفہام تعجیب کیوں کہا ہے؟	۲۷۳
موت جب غیر اختیاری چیز ہے تو اس سے نہی کیوں کی جا رہی ہے؟	۲۷۳

''حق تقاته'' کا مطلب	۲۷۳
سوال (۸۱)	۲۷۴
ترجمۃ العبارۃ	۲۷۴
غزوۂ احد کا پس منظر اور مختصر واقعہ	۲۷۵
''اذھمت طائفتان'' سے کون لوگ مراد ہیں اور ان کا کیا واقعہ ہے؟	۲۷۶
غزوۂ احد میں ہزیمت کے کیا اسباب تھے اور ان سے کا سبق ملتا ہے؟	۲۷۷
سوال (۸۲)	۲۷۷
ترجمۃ العبارۃ	۲۷۸
تاریخ بدر پر مختصر روشنی	۲۷۸
بدر کا جائے وقوع اور وجہ تسمیہ	۲۷۹
بدر میں آنے والے فرشتوں کی تعداد میں دفع تعارض	۲۸۰
سوال (۸۳)	۲۸۰
ترجمۃ العبارۃ	۲۸۰
تفسیر العبارۃ	۲۸۱
''طرائق فی الکفار'' کا مطلب	۲۸۱
سوال (۸۴)	۲۸۲
ترجمۃ العبارۃ	۲۸۲
تفسیر العبارۃ	۲۸۳
فوائد تفسیر	۲۸۳

''ربیون'' کون سا کلمہ ہے......الخ.....؟	۲۸۴
نیز صبر کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۸۴
سوال (۸۵)	۲۸۵
ترجمۃ العبارۃ	۲۸۵
تفسیر العبارۃ	۲۸۶
''امنۃ.... نعاسا.... یظنون.... اور.... غیر الحق'' ترکیب میں کیا واقع ہیں؟	۲۸۷
سوال (۸۶)	۲۸۷
ترجمۃ العبارۃ	۲۸۸
آیت میں مذکورواقعہ کی تفصیل	۲۸۸
آیت کریمہ کی ترکیب	۲۸۹
سوال (۸۷)	۲۸۹
ترجمۃ العبارۃ	۲۹۰
آیت کا کریمہ کا شان نزول	۲۹۰
مفسر علامؒ نے ''ظلام'' کے بعد ''ذی ظلم'' فرما کر کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟	۲۹۱
''سنکتب'' سے ''بغیر حق'' تک کی ترکیب	۲۹۱
سوال (۸۸)	۲۹۲
ترجمۃ العبارۃ	۲۹۲
تفسیر العبارۃ	۲۹۳
کلالہ کی تعریف	۲۹۴

’’یورث‘‘ ترکیب میں کیا واقع ہے؟ اور ’’کلالة‘‘ کیوں منصوب ہے؟	۲۹۴
سوال (۸۹)	۲۹۴
ترجمۃ العبارۃ	۲۹۵
تفسیر العبارۃ	۲۹۵
فعل سدومیت کے حکم میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف	۲۹۶
سوال (۹۰)	۲۹۷
ترجمۃ العبارۃ	۲۹۸
تفسیر العبارۃ	۲۹۸
حالت ’’یأس‘‘ اور ’’بأس‘‘ کس کو کہتے ہیں؟	۲۹۹
’’کتب علی نفسہ‘‘ کو مقدر ماننے کی وجہ	۲۹۹
’’قریب‘‘ سے پہلے ’’زمن‘‘ مقدر ماننے کی وجہ؟	۳۰۰
سوال (۹۱)	۳۰۰
ترجمۃ العبارۃ	۳۰۰
آیت کریمہ میں ’’آباؤ کم‘‘ کی مراد اور آیت مذکورہ کا شان نزول	۳۰۱
’’الا ماقد سلف‘‘ میں استثناء کی کون سی قسم ہے؟	۳۰۲
’’ساء سبیلا‘‘ کی ترکیب اور مخصوص بالذم کی تعیین	۳۰۲
سوال (۹۲)	۳۰۲
ترجمۃ العبارۃ	۳۰۳
تفسیر العبارۃ	۳۰۳

باندیوں کیلئے نصف حد کیا ہے؟	۳۰۵
''المحصنٰت'' کی تفسیر ''الحرائر'' سے کیوں کی گئی ہے؟	۳۰۵
سوال (۹۳)	۳۰۵
ترجمۃ العبارۃ	۳۰۶
تفسیر العبارۃ	۳۰۶
ایک اہم سوال اور اس کا جواب	۳۰۶
صغائر اور کبائر میں تعریف کے اعتبار سے فرق	۳۰۷
''الصغائر'' کے بعد ''الطاعات'' ذکر کرنے کی وجہ	۳۰۷
''بضم المیم وفتحھا'' کے ذکر کرنے کی وجہ	۳۰۷
سوال (۹۴)	۳۰۸
ترجمۃ العبارۃ	۳۰۸
تفسیر العبارۃ	۳۰۸
فوائد تفسیر	۳۰۹
یہ آیت دوسری آیت کریمہ ''والوا الارحام'' سے کس طرح منسوخ ہے؟	۳۱۰
عقد موالات کسے کہتے ہیں؟	۳۱۰
سوال (۹۵)	۳۱۱
ترجمۃ العبارۃ	۳۱۱
آیت کریمہ کا شان نزول	۳۱۱
''قوامون'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریف	۳۱۲

عورتوں کیلئے مسجد جانے کا حکم	۳۱۲
سوال (۹۶)	۳۱۲
ترجمۃ العبارۃ	۳۱۳
آیت کریمہ کا شان نزول	۳۱۳
تفسیر العبارۃ	۳۱۴
''سکاریٰ''...''من الشراب'' سے مقید کرنے کی وجہ	۳۱۵
بحالت جنابت مرور فی المسجد کے متعلق فقہاء کے اقوال	۳۱۵
سوال (۹۷)	۳۱۵
ترجمۃ العبارۃ	۳۱۶
تفسیر العبارۃ	۳۱۶
''ماانزلنا'' اور ''مامعکم'' سے کیا مراد ہے؟	۳۱۷
''کمالعنا اصحٰب السبت'' سے کس طرف اشارہ ہے؟	۳۱۷
سوال (۹۸)	۳۱۸
ترجمۃ العبارۃ	۳۱۸
آیت کریمہ کا شان نزول	۳۱۹
تفسیر العبارۃ	۳۲۰
''جبت'' اور ''طاغوت'' سے کیا مراد ہے	۳۲۰
آیت اور تفسیر میں استعمال ہونے والے افعال کی لغوی اور صرفی تحقیق	۳۲۱
سوال (۹۹)	۳۲۱

ترجمۃ العبارۃ	۳۲۲
آیت کریمہ کا شان نزول	۳۲۲
فتح مکہ کس سن میں ہوا اور حضرت عثمان بن طلحہ کب اسلام لائے؟	۳۲۳
لفظ ''نعما'' کی تشریح اور اس میں ''ما'' کیسا ہے اس کی تعیین؟	۳۲۴
سوال (۱۰۰)	۳۲۴
ترجمۃ العبارۃ	۳۲۵
تفسیر العبارۃ	۳۲۵
فوائد تفسیر	۳۲۶
ایک سوال اور اس کا جواب	۳۲۶
لام قسم سے کیا مراد ہے اور ''منکم'' میں ضمیر کے مخاطب کون لوگ ہیں؟	۳۲۷
''وھذا راجع'' کا مطلب، قول ومقولہ اور جملہ معترضہ کی وضاحت	۳۲۷
سوال (۱۰۱)	۳۲۷
ترجمۃ العبارۃ	۳۲۸
آیت کریمہ کا شان نزول	۳۲۸
''فی تلخیص'' اور ''داعین'' کو کیوں مقدر مانا گیا ہے؟	۳۲۹
''المستضعفین'' کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ''القریۃ'' کی تعیین	۳۲۹
فتح مکہ کے حضور علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کا حاکم کس کو بنایا تھا؟	۳۲۹
سوال (۱۰۲)	۳۳۰
ترجمۃ العبارۃ	۳۳۰

آیت کریمہ کا شان نزول	۳۳۰
''فریق منهم'' سے کون مراد ہیں اور جہاد کے فرض سے ان پر.....	۳۳۱
''اشد'' ترکیب میں کیا واقع ہے اور ''فلما'' کا جواب کیا ہے؟	۳۳۱
سوال (۱۰۳)	۳۳۲
ترجمۃ العبارۃ	۳۳۲
تفسیر العبارۃ	۳۳۳
فوائد تفسیر	۳۳۳
قتل کی اقسام اور ان کے احکام	۳۳۴
سوال (۱۰۴)	۳۳۵
ترجمۃ العبارۃ	۳۳۵
تفسیر العبارۃ	۳۳۵
''بیان للواقع'' سے مفسر کیا بتانا چاہتے ہیں؟	۳۳۶
''یؤخذ'' سے بیان کردہ اختلاف اور فریقین کے دلائل:	۳۳۶
سوال (۱۰۵)	۳۳۷
ترجمۃ العبارۃ	۳۳۸
تفسیر العبارۃ	۳۳۸
فوائد تفسیر	۳۴۰
آیت کریمہ میں ''الکتاب'' سے کونسی کتاب مراد ہے؟	۳۴۱
''الحق'' سے پہلے ''القول'' اور ''روح'' سے پہلے ''ذو'' کیوں مقدر مانا گیا ہے؟	۳۴۱

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال(۱۰۶)	۳۴۱
ترجمۃ العبارۃ	۳۴۲
آیت کریمہ کا شان نزول	۳۴۲
تفسیر العبارۃ	۳۴۳
کلالہ کے لغوی اور شرعی معنی	۳۴۳
''ان امرؤا ھلک'' کی ترکیب	۳۴۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿انتساب﴾

خاکسار اپنی اس حقیر کاوش کو محسنِ انسانیت آفتابِ ہدایت جناب **محمد الرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم** کی جانب منسوب کرنا باعث سعادت سمجھتا ہے، بلاشبہ آپ کی ہدایات پر عمل کرنا ہی کامیابی کی دلیل ہے۔

زہے نصیب اگر قبول افتد

فقط السلام

احقر العباد

ولی اللہ اختر القاسمی بجنوری

خادم الحدیث النبوی: معہد عائشہ الصدیقہ قاسم العلوم

دیوبند (یوپی) الہند

﴿عرض مرتب﴾

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ :اما بعد...

یا رب صل وسلم دائماً ابداً ☆ علیٰ حبیبک خیر الخلق کلهم

اللہ رب العزت کا بے انتہاء فضل وکرم اور احسان ہے کہ اس نے احقر کو علم تفسیر کی خدمت کا موقع فراہم کیا ہے، اللہ کی اس نعمت کا جس قدر شکرادا کیا جائے کم ہے۔ فللّٰہ الحمد کثیرا ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم تفسیر نہایت اہم ترین علم ہے اور اس کے متعلق کام کرنے والوں کو اپنا ہر قدم نہایت احتیاط سے رکھنا پڑتا، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہر زمانہ میں علماء نے مختلف طریقوں سے اس علم کی خدمت کی ہے اور اپنا نام خدام القرآن کی فہرست میں شامل کرایا ہے، اکابر کے اسی انداز وطریق کو دیکھتے ہوئے احقر کے دل میں بھی یہ خیال چرایا کہ یہ بھی اپنا نام کسی اعتبار سے کتاب اللہ کے خدمت گذاروں میں شامل کرالے، پس اسی خیال کے پیش نظر احقر نے جلالین شریف کے چند مقامات کو جو عموما دار العلوم دیوبند کے داخلہ، ششماہی اور سالانہ امتحانات میں آتے ہیں حل کیا ہے احقر نے اس کتاب کی ترتیب میں جہاں اور بہت سی تفاسیر پر اعتماد کیا ہے وہیں ترجمہ کے سلسلے میں خاص کر جمالین پر اعتماد کیا ہے اور اکثر جگہ ترجمہ کو جزوی تغیر کے بعد من وعن نقل کیا ہے اور اس کا اصل مقصد صرف اور صرف احتیاط ہے کہ کہیں کتاب اللہ کے کسی لفاظ کا ترجمہ غلط نہ ہو جائے، پھر بھی انسان ہوں اور اغلاط ممکن ہی نہیں امکن ہے اس لئے عاجزانہ گذارش ہے کہ اگر کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو احقر کو ضرور مطلع فرمادیں، آپ کی یہ کوشش ان شاء اللہ دین کی ایک خدمت شمار ہوگی، اسی کے ساتھ میں اپنے تمام محبین بالخصوص والدِ محترم، والدۂ محترمہ، اساتذۂ کرام اور حضرت مولانا ندیم الواجدی دامت برکاتہم مالک دار الکتاب دیوبند کا شکر گذار ہوں کہ ان حضرات ہی کی توجہات سے احقر کسی لائق ہوا ہے، میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ احقر کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

احقر العباد: ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)

﴿قلبی تاثرات﴾

والد محترم حضرت مولانا حسین الدین صاحب قاسمی بجنوری دامت برکاتہم
مہتمم جامعہ انوار الصفہ شہر بجنور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی انزل الکتاب علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا والصلاۃ والسلام علٰی من اُرسل بشیرا ونذیرا وعلٰی آلہ واصحابہ الخادمین والعاملین بالکتاب والسنۃ لیلاً ونھارا: امابعد...

کتاب اللہ کی خدمت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو ہر دور میں منتخب کیا ہے علامہ جلال الدین محلیؒ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ بھی انہیں برگزیدہ بندوں میں سے ہیں جن کی کتاب مستطاب ”**جلالین شریف**“ کو اللہ تعالیٰ ایسے شرف وقبولیت سے نوازا ہے کہ آج تک وہ مدارس اسلامیہ میں درس نظامی کا جز ولاینفک ہے، اس کتاب کی عربی اور اردو نیز دیگر زبانوں میں بہت سی شروحات ہیں پھر بھی اس کے اختصار اور ایجاز کی وجہ سے طالبین علوم دینیہ کو اس کے فہم میں بہت دشواریاں لاحق ہوتی ہیں، اسی سلسلے میں میری نظر سے ”**نور الزجاجین**“ بھی نظر نواز ہوئی جو کہ مشکل مقامات اور سوالات امتحانیہ کے حل کے سلسلے میں ایک بہترین شاہکار ہے، میں اس کو بالاستیعاب تو نہیں دیکھ سکا البتہ جستہ جستہ بعض مقامات پر نظر ڈالنے سے مصنفؒ کی کاوش کا اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ بہت خوب تفہیم وتشریح کا حق ادا کیا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ☆ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امید ہے کہ طالبین علوم دینیہ کیلئے یہ ایک سنگ میل اور منارۂ نور ثابت ہوگی اور وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور استفادہ کر کے مصنف کو دعائیں دیں گے، اللہ تعالیٰ مصنف کے اس زور قلم رواں دواں رکھے اور شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

فقط والسلام

(مولانا) حسین الدین القاسمی غفرلہ (بجنوری)

۱۳/فروری ۲۰۱۸ء

﴿دعائیہ کلمات﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم..... امابعد ....

جلالین شریف کو درس نظامی کا ایک اہم جز ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ کتاب جتنی جلیل القدر ہے اس کا اندازہ علماء وطلباء کو بخوبی ہے، مختلف زمانوں میں مختلف حالات کی وجہ سے اس کتاب کی تسہیل کا سلسلہ چلتا رہا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی " **نور الزجاجین** " بھی ہے کتاب بہت خوب ہے اللہ رب العزت مقبول فرمائیں۔ آمین۔

محمد راشد اعظمی

دارالعلوم دیوبند

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مُقدّمة

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفیٰ الصلوٰۃ والسلام علی محمد المصطفیٰ: أمابعد۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائماً أبداً ☆ عَلیٰ حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

علم تفسیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

واضح رہے کہ تفسیر کے لغوی معنی کسی چیز کو کھولنے اور وضاحت کرنے کے آتے ہیں، جبکہ اصطلاح میں علم تفسیر سے وہ علم مراد ہوتا ہے جس میں قرآن کریم کے علوم ومعارف کی وضاحت کی جاتی ہے،التفسیر لغۃ:الکشف والابانۃ،واصطلاحاً علم یبحث فیه عن احوال القرآن المجید من حیث دلالتہٖ علیٰ مراد اللّٰہ تعالیٰ بحسب طاقتہٖ۔

موضوع اور غرض وغایت:

علم تفسیر کا موضوع قرآن کریم اور غرض وغایت سعادت دارین ہے،موضوعہ:القرآن الکریم من حیث دلالتہٖ علیٰ مراد اللّٰہ تعالیٰ،والغرض الوصول الیٰ السعادۃ الابدیۃ۔

جلالین شریف اور اس کے مرتبین کا تعارف:

جلالین شریف قرآن کریم کی ایک عظیم الشان تفسیر ہے جو دو اکابر علماء کی تصنیف ہے، اس تفسیر کی عظمت شان کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے تفسیری کلمات قرآن کریم کے کلمات کے برابر ہیں اور اسی لئے بعض حضرات نے اس کو قرآن کریم کا عربی ترجمہ قرار دیا ہے، اس کے مرتبین نے کلمات تفسیریہ کو نہایت دقیق انداز میں پیش کیا ہے اور بڑی بڑی تفسیری عبارات کو مختصر جملوں میں بیان کر دیا ہے، یہ کتاب از ''الٓمٓ'' تا آخر سورۂ بنی اسرائیل علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی، اور از سورۂ کہف تا آخر و سورۂ فاتحہ علامہ جلال الدین محلیؒ کی مرتب کردہ ہے اسی لئے اس کا نام جلالین رکھا گیا ہے اس کتاب کے مرتبین کے حال واحوال کیا تھے یہ سوال نمبر ایک کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

Pinterest

Follow All Social Media Network:

NEW MADARSA

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿سوال ۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۰۰﴾

(الف) جلالین شریف کے دو مرتب ہیں ایک علامہ جلال الدین سیوطیؒ، اور دوسرے علامہ جلال الدین محلیؒ، آپ ان دونوں کے احوال تحریر کریں۔

جواب (الف)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے مختصر حالات:

جلالین شریف کے نصف اوّل کے مرتب علامہ جلال الدین سیوطیؒ ہیں، آپؒ کا نام نامی عبد الرحمٰن بن ابی بکر محمد کمال الدین، لقب جلال الدین اور کنیت ابو الفضل ہے، لیکن آپؒ اپنے لقب جلال الدین سے معروف ہیں اور سیوط کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے علامہ سیوطی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں، سیوط مصر میں دریائے نیل کے کنارے ایک شہر کا نام ہے اور اسی شہر کو محلّہ خضریہ اور سوق خضر بھی کہتے ہیں، علامہ سیوطی کی ولادت ۸۴۹ھ کو بعد نماز مغرب ہوئی، آپؒ اپنے وقت کے باکمال ائمۂ فن میں سے تھے، آپؒ پانچ سال سات ماہ کی عمر ہی میں والدِ محترم کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے اور آپؒ کے والد صاحب کی وصیت کے مطابق چند بزرگوں نے جن میں مشہور حنفی فقیہ علامہ کمالؒ بن الہمام بھی تھے آپؒ کی سرپرستی کی، آپؒ نے آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن کریم حفظ کیا اور پھر منہاج الاصول، الفیہ ابن مالکؒ وغیرہ کتابیں زبانی یاد کیں اور شیخ شمس سراجیؒ اور شیخ شمس مرزبانیؒ سے بہت سی درسی اور غیر درسی کتابیں پڑھ کر علم وفن کے حلقہ میں شرکت فرمائی، آپؒ تحصیل علم کے بعد ۸۷۰ھ میں مسند افتاء پر جلوہ افروز ہوئے اور دو سال کے بعد ۸۷۲ھ سے املا میں مشغول ہو گئے، آپؒ نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں تحریر کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے مجھے ساتھ علوم یعنی علم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع

میں تبحر عطاء کیا ہے، آپ فرماتے تھے کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور اگر اس سے زیادہ ملتی تو اور یاد کرتا، آپؒ نے چالیس سال کی عمر میں قضاء اور افتاء سے سبکدوش ہوکر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی، اور پھر اسی زندگی کے ساتھ ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ کو جمعہ کی آخرِ شب دار بقاء کی جانب روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ جلال الدین محلیؒ کے مختصر حالات:

جلالین شریف کے نصف ثانی کے مرتب علامہ جلال الدین محلیؒ ہیں، آپؒ کا نام نامی محمد ابن احمد اور لقب جلال الدین ہے، آپؒ مصر کے ایک شہر محلۃ الکبریٰ کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے جلال الدین محلی کے نام سے معروف ہیں، آپ کی ولادت شوال ۷۹۱ھ کو مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ہوئی، آپؒ نے چند ابتدائی کتابیں مقامی استاذہ سے پڑھنے کے بعد علم تفسیر علامہ شمس بساطیؒ سے علم فقہ علامہ بیجوریؒ، جلال الدین بلقینیؒ اور ولی عراقیؒ سے، نحو علامہ شہابؒ اور شمس شطعوئیؒ سے اور علم فرائض علامہ ناصر الدین مصریؒ سے حاصل کیا، آپ متعدد کتابوں کے مصنف صاحب کمال بزرگ تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ آپؒ کو علامہ سیوطیؒ کے استاذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، آپؒ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مقبول جلالین شریف، آپؒ اولاً کپڑے کی تجارت کرتے تھے لیکن بعد میں ایک شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر خود درس وتدریس میں مشغول ہو گئے تھے، آپؒ سے خلق کثیر نے استفادہ کیا، آپؒ پر عہدۂ قضاء بھی پیش کیا گیا تھا لیکن آپؒ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ساری زندی ذرس وتدریس ہی میں مشغول رہے اور اسی حالت میں شنبہ کے دن بعمر تہتر سال ۱۵/ رمضان المبارک ۸۶۴ھ صبح کے وقت اس دنیا سے رخصت ہو کر باب النصر میں اپنے آباء واجداد کے قریب آرام فرما ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے ☆ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

﴿سوال ۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴﴾

(الٓمّٓ) اللّٰہُ أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ (ذٰلِکَ) أَیْ هٰذَا (الْکِتٰبُ) الَّذِی یَقْرَؤُهُ مُحَمَّد صلی اللّٰہ علیه وسلم (لَا رَیْبَ) لَا شَكَّ (فِیْهِ) أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللّٰہ وَجُمْلَةُ النَّفْی خَبَرٌ مُبْتَدَأُهُ ذٰلِكَ وَالْإِشَارَةُ بِهِ لِلتَعْظِیْمِ (هُدًی) خَبَر ثَانٍ أَیْ هَادٍ (لِّلْمُتَّقِیْنَ) الصَّائِرِیْنَ إِلَی التَّقْوٰی بِامْتِثَالِ الْأَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاهِی لِاتِّقَائِهِمْ بِذٰلِكَ النَّار۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر مع فوائد تحریر کریں (ج) سورۂ بقرہ کی فضیلت تحریر کریں (د) حروف مقطعات کے متعلق اہل سنت والجماعت کا کیا مسلک ہے؟ ان حروف کی حقیقی مراد اللہ رب العزت کے علاوہ کسی کو معلوم ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو متاخرین ان کے معنی کرنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

الٓمّٓ: اللہ ہی اس سے اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے، یہ کتاب جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ منجانب اللہ ہے اور نفی کا یہ جملہ یعنی ''لاریب فیہ'' خبر ہے اس کا مبتداء ''ذٰلِک'' ہے اور اسم اشارہ بعید کا استعمال بیان تعظیم کے لئے کیا گیا ہے، (یہ کتاب) متقین کیلئے ہدایت ہے ''ھُدًی'' خبر ثانی ہے اور ''ھَادٍ'' کے معنی میں ہے، (اور متقین سے مراد) امتثالِ اوامر اور اجتنابِ نواہی کے ذریعہ تقویٰ کی رغبت رکھنے والے (حضرات) ہیں، (اور ان حضرات کو متقین) ان کے جہنم کی آگ سے بچنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے اس کا وحیِ

الٰہی ہونا ایک واضح اور بدیہی چیز ہے اس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کتاب میں شک وشبہ کرنا کج فہی اور حماقت کی دلیل ہے، یہ کتاب تو وہ عظیم کتاب ہے جو مؤمنین ومتقین کیلئے (یعنی ان لوگوں کیلئے جو غیب کی باتوں مثلاً بعث بعد الموت، جنت وجہنم پر ایمان رکھتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں، اللہ کی جانب سے عطاء کردہ اپنے اموال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور قرآن کریم اور اس سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں) راہ ہدایت فراہم کرتی ہے اور ان کو صراط مستقیم پر گامزن کرتی ہے جس راہ پر وہ عمل کر کے جنت کو حاصل کرتے ہیں اور کامیاب ہو جاتے ہیں۔

فوائد تفسیر:

قوله: الله أعلم بمراده بذلك.....

اس عبارت سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے "الٓمّٓ" کے معنی کی جانب اشارہ کیا ہے، واضح رہے کہ "الٓمّٓ" حروف مقطعات میں سے ہے، ان حروف کے کیا معنی ہیں اس کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں لیکن ان میں سے سب سے بہتر قول جس کو صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور مفسرین ومحدثین میں سے حضرت امام شعبیؒ، سفیان ثوریؒ اور خود صاحبؒ جلالین نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ یہ حروف باری سبحانہ وتعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہیں جن کے متعلق ہمارے لئے بحث کرنا مناسب نہیں ہے، اللہ ہی ان حروف کی مراد کو زیادہ جانتا ہے۔

قوله: ذلك: اى هذا.......

صاحبؒ جلالین نے یہاں "ذلک" اسم اشارہ کی تفسیر "هذا" سے کی ہے، اور قارئین کو یہ بتایا ہے کہ یہاں آیت کریمہ میں "ذلک" اسم اشارہ "هذا" کے معنی میں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ "الکتٰب" ہے جو کہ قریب ہے اور مشار الیہ قریب کیلئے اسم اشارہ قریب ہی استعمال کیا جاتا ہے، اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ پھر باری تعالیٰ نے یہاں اسم اشارہ بعید کیوں استعمال کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اسم اشارہ بعید کا لانا تعظیم کیلئے ہے اور یہ بتانا مقصود

ہے کہ قرآن کریم اللہ رب العزت کی عظیم المرتبت کتاب ہے۔

قولہ: الذی یقرؤہ محمد (صلی اللّٰہ علیہ وسلم).......

اس عبارت سے صاحبؒ جلالین نے ''الکتٰب'' کے عموم کو ختم کیا ہے، گویا آپؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یہاں ''الکتٰب'' سے کوئی اور آسمانی کتاب مراد نہیں ہے بلکہ خاص وہ کتاب مراد ہے جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے ہیں اور جس کا نام قرآن کریم ہے۔

قولہ: لا ریب فیہ :ای لا شک.....

صاحبؒ جلالین نے ''لا ریب فیہ'' کی تفسیر ''لا شک فیہ'' سے کی ہے اور اس سے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ قرآن کریم میں ظاہری اور باطنی کسی بھی طرح کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قولہ: انہ من عند اللّٰہ......

یہ جملہ اگر فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو ترکیب میں ضمیر مجرور سے بدل واقع ہوتا ہے، صاحبؒ جلالین نے اس جملہ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''ذلک الکتٰب'' میں ''الکتٰب'' مفرد ہے اور اسی مفرد سے اللہ رب العزت نے ''لا ریب فیہ'' فرما کر شک کی نفی کی ہے لیکن مفرد میں تو کوئی شک ہوتا ہی نہیں ہے، شک تو قضیہ میں ہوتا ہے پھر یہاں مفرد سے شک کی نفی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ صاحبؒ جلالین اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب! یہاں ''الکتٰب'' مفرد نہیں ہے بلکہ قضیہ ہی ہے اور اس کی اصل تقدیری عبارت یہ ہے ''ذلک الکتٰب انہ من عند اللّٰہ'' اور اسی قضیہ سے اللہ رب العزت نے شک کی نفی کی ہے۔

قولہ: وجملۃ النفی خبر......

یہاں سے صاحبؒ جلالین نے آیت کریمہ ''ذلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین'' کی ترکیب بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''لا ریب فیہ'' خبر ہے اور اس کا مبتداء ''ذلک'' ہے اور خبر ثانی ''ھدی'' ہے جو کہ ''ھاد'' اسم فاعل کے معنی میں ہے۔

قوله: الصائرین الی التقویٰ.....

یہاں سے بھی صاحب جلالین نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم کو متقین کیلئے ہدایت کا ذریعہ بتایا ہے حالانکہ متقی کہتے ہی ہدایت یافتہ کو ہیں تو پھر ہدایت یافتہ کو ہدایت دینے کے کیا معنی ہیں؟ مفسرؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں متقین سے ہدایت یافتہ لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو تقویٰ اختیار کرنے کی جانب رغبت رکھتے ہیں پس یہ کتاب یعنی قرآن کریم ایسے لوگوں کیلئے ہدایت کا سبب ہے۔

قولہ: لاتقائھم بذلک النار.....

مفسرؒ فرماتے ہیں اگر اس آیت کریمہ میں متقین سے اہل تقویٰ ہی کو مراد لیا جائے (جیسا کہ بعض حضرات نے لیا ہے) تو پھر زیر بحث سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم متقین کے واسطے اس لئے راہ ہدایت ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو کر جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

جواب (ج)

سورۂ بقرہ کی فضیلت:

حدیث شریف میں سورۂ بقرۃ کے متعدد فضائل وارد ہوئے ہیں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''لاتجعلوا بُیُوتکم قبورًا فَاِنَّ البَیْتَ الَّذِی تُقرَأُ فیه سُورَةُ البَقَرَةِ لَایَدْخُلُهُ الشَّیْطَانُ'' اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا ہے، نیز آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے ''لکل شئی سنام وسنام القرآن سورۃ البقرۃ'' ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن کریم کا کوہان سورۂ بقرۃ ہے، ایک روایت میں ہے کہ قرآنی آیتوں کی سردار آیت الکرسی ہے جو کہ سورۂ بقرۃ میں ہے۔

ایک روایت میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سورۂ بقرۃ کو سیکھو اس لئے کہ اس کا حاصل کرنا برکت ہے

اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے نیز ایک دوسری روایت میں آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ سورۂ بقرۃ اور سورۂ آل عمران کو سیکھو کیونکہ یہ دونوں روشن چیزیں ہیں اور یہ دونوں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں پر بادل کی طرح سایہ کریں گی۔

حضرت امام سیوطیؒ نے اپنی تفسیر الدر المنثور میں حضرت ابومنیب علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نماز میں سورۂ بقرۃ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت کی جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس سے معلوم کیا کہ کیا تو نے سورۂ بقرۃ اور آل عمران پڑھی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں پڑھی ہیں تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دونوں سورتوں میں وہ اسم اعظم ہے کہ جس کے ذریعے کوئی شخص دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے، امام اصبہانی الترغیب میں عبدالواحد بن ایمن کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص جمعہ کی رات میں سورۂ بقرۃ اور آل عمران کو پڑھتا ہے تو اس کو اتنا اجر ملتا ہے جتنا لبید اور عروبا کے درمیان فاصلہ ہے اور لبید ساتویں زمین پر اور عروبا ساتویں آسمان پر ہے۔

(الدر المنثور ۱/۱۰۰ تا ۱۰۱ ۲..... جمالین ۱/۵۱)

جواب (د)

حروف مقطعات کے متعلق اہل سنت والجماعت کا کیا مسلک ہے؟:

واضح رہے کہ حروف مقطعات کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ یہ اللہ رب العزت کے رازوں میں سے ایک راز ہیں، ان کے معانی اور مراد اللہ رب العزت کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہیں ہیں اب رہا متأخرین کا ان کے معنی کرنے کی اجازت دینا تو وہ باطل فرقوں کی فتنہ انگیزی کو روکنے کیلئے ہے تاکہ اہل باطل ان حروف کے غلط معانی بیان کر کے عوام الناس کو گمراہ نہ کر سکیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

﴿سوال ۳﴾
﴿جلالین شریف صفحہ ۴﴾

(إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْا) كَأَبِي جَهْلٍ وَأَبِي لَهَبٍ وَنَحْوِهِمَا (سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ أَنْذَرْتَهُمْ) بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَالِ الثَّانِيَةِ أَلِفًا وَتَسْهِيلِهَا وَإِدْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْأُخْرَى وَتَرْكِهِ (أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ) لِعِلْمِ اللّٰهِ مِنْهُمْ ذٰلِكَ فَلَا تَطْمَعْ فِي إِيْمَانِهِمْ وَالْإِنْذَارُ إِعْلَامٌ مَعَ تَخْوِيْفٍ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کرتے ہوئے انذار کے معنی اور انبیاء کو نذیر کہنے کی وجہ تحریر کریں (ج) ''كابی جهل وابی لهب'' سے مفسر علامؒ نے کس طرف اشارہ کیا ہے تحریر کریں (د) ''ء أنذرتهم''میں ہمزہ کیسا ہے؟ اور''بتحقيق الهمزتين'' سے مفسرؒ نے کتنی قرائتوں کو بیان کیا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

بلاشبہ وہ لوگ جو منکر ہوئے جیسے کہ ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ، تو (اے محمدؐ) آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا (دونوں) برابر ہیں''ءَ اَنْذَرْ تَهُمْ'' یہ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے تبدیل کر کے اور دوسرے میں ترک تسہیل کر کے اور مُسَهَّلَہ اور مخففہ کے درمیان الف داخل کر کے اور ان کے درمیان ترک تسہیل کر کے پڑھا جاتا ہے، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کے متعلق یہ بات اللہ رب العزت کے علم میں ہے، لہٰذا آپؐ ان کے ایمان کی امید نہ رکھیں، اور انذار خوف کے ساتھ ڈرانے کو کہتے ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اہل ایمان کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ان آیات میں اللہ رب العزت نے ان

کافروں کا ذکر فرمایا ہے جن کا خاتمہ علی الکفر اللہ کے علم میں متعین ہے جیسے کہ ابو جہل اور ابولہب وغیرہ ہیں اللہ رب العزت ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبیؐ! آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کیلئے سب برابر ہے یہ لوگ علم باری کے اعتبار سے کافر ہیں اور کافر ہی رہیں گے اور اسی حالت میں ان کو موت آئے گی۔

اِنذار کے معنی:

واضح رہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے لفظ ''انــــــذار'' استعمال کیا ہے، انذار ''ابشار'' کی ضد ہے ''ابشار'' اس خبر کو کہتے ہیں جس سے سرور پیدا ہوتا ہے اور ''انذار'' اس خبر کو کہتے ہیں جس سے خوف پیدا ہوتا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ عموماً ڈرانے سے کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ''انــــذار'' مطلق ڈارانے کو نہیں کہتے بلکہ اس ڈرانے کو کہتے ہیں جو شفقت ورحمت کی بناء پر ہوتا ہے جیسے اولاد کو آگ سے، سانپ، بچھو اور درندوں سے ڈرایا جاتا ہے اسی لئے جوڈاکو، چور اور ظالم کسی انسان کو ڈراتے دھمکاتے ہیں اس کو انذار اور ان لوگوں کو نذیر نہیں کہا جاتا۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضور علیہ السلام کو یہ تسلی دی ہے کہ وہ ضدی اور معاند کفار جو حقیقت کو پہچاننے کے باوجود کفر وانکار پر جمے ہوئے ہیں یا اپنے تکبر اور کج رائی کی بناء پر کسی حق بات کو سننے اور روشن دلائل کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کی اصلاح اور ایمان کے متعلق آپ کا کوشش کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، حق یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان قبول نہیں کریں گے اور اس کی وجہ جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے ان کے لئے حق کو سوچنے اور سمجھنے کے جتنے راستے تھے سب بند ہو چکے ہیں پس بایں وجہ ان کے ایمان اور اصلاح کی توقع رکھنا بے سود ہے۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانی ۱/ ۱۱۷....انوار البیان ۱/ ۳۷)

انبیاء کو نذیر کہنے کی وجہ:

واضح رہے کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کو خصوصیت سے نذیر کا لقب دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انذار شفقت کے ساتھ کسی کو خوف میں مبتلا کرنے کو کہتے ہیں اور

انبیاء علیہم السلام بھی قوم کو از راہِ شفقت آئندہ آنے والے مصائب سے ڈراتے اور خوف دلاتے ہیں پس بایں وجہ انبیاء علیہم السلام کو نذیر کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، شفیع عثمانی ۱/ ۱۱۷)

جواب (ج)

''کابی جھل وابی لھب'' سے مفسر علامؒ نے کس طرف اشارہ کیا ہے؟:

اس جملہ سے صاحبؒ جلالین نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے کفار مکہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبیﷺ! آپ چاہے ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں کفار میں سے بہت سے لوگ فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں تو اب اللہ رب العزت کے اس مذکورہ ارشاد کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ صاحب جلالینؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد کا مصداق تمام کفار نہیں ہیں بلکہ بعض کفار مثلاً ابو جہل اور ابولہب وغیرہ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان نہ لانا اللہ رب العزت کے علم میں متعین تھا پس انہیں کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبیﷺ! چاہے آپ ان کفار کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

جواب (د)

''ء أنذرتھم'' میں ہمزہ کیسا ہے؟ اور ''بتحقیق الھمزتین'' میں کتنی قرأتیں ہیں؟:

واضح رہے کہ ''ء أنذرتھم'' میں پہلا ہمزہ استفہامیہ تسویہ کیلئے ہے، اور ''بتحقیق الھمزتین'' سے مفسر علامؒ نے ''ء أنذرتھم'' کی پانچ مختلف قرائتوں کو بیان کیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے....

(۱) اس کو دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ پڑھیں اس صورت میں اس کی دو قرأتیں ہونگی (۱) دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے (۲) دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل نہ کر کے۔

(۲) اس کو دونوں ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ پڑھیں اس صورت میں بھی اس کی دو قرأتیں ہونگی (۱) دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے (۲) دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل

نہ کرکے، یہ کل چار قرأتیں ہوئیں، اب اس کی ایک پانچویں قرأت یہ ہے کہ اس جملہ کے دوسرے ہمزہ کو الف سے تبدیل کردیا جائے اور اس کو الف مدہ کے ساتھ کھینچ کر پڑھا جائے، پس یہ پانچ قرأتیں ہیں جن کو مفسر علامؒ نے یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ۵﴾

(وَإِذَا لَقُوا) أَصْلُه لَقِيُوا حُذِفَتِ الضَّمَّةُ لِلِاسْتِثْقَالِ ثُمَّ الْيَاءُ لِالْتِقَائِهَا سَاكِنَةً مَعَ الْوَاوِ (الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا) مِنْهُمْ وَرَجَعُوا (إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ) رُؤَسَائِهِمْ (قَالُوْٓا إِنَّا مَعَكُمْ) فِي الدِّيْنِ (إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ) بِهِمْ بِإِظْهَارِ الْإِيْمَانِ (اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ) يُجَازِيْهِمْ بِاسْتِهْزَائِهِمْ (وَيَمُدُّهُمْ) يُمْهِلُهُمْ (فِيْ طُغْيَانِهِمْ) تَجَاوُزِهِمُ الْحَدَّ بِالْكُفْرِ (يَعْمَهُوْنَ) يَتَرَدَّدُوْنَ تَحَيُّرًا حَالٌ (أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى) أَيْ اسْتَبْدَلُوْهَا بِهِ (فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ) أَيْ مَا رَبِحُوا فِيْهَا بَلْ خَسِرُوا لِمَصِيْرِهِمْ إِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ (وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کرتے ہوئے "لقوا" کی تعلیل تحریر کریں (ج) "استهزاء" اور "اشتراء" کے لغوی اور مرادی معنی تحریر کرکے دونوں کے مابین مناسبت تحریر کریں (د) مفسرؒ نے "فما ربحت تجارتهم" کی تفسیر "ماربحوا" سے کیوں کی ہے اس کی وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور "لَقُوا" اصل میں "لَقِيُوا" تھا یا پر ضمہ ثقیل تھا اس لئے اس کو حذف کردیا گیا، پھر یاء، واؤ کے ساتھ التقاء ساکنین

کی وجہ سے ساقط ہوگئی، اور جب تنہائی میں اپنے شیاطین یعنی سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دین میں تمہارے ساتھ ہیں اور ہم تو مسلمانوں کے ساتھ ایمان کا اظہار کر کے مذاق کرتے ہیں، اللہ ان سے مذاق کررہا ہے پس وہ ان کو ان کے استہزاء کا بدلہ دے گا اور اللہ ان کو ان کی سرکشی اور کفر میں حد سے تجاوز کرنے وجہ سے ڈھیل دے رہا ہے، اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ حیرانی میں بھٹک رہے ہیں "یَعْمَهُوْنَ" حال ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرلی ہے یعنی ہدایت کو گمراہی سے تبدیل کرلیا ہے، مگر یہ سودا ان کے لئے نفع بخش نہیں ہے، یعنی ان کو اس سودے میں کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ دائمی آگ کی طرف پلٹنے کی وجہ سے انہیں اس میں نقصان ہے، اور یہ لوگ اپنے طریقۂ کار میں صحیح طریقہ پر نہیں ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول جیسا کہ جلالین شریف کے حاشیہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین عبد اللہ ابن ابی بن سلول منافق کی جانب متوجہ ہوئے اور اس سے کہا کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ہمارے ساتھ مخلص رہنا چاہئے، عبداللہ بن ابی منافق یہ سنکر کہنے لگا کہ اے ابوبکرؓ وعمرؓ اور علیؓ ابن عم رسول اللہ ﷺ آپ حضرات کیلئے مرحبا، اس پر حضرت علیؓ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ خدا سے ڈر اور نفاق کو ترک کردے، عبداللہ ابن ابی منافق کہنے لگا کہ یہ بات میں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح مؤمن ہوں، ان حضرات کے جانے کے بعد وہ اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ (مسلمانوں کے سامنے) تم بھی یہی طریقہ اختیار کرو جو میں نے کیا ہے، اس پر دوست کہنے لگے کہ جب تک آپ زندہ ہیں ہم آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے، پس منافقین کی ان حرکات کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ رب العزت نے ان آیات کو نازل کیا اور اہل ایمان کو بتا دیا کہ منافقین تمہارے سامنے اگر چہ اپنے مؤمن ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن اندر سے کافر اور تمہارے مخالف ہیں۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۵.....کمالین ۱/۵۱)

''لقوا'' کی تعلیل:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کا پہلا لفظ ''لقوا'' تعلیل شدہ ہے، اس میں کیا تعلیل ہوئی ہے اس کو خود مفسر علام علیہ الرحمۃ نے بیان کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ''لقوا'' اصل میں ''لقِیُوا'' تھا ''ی'' پر اس کے ماقبل کسرہ ہونے کی وجہ سے ضمہ ثقیل تھا اس لئے ''ی'' کے ضمہ کو حذف کردیا گیا اب ''ی'' اور ''واو'' دو ساکن جمع ہوگئے تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے ''ی'' کو حذف کردیا گیا اور ''واو'' کی مناسبت سے ''ق'' کے کسرہ کو ضمہ سے تبدیل کردیا گیا، پس ''لقوا'' ہوگا۔

جواب (ج)

''استھزاء'' اور ''اشتراء'' کے لغوی اور مرادی معنیٰ:

واضح رہے کہ ''استھزاء'' کے لغوی معنیٰ تمسخر کرنے اور ''اشتراء'' کے لغوی معنیٰ کسی چیز کو خریدنے کے آتے ہیں، لیکن یہاں ان سے یہ معنیٰ مراد نہیں ہیں بلکہ ''استھزاء'' سے کفار کو ان کے استہزاء کا بدلہ دینا اور ''اشتراء'' سے حق کے بدلے کفر کو اختیار کرنا اور حق کو کفر سے تبدیل کرنا مراد ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ان دونوں الفاظ کے لغوی اور مرادی معنیٰ کے مابین کیا مناسبت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''استھزاء'' کے لغوی اور مرادی معنیٰ کے مابین تو یہ مناسبت ہے کہ جس طرح کفار اور منافقین اہل ایمان کے ساتھ استہزاء اور استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں تو جب اللہ رب العزت ان کو اس کا بدلہ دیں گے تو یہ بدلہ ان کیلئے استہزاء ہی کی مانند ہوگا۔

اور ''اشتراء'' کے لغوی اور مرادی معنیٰ کے درمیان یہ مناسبت ہے کہ جس طرح انسان خرید وفرخت کے ذریعہ کسی چیز کو اپنی مرضی سے اختیار کرتا ہے اسی طرح کفار و منافقین نے اپنی مرضی سے حق کے بدلے کفر کو اختیار کیا ہے۔

جواب (د)

مفسرؒ نے ''فما ربحت تجارتھم'' کی تفسیر ''ماربحوا'' سے کیوں کی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ ''فما ربحت تجارتھم'' کی تفسیر

''مـاربـحوا'' سے کی ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے ''مـاربـحوا'' سے اس آیت کی تفسیر کیوں کی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! مفسرؒ نے اس تفسیر سے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ ''فـمـاربـحـت تـجـارتهم'' میں ''ربح'' کی اسناد ''تـجـارت'' کی جانب اسناد مجازی کے قبیل سے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نفع اور نقصان اٹھانا فعل تجارت کے اوصاف میں سے نہیں ہے بلکہ صاحب تجارت کے اوصاف میں سے ہے صاحب تجارت ہی نفع اور نقصان کا مالک ہوتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۶﴾

(**كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا**) أُطْعِمُوا مِنْ تِلْكَ الْجَنَّاتِ (**مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ**) أَىْ مِثْلُ مَا (**رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ**) أَىْ قَبْلَه فِى الْجَنَّةِ لِتَشَابُهِ ثِمَارِهَا بِقَرِيْنَةِ (**وَاُتُوْا بِهٖ**) أَىْ جِيْئُوا بِالرِّزْقِ (**مُتَشَابِهًا**) يُشْبِه بَعْضُه بَعْضًا لَوْنًا وَيَخْتَلِفُ طَعْمًا (**وَلَهُمْ فِيْهَآ أَزْوَاجٌ**) مِنَ الْحُوْرِ وَغَيْرِهَا (**مُّطَهَّرَةٌ**) مِنَ الْحَيْضِ وَكُلِّ قَذَرٍ (**وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ**)۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''رزقـوا'' کے دونوں مفعول واضح کریں اور لفظ ''مثـل'' کیوں مقدر مانا گیا ہے اس کی وضاحت تحریر کریں (د) ''متشـابهـاً'' سے جنت ہی کے پھلوں کا آپس میں مشابہ ہونا مراد ہے؟ یا ان کا دنیا کے پھلوں سے مشابہ ہونا مراد ہے، اس سلسلے میں علامہ سیوطیؒ کا مختار قول کیا ہے اور اس کی کیا دلیل ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

جب ان باغوں میں سے کوئی پھل ان کو کھانے کے لئے بطور غذا دیا جائے گا تو کہیں گے کہ

یہ تو اسی جیسا ہے جو ہم کو اس سے پہلے کھانے کے لیے دیا گیا (تھا) یعنی یہ پھل اسی پھل کے مشابہ ہے جو اس سے پہلے جنت میں دیا گیا (تھا اور پھلوں کو ایک دسرے کے مشابہ قرار دینا اس لئے ہوگا) کہ جنت کے پھل ہم شکل ہوں گے اور اس قول کا قرینہ ''وَاُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا'' ہے یعنی ان کو ایسے پھل ملیں گے جو رنگ کے لحاظ سے ہم شکل ہوں گے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے مگر ذائقہ میں مختلف ہوں گے اور ان کے لئے جنت میں حیض اور ہر گندگی سے پاک بیویاں یعنی حوریں ہوں گی اور یہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مؤمنین کو جنت میں ملنے والی نعمتوں کی ایک جھلک بیان کی ہے، جنت میں مؤمنین کو جہاں مختلف قسم کی نعمتیں حاصل ہوں گی وہیں ان کو بطور غذا قسم قسم کے پھل بھی عطاء کئے جائیں گے اور یہ پھل ایک دوسرے کے اس قدر مشابہ ہوں گے کہ اہل جنت ان کو دیکھ کر کہیں گے یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں اس سے پہلے دیئے گئے تھے لیکن یہ پھل صرف شکل میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے لذت اور مزے میں مختلف ہوں گے۔

واضح رہے کہ آیت کریمہ کی مذکورہ بالا تفسیر اس صورت میں ہے جب کہ آیت کریمہ کے جملہ ''رزقنا من قبل'' میں ''من قبل'' سے جنت ہی میں ملنے والے پھلوں کو مراد لیا جائے اور اکثر مفسرین نے اس سے جنت ہی کے پھلوں کو مراد لیا ہے، لیکن اگر اس سے دنیا میں ملنے والے پھلوں کو مراد لیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے تو پھر اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب اہل جنت کو جنت میں پھل عطاء کئے جائیں گے تو جنتی ان کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ پھل انہیں پھلوں کی طرح ہیں جو اس سے پہلے ہمیں دنیا میں مل چکے ہیں۔

واضح رہے کہ مفسرین نے اس آیت کی یہ دونوں تفسیریں بیان کی ہیں لیکن اکثر حضرات نے پہلی تفسیر کو اختیار کیا ہے جبکہ علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے دوسری تفسیر کو اختیار کیا ہے چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''من قبل'' سے دنیا کے پھل مراد لینا زیادہ اولیٰ ہے اس لئے اس

صورت میں آیت کریمہ کے جملے ''کلما'' کا عموم بھی باقی رہتا ہے اور جنت میں ملنے والے پھل کے متعلق یہ کہنا بھی صحیح ہوتا ہے کہ یہ پہلے ملنے والے پھل کے مشابہ ہے۔

اس کے برخلاف علامہ نسفی علیہ الرحمۃ نے ''من قبل'' سے دنیا اور جنت دونوں میں ملنے والے پھلوں کو مراد لیا ہے چنانچہ آپ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں......

''والضمير في به يرجع الى المرزوق في الدنيا و الاخرة لان قوله هذا الذى رزقنا من قبل انطوى تحته ذكر ما رزقوه في الدارين''

یعنی اہل جنت کا جنتی پھلوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا جا چکا ہے دنیا اور جنت دونوں جگہ کے پھلوں کے متعلق ہے، اب اگر یہ مطلب مراد لیا جائے تو اس آیت کی یہ تفسیر ہوگی کہ جنت میں ملنے والے پھل اگر چہ صورت میں دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے مگر ان کا ذائقہ سب سے الگ اور جداء ہوگا، مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جنت کا کوئی پھل نہیں ہے بلکہ دنیا اور جنت کے پھلوں کے مابین صرف ناموں کی مشابہت ہے (اور اسی مشابہت کی وجہ سے) جنتی جنت کے پھلوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ سیب ہیں، یہ انار ہیں، ہم نے ان کو دنیا میں کھایا تھا لیکن وہ مزے میں دنیاوی پھل کی طرح نہ ہوں گے بلکہ ان کا مزہ اور کیف جنت کے اعتبار سے ہوگا۔ (انوار البیان ۱/ ۴۸ تا ۴۹)

جواب (ج)

''رزقوا'' کے دونوں مفعولوں کی وضاحت:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں ''رزقوا'' کے دو مفعول ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے کہ ''رزقوا'' ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب فاعل حرف ''و'' اس کا مفعول اول ہے اور اس کا مفعول ثانی ''رزقاً'' ہے جو اسی آیت میں آگے مذکور ہے۔

(اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابراہیم ۵)

آیت مذکورہ کی تفسیر میں لفظ ''مثل'' کیوں مقدر مانا گیا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''هذا الذى''

کے بعد لفظ ''مثـل'' کو مقدر مانا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے ''ھـذا الـذی'' کے بعد لفظ ''مثـل'' کو مقدر مان کر ایک وہم کو دور کیا ہے یہاں ''ھذاالذی'' سے کسی کو بھی یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جب جنتی جنت میں ملنے والے پھلوں کو پہلے والے پھلوں سے تشبیہ دیں گے تو گویا دونوں پھل رنگ، مزے اور دیگر صفات کے اعتبار سے ایک ہوں گے، مفسرؒ نے لفظ ''مثـل'' مقدر مان کر اس وہم کو دور کر دیا اور بتا دیا کہ جنت میں ملنے والے پھل کسی بھی اعتبار سے پہلے حاصل شدہ پھلوں کی طرح نہیں ہوں گے بلکہ ان کے مابین صرف رسمی مشابہت ہوگی۔ (کمالین ۱/۶۲)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (د)

کیا ''متشابھاً'' سے جنت ہی کے پھلوں کا آپس میں مشابہ ہونا مراد ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت کے ارشاد ''واتـوا بـه متشابھا'' میں ''متشابھاً'' سے جنت کے پھلوں کا جنت ہی کے پھلوں سے مشابہ ہونا مراد ہے یا دنیا کے پھلوں سے مشابہ ہونا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرات مفسرین کی دونوں رائے ہیں اکثر کی رائے اگرچہ یہ ہے کہ اس آیت میں جنت کے پھلوں کا جنت ہی کے پھلوں سے مشابہ ہونا مراد ہے لیکن بعض نے ان کا دنیا کے پھلوں سے مشابہ ہونا بھی مراد لیا ہے، اس کی مزید تفصیل تفسیر العبارۃ کے تحت گذر چکی ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام سیوطی علیہ الرحمۃ کی کیا رائے ہے؟:

واضح رہے کہ اس سلسلے میں صاحب کتاب حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ جنت کے پھل جنت ہی کے پھلوں کے مشابہ ہوں گے اور یہ مشابہت صرف رنگ وغیرہ میں ہوگی ذائقہ میں نہیں ہوگی، اور حضرت امام سیوطیؒ کی اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ آپؒ نے ''متشابھاً'' کی تفسیر ''یشبہ بعضہ بعضاً لونا ویختلف طعماً'' سے کی ہے جس سے آپؒ کی یہ رائے صراحتاً معلوم ہو جاتی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ٦﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷﴾

(إِنَّ اللّٰه لَا يَسْتَحْيِيٓ أَنْ يَّضْرِبَ) يَجْعَل (مَثَلاً مَّا) نَكِرَة مَوْصُوفَة بِمَا بَعْدهَا مَفْعُول ثَان أَی أَیَّ مَثَل كَانَ أَوْ زَائِدَة لِتَأْكِيدِ الْخِسَّة فَمَا بَعْدهَا الْمَفْعُول الثَّانِی (بَعُوضَةً) مُفْرَد الْبَعُوض وَهُوَ صِغَار الْبَقّ (فَمَا فَوْقَهَا) أَیْ أَكْبَر مِنْهَا أَیْ لَا يَتْرُك بَيَانه لِمَا فِيهِ مِنَ الْحُكْم (فَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ) أَیْ الْمَثَل (الْحَقُّ) الثَّابِت الْوَاقِع مَوْقِعه (مِنْ رَّبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰه بِهٰذَا مَثَلاً) تَمْيِيز أَیْ بِهٰذَا الْمَثَل وَمَا اسْتِفْهَام إِنْكَار مُبْتَدَأ وَذَا بِمَعْنَى الَّذِی بِصِلَتِهِ خَبَره أَیْ أَیّ فَائِدَة فِيهِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) شان نزول تحریر کریں (ج) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (د) ''یـــضـــرب'' کے مفعول اول اور ثانی کو متعین کرتے ہوئے جملہ ''ماذا.... الخ.'' کی ترکیب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے خواہ (وہ مثال) مچھر یا اس سے اوپر کی کسی چیز کی کیوں نہ ہو نہیں شرماتا (یہ مفعول اول ہے) ''مَـــا'' نکرہ موصوفہ اپنے مابعد صفت سے مل کر ''يضرب'' کا مفعول ثانی ہے یعنی ''مَثَلاً مَّا''...اَیَّ مِثَالٍ کَانَ'' کے معنی میں ہے یا ''ما'' زائدہ حقارت کی تاکید کے لئے ہے اور اس کا مابعد مفعول ثانی ہے، اور ''بَعُوضَة''... ''بعوض'' کا مفرد ہے اور اس سے مراد چھوٹا مچھر ہے، (اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے اوپر کسی چیز کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ) اس کے بیان کو ترک نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کے بیان کرنے میں حکمتیں ہوتی ہیں، پس اہل ایمان تو اس مثال کو اپنے رب کی طرف سے صحیح اور برمحل سمجھتے ہیں اور کفار یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی (حقیر) مثالوں سے کیا سروکار ہے؟

''مَثَلاً'' تمیز ہے ''ای بِهٰذا المثل '' اور'' ما '' برائے استفہام انکاری مبتداء اور'' ذا '' بمعنی ''الذی'' اپنے صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر ہے، یعنی (کفار کے قول کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو) اس مثال کے بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟۔

جواب (ب)

آیتِ مذکورہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول بقول حضرت قتادۃ رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں مکڑی اور مکھی وغیرہ کا تذکرہ فرمایا تو مشرکین کہنے لگے کہ قرآن میں تو مکڑی اور مکھی کا تذکرہ ہے بھلا اللہ تعالیٰ کو ایسی حقیر مثال سے کیا مطلب ہے (پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اللہ رب العزت کی کتاب نہیں ہے) اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور لوگوں کو بتایا کہ جس مثال میں فائدہ ہوتا ہے خواہ وہ مچھر یا اس سے اعلیٰ کسی چیز ہی کی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بیان کرتا ہے۔

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے کفار و یہود کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، ان کا یہ اعتراض قرآن کریم پر تھا اور اس کی آڑ میں انہوں نے قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کیا تھا جیسا کہ شان نزول کے تحت بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ رب العزت قرآن کریم میں مکڑی اور مکھی کی مثالیں بیان کیں تو اس پر کفار نے اعتراض کر دیا کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ اللہ کی کتاب ہوتا تو اس میں مکڑی اور مکھی کی مثالیں نہ ہوتیں اللہ کو ایسی مثالیں بیان کرنے سے کیا فائدہ ہے، اس پر اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ نازل فرمائی، تفسیر نسفی میں ہے کہ جب یہود نے قرآن کریم میں مکھی اور مکڑی کا ذکر سنا تو ہنسے اور کہنے لگے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے ملتی جلتی بات نہیں ہے (لہذا قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے)۔

اللہ رب العزت کفار و یہود کے مذکورہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس مثال کے بیان کرنے میں کوئی حکمت ہوتی ہے وہ مثال خواہ مچھر یا اس سے اعلیٰ کسی چیز کی

کیوں نہ ہو اللہ اس کو ضرور بیان کرتے ہیں اور اہل ایمان اس مثال کے حق اور منجانب اللہ ہونے پر یقین بھی رکھتے ہیں البتہ کفار اس کے ماننے سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہنے لگتے ہیں کہ بھلا اللہ رب العزت کا اس مثال سے مقصد ہے (لیکن کسی کو ان مثالوں کی وجہ سے قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے قرآن کریم یقینی طور پر اللہ العزت کا کلام اور اس کی کتاب ہے)۔ (انوار البیان/۵۰....معارف القرآن، ادریس کاندھلوی ۱/۱۰۵ تا ۱۰۶)

جواب (د)

"یضرب" کے مفعول اول اور ثانی کی تعیین اور جملہ "ماذا.... الخ..." کی ترکیب:

واضح رہے کہ "یضرب" کا مفعول اول "مثلاً" ہے، اور "ما" نکرۂ موصوفہ اپنے مابعد صفت سے ملکر اس کا مفعول ثانی ہے۔

اور جملہ "ماذا اراد اللّٰہ بھذا مثلاً" کی ترکیب یہ ہے کہ "ما" استفہامیہ مبتداء "ذا" بمعنیٰ "الذی" صلہ "اراد" فعل "اللّٰہ" فاعل "بھذا" جار مجرور سے ملکر "اراد" کے متعلق "مثلاً" تمیز، پھر یہ تمام جملہ موصول اور پھر صلہ اپنے موصول ملکر خبر اور مبتداء اپنی خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ (اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابراہیم ۵)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۸﴾

(وَ)اُذْكُرْ(إِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ)سُجُود تَحِيَّة بِالإنْحِنَاءِ (فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ)هُوَ أَبُو الْجِنّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَة (أَبٰى)امْتَنَعَ مِنَ السُّجُود (وَاسْتَكْبَرَ) تَكَبَّرَ عَنْهُ وَقَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ (وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ) فِي عِلْم اللهِ تعالىٰ (وقلنا يٰآدمُ اسْكُنْ أَنْتَ)تَأْكِيد لِلضَّمِيرِ الْمُسْتَتِر لِيَعْطِف عَلَيْهِ (وَزَوْجُكَ)حَوَّاء بِالْمَدِّ وَكَانَ خَلَقَهَا مِنْ ضِلْعه الْأَيْسَر (الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا)أُكْلًا (رَغَدًا)وَاسِعًا لَا حَجر فِيهِ (حَيْثُ شِئْتُمَا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) "فسجدوا الا ابلیس" کی

اور ''وکلا منہا رغدا'' کی ترکیب تحریر کریں (ج) مفسرؒ نے ''تاکید للضمیر المستتر'' سے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں (د) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اس وقت کو یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیم کے طور پر جھک جاؤ چنانچہ سب (فرشتے) جھک گئے، مگر ابلیس نہیں جھکا ابلیس جنات کا جد اعلیٰ ہے، وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے باز رہا اور وہ فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا، اس نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور کہا میں اس سے افضل ہوں اور وہ اللہ کے علم میں منکرین میں سے تھا اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدمؑ! تم اور تمہاری بیوی، حواءؑ جنت میں جو چاہو بغیر پابندی کے رغبت کے ساتھ کھاؤ ''اسکن انت'' میں ''انت'' ضمیر مستتر کی تاکید کے لئے ہے، تاکہ اس پر عطف کیا جا سکے اور ''حواء'' مد کے ساتھ ہے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی تھی۔

جواب (ب)

''فسجدوا الا ابلیس'' اور ''وکلا منہا رغدا'' کی ترکیب:

''فسجدوا الا ابلیس'' کی ترکیب یہ ہے کہ ''فسجدوا'' فعل ''کلھم'' محذوف مستثنیٰ منہ ''الّا'' حرف استثنا ''ابلیس'' مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے ملکر فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور ''وکلا منہا رغدا'' کی ترکیب جاننے سے پہلے یہ جان لیں کہ یہ جملہ ماقبل کے جملے ''قلنا یا آدم اسکن انت زوجک الجنۃ'' پر معطوف ہے، اب ترکیب سمجھیں کہ ''قلنا'' فعل بافاعل ''یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ'' معطوف علیہ ''کلا'' فعل امر ''منہا'' جار مجرور سے ملکر ''کلا'' کے متعلق ''رغدا'' مفعول مطلق ''کلا'' فعل اپنے متعلق اور مفعول سے

ملکر معطوف پھر معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر مفعول اور فعل، فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ (اعراب القرآن الکریم ،للدکتور محمد الطیب الابراہیم ٦....کمالین ۱/۵۷)

جواب (ب)

مفسرؒ نے ''تاکید للضمیر المستتر'' سے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے ''تاکید للضمیر المستتر'' سے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ رب العزت کے ارشاد ''یا آدم اسکن انت'' میں ''انت'' ضمیر بارز ''اسکن'' ... یدہ ضمیر کی تاکید ہے اور یہ ضمیر ''وزوجک'' کا عطف ''... م اسکن'' پر کرنے کیلئے ... ئی ہے کیونکہ ضمیر مستتر پر عطف کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب (د)

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق:

قولہ:...... ''الملئكة'' یہ ''ملک'' کی جمع ہے اور ''ملک'' اصل میں مفعل کے وزن پر ''مالک'' تھا اس میں ہمزہ تخفیفاً حذف کر دیا گیا اس طرح یہ ''ملک'' ہو گیا، واضح رہے کہ لفظ ''ملئكة''.... ''الوكة'' یا ''ملاک'' سے مشتق ہے ''الوكة'' کے معنی رسالت اور پیام رسانی کے آتے ہیں فرشتے بھی چونکہ اللہ رب العزت کا پیغام اس کے رسولوں کو پہنچاتے ہیں اس لئے ان کو ملائکہ کہا جاتا ہے، اور اگر اس کو ''ملاک'' سے مشتق مانیں تو ''ملاک'' کے معنی دارومدار کے آتے ہیں، اللہ رب العزت نے چونکہ کائنات کے نظام کا دارومدار فرشتوں پر رکھا ہے پس بایں وجہ ان کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔ (حاشیۃ الصاوی ۱/۵۸......فیض الامامین ۱/۴۸)

قولہ:...... ''آدمؑ'' اس کی لغوی تحقیق کیا ہے اس سلسلے میں علماء لغت کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کو عربی اور بعض نے عجمی قرار دیا ہے، مشہور مفسر حضرت علامہ زمخشری علیہ الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ اپنی اصل کے اعتبار سے عجمی ہے اور اپنے عجمہ اور علم ہونے وجہ سے غیر منصرف ہے، لیکن جو حضرات اس کو عربی کہتے ہیں ان کے نزدیک اس کا اشتقاق یا تو ''ادیم''

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سے ہے کیونکہ ''ادیــــم'' زمین یا سطح زمین سے پیدا ہونے والی چیز کو کہتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی تمام سطح زمین کی ایک مشت خاک سے پیدا کیا تھا جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں اس کی صراحت ہے یا پھر یہ ''ادمۃ'' سے مشتق ہے جس کے معنی گندم گوں ہونے کے آتے ہیں۔ (حاشیۃ الصاوی ۱/۵۹......فیض الامامین ۱/۵۱)

قولہ:...... ''حواء'' یہ اصل میں ''حیواء'' تھا اس میں تعلیل ہوئی اولاً ''یا'' کو ''واو'' کی مناسبت کی وجہ ''واو'' سے تبدیل کیا اور پھر ''واو'' کا ''واو'' میں ادغام کر دیا اس طرح یہ ''حــواء'' ہو گیا ہے، واضح رہے کہ لغوی اعتبار سے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو حواء اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کو زندہ انسان سے پیدا کیا گیا تھا جیسا کہ خود صاحب جلالین نے اس کی صراحت کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کو اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا تھا، جبکہ بعض حضرات کا کہنا ہے آپ کو حواء اس لئے کہتے ہیں کہ آپ ہر انسان کی ماں ہیں اور انسان جاندار ہوتا ہے۔ (مستفاد من کلام الشیخ حسین الدین القاسمی حفظہ اللہ تعالیٰ)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

❁❁❁❁❁

﴿سوال ۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۸﴾

(فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ) إِبْلِيس أَذْهَبَهُمَا وَفِي قِرَاءَة فَأَزَالَهُمَا نَحَّاهُمَا **(عَنْهَا)** اَىْ الْجَنَّة بِأَنْ قَالَ لَهُمَا هَلْ أَدُلُّكُمَا عَلَى شَجَرَة الْخُلْد وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَهُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ فَأَكَلَا مِنْهَا **(فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ)**۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) **ابلیس کافر** ہے اور کافر جنت میں نہیں جائے گا تو پھر ابلیس جنت میں کیسے گیا تحریر کریں (د) **''عنهما''** اور ''مما كانا فيه'' کی ضمیروں کے مراجع واضح کریں اور بتائیں کہ یہ دونوں

ضمیریں ایک ہی مرجع کی طرف راجع ہیں یا ان کے مراجع الگ الگ ہیں، اگر ان ضمائر کے مراجع الگ الگ ہیں تو ان میں سے ایک ضمیر مذکر اور ایک ضمیر مؤنث کیوں لائی گئی ہے اس کو بھی واضح کریں (ھ) حضرت آدم علیہ السلام نبی ہیں اور نبی معصوم ہوتا ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کا صدور کس طرح ہوا؟ جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

پس شیطان یعنی ابلیس نے ان دونوں (یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام) کو اس درخت کی وجہ سے لغزش میں مبتلا کر دیا، اور ایک قرأت میں ''فازالهما'' ہے یعنی ابلیس نے ان دونوں کو جنت سے دور کرا دیا، اس طرح کہ ابلیس نے ان دونوں سے کہا کہ کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت نہ بتاؤں؟ اور اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں پس ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا سو ابلیس نے ان دونوں کو اس (نعمت) سے جس میں وہ تھے نکال دیا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے جنت سے نکلنے کے واقعہ کو بیان کیا ہے، واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو پیدا فرمایا تو ان کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور خوب فراغت کے ساتھ جنت کی ہر چیز کھانے کا کھلا اختیار دیا، لیکن ایک خاص درخت کے متعلق (جو باختلاف روایات گیہوں، انگور، انجیر یا کھجور کا تھا) تاکید فرما دی کہ اس کے پاس نہ جانا اور اس کے پھل کو استعمال مت کرنا واضح رہے کہ اللہ رب العزت کا اصل مقصد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو اس درخت کے پھل کھانے سے روکنا تھا لیکن بطور مبالغہ اچھی طرح اہتمام کے ساتھ اس درخت ہی سے بچنے کی تاکید فرما دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اگر تم نے اس درخت کے پھل کو کھا لیا

تو ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے، لیکن ابلیس لعین نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو اس درخت کے پھل کھانے پر آمادہ کرلیا اور ان دونوں نے اس لعین کے جھانسے میں آکر اس کا پھل استعمال کرلیا اور اسی کے ساتھ جنت کی نعمتوں سے محروم کر کے دنیا میں اتار دیئے گئے۔ (انوار البیان ۱/۶۲)

جواب (د)

ابلیس کافر ہونے کے باوجود جنت میں کیسے گیا؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس کافر ہے اور کافر جنت میں نہیں جائے گا تو پھر ابلیس حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو بہکانے کیلئے جنت میں کس طرح چلا گیا؟ اس کا بے غبار جواب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے اور وہاں تک پہنچنے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے ہے اور اس نے اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی طرح حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے ذہن کو متاثر کیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دوسری شکل مثلاً سانپ وغیرہ کی شکل میں متشکل ہو کر جنت میں داخل ہو گیا ہو اور شاید اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی دشمنی کی طرف سے ذہول ہو گیا ہو، واضح رہے کہ تفسیر الدر المنثور میں اس طرح کی بہت سی روایات مذکور ہیں جن سے ابلیس کا سانپ کی شکل میں متشکل ہو کر یا سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے، بہرحال قرآن مجید کی آیت ''وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ'' سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو لغزش میں مبتلا کرنے کیلئے صرف وسوسہ اور ذہنی اثر ڈالنے سے کام نہیں لیا تھا بلکہ اس نے ان دونوں سے زبانی گفتگو بھی کی تھی اور اسی گفتگو کے دوران قسمیں کھا کر ان کو متاثر کیا تھا۔

جواب (ھ)

''عنهما'' اور ''مما كانا فيه'' کی ضمائر کے مراجع:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ''عنهما'' اور ''فيه'' دونوں کی ''ها'' ضمیر کا مرجع جنت ہے لیکن لفظ کے اعتبار سے ان دونوں کے مابین فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ''عنهما'' کی ضمیر کا مرجع

جنت اور ''فیه'' کی ضمیر کا مرجع ''مما'' کا ''ما'' ہے اور ''ما'' سے مراد نعیم الجنۃ یعنی جنت کی نعمتیں ہیں اور اسی لئے یہاں ایک ضمیر مؤنث اور دوسری ضمیر مذکر لائی گئی ہے۔

جواب (و)

کیا نبی سے گناہ کا صدور ہوسکتا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی ہیں اور نبی سے گناہ کا صدور ممکن نہیں ہے پھر حضرت آدم علیہ السلام سے شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کا گناہ کیسے سرزد ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ کا پھل کھانا گناہ نہیں ہے جیسا کہ آپ نے گمان کیا ہے بلکہ یہ خطا اور نسیان کے قبیل سے ہے اور آپ سے یہ غلطی اجتہاداً سرزد ہوئی تھی اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے دنیا کے امور میں اجتہادی سہو کا صدور ممکن ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۹﴾

(**واستعينوا**) اطلبوا المعونة على أُمُورِكُم (**بِالصَّبْرِ**) الْحَبس لِلنَّفْسِ عَلَى مَا تَكْرَه (**وَالصَّلوٰةِ**) أفردها بالذكر تعظيما لشأنها وَفِي الْحَدِيث كَانَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذاحزبه أَمْرٌ بَادَرَ إِلَى الصَّلَاة وَقِيلَ الْخِطَاب لِلْيَهُودِ لَمَّا عَاقَهُمْ عَنْ الْإِيمَان الشَّرَه وَحُبّ الرِّيَاسَة فَأُمِرُوا بِالصَّبْرِ وَهُوَ الصَّوْم لِأَنَّهُ يَكْسِر الشَّهْوَة وَالصَّلَاة لِأَنَّهَا تُورِث الْخُشُوع وَتَنْفِي الْكِبْر (**وَإِنَّهَا**) أَيْ الصَّلَاة (**لَكَبِيرَة**) ثَقِيلَة (**إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ**) السَّاكِنِينَ إِلَى الطَّاعَة (**الذين يظنون**) يوقنون (**أنهم ملقُوا رَبِّهِمْ**) بِالْبَعْثِ (**وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ**) فِي الْآخِرَة فيجازيهم۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسر علامؒ کے ذکر کردہ فوائد تفسیریہ کی وضاحت کریں (د) صبر کے دونوں معانی

اور ''یظنون'' کی تفسیر ''یوقنون'' سے کرنے کی وجہ تحریر کریں، نیز ظن، شک اور یقین کی تعریف مع فرق تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اپنے معاملات میں صبر وصلوۃ سے مدد طلب کرو، نفس کو اسکی ناپسندیدہ چیز کے کرنے پر مجبور کرنے کو صبر کہتے ہیں، اور یہاں صرف نماز کا تذکرہ اس کی عظمت شان کی وجہ سے کیا گیا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ علیہ السلام کو کوئی پریشان کن امر پیش آتا تو آپ علیہ السلام نماز کی طرف سبقت فرماتے تھے اور کہا گیا ہے کہ خطاب یہود کو ہے جب ان کو حرص اور حب جاہ نے ایمان لانے سے روک دیا تو ان کو صبر یعنی روزہ کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ شہوت کو توڑ دیتا ہے اور نماز کا حکم دیا گیا اس لئے کہ یہ خشوع پیدا کرتی ہے اور تکبر کو ختم کرتی ہے اور نماز بلاشبہ گراں ہے، مگر خشوع اختیار کرنے والوں یعنی اطاعت کی طرف مائل ہونے والوں پر گراں نہیں ہے اس لئے یہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور ان کو آخرت میں اپنے رب کے پاس جانا ہے، پس وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، واضح رہے کہ لفظ صبر تین معنی میں آتا ہے.....

(۱) طاعات پر جمے رہنا، خاص کر فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔

(۲) گناہوں سے پورے اہتمام کے ساتھ بچنا۔

(۳) مصائب اور مشکلات پیش آنے پر صبر کرنا۔

عام طور سے لوگوں میں صبر کے یہ تیسرا معنی ہی زیادہ معروف ہیں، صبر اپنے تینوں معنی کے

اعتبار سے اللہ رب العزت کی مدد لانے والا ہے، زندگی میں عموماً صبر کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں، عبادات بھی صبر ہی سے ادا ہوتی ہیں، نفس عبادت کے لیے تیار نہیں ہوتا، اگر تیار ہوتا ہے تو صحیح طریقہ سے ادا کرنے سے بچتا ہے، روزہ اور جہاد تو سراپا صبر ہی ہیں، نماز سب سے بڑی عبادت ہے اس میں بھی صبر کا مظاہرہ ہے، نمازی کا ظاہر اور باطن عبادت ہی میں مشغول ہو جاتا ہے جو نفس پر شاق ہوتا ہے، اس لئے صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلب کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے میں بڑا دخل رکھتی ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکلات کے موقع پر نماز کے ذریعہ اللہ رب العزت کی مدد طلب کرنا متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں لیلۃ الاحزاب کے موقع پر حضور علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو آپ چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل در پیش ہوتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ بدر کی رات میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام کے علاوہ کے سب لوگ سوئے ہوئے تھے اور آپ علیہ السلام برابر نماز میں مشغول تھے اور صبح ہونے تک آپ علیہ السلام دعاء ہی میں مصروف رہے۔

مفسر ابن کثیرؒ نے ابن جریر طبریؒ سے نقل کیا ہے کہ ''وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'' میں اللہ رب العزت نے علماء یہود سے خطاب فرمایا ہے اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو تحصیل دنیا کے، اور ریاست و جاہ باقی رکھنے کے لیے حق کو چھپاتے تھے اور نہ خود اسلام قبول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں ان کو حق قبول کر لینا چاہئے، انہیں چاہئے کہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں اور، صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کریں جو اللہ سے نزدیک کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔

مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا خطاب اگر چہ بنی اسرائیل کے انذار اور تحذیر کے سیاق میں وارد ہوا ہے لیکن علی سبیل التخصیص صرف یہود ہی مخاطب نہیں ہیں بلکہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرنے کا حکم یہود اور غیر یہود سب ہی کیلئے ہے۔

جواب (ج)

فوائد تفسیر:

قولہ:الحبس للنفس....

اس جملہ سے مفسر علامؒ نے آیت میں مذکور لفظ ''صبر'' کے معنی کی وضاحت کی ہے، واضح رہے کہ آیت کریمہ میں صبر سے اس کے معروف معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس چیز کو انجام دینا مراد ہے جس کا کرنا نفس کیلئے گراں اور شاق ہوتا ہے۔

قولہ:افردها بالذکر.....

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی مدد لانے والے اعمال تو بہت سے ہیں پھر آیت میں خاص کر نماز ہی کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ مفسر علیہ الرحمۃ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ میں اللہ کی مدد لانے والے اعمال میں سے خاص کر نماز کا ذکر اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

جواب (د)

صبر کے مشہور معانی:

واضح رہے کہ لفظ صبر معموماً دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) کسی تکلیف کو برداشت کر کے اس کی کسی سے شکایت نہ کرنا (۲) دین کے ہر کام کو خواہ وہ نفس کو پسند ہو یا ناپسند ہو انجام دینا۔

''یظنون'' کی تفسیر ''یقنون'' سے کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے مذکورہ عبارت میں ''یظنون'' کی تفسیر ''یوقنون'' سے کی ہے اس سے مفسرؒ نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہاں ''یظنون'' اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے بلکہ ''یوقنون'' کے معنی میں ہے۔

ظن، شک اور یقین کی تعریف اور ان کے مابین فرق:

واضح رہے کہ کلام تصدیقی میں اگر جانب مخالف کا اعتبار ہو تو اس کو ظن کہتے ہیں

اور اگر جانب مخالف کا اعتبار نہ ہو تو اس کو یقین کہتے ہیں اور اگر معاملہ ان دونوں کے درمیان کا ہو اور کسی ایک جانب کو ترجیح حاصل نہ ہو تو اس کو شک کہتے ہیں۔ (انوار الزجاجین ۲۴)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۹﴾

(وَ)اُذْكُرُوا(إِذْ نَجَّيْنٰكُمْ) أَيْ آبَاءَ كُمْ وَالْخِطَابُ بِهِ وَبِمَا بَعْده لِلْمَوْجُودِينَ فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا صلى الله عليه وسلم أخبروا بِمَا أَنْعَمَ اللّٰه عَلَى آبَائِهِمْ تَذْكِيرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰه تَعَالَى لِيُؤْمِنُوا(مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ)يُذِيقُونَكُمْ (سُوْٓءَ الْعَذَابِ)أَشَدّه وَالْجُمْلَة حَالٌ مِنْ ضَمِير نَجَّيْنَاكُمْ (يُذَبِّحُونَ) بَيَانٌ لِمَا قَبْله(أَبْنَآءَ كُمْ)الْمَوْلُودِينَ (وَيَسْتَحْيُونَ)يَسْتَبْقُونَ (نِسَآءَ كُمْ) لِقَوْلِ بَعْض الْكَهَنَة لَهُ إِنَّ مَوْلُودًا يُولَد فِي بَنِي إِسْرَائِيل يَكُون سَبَبًا لِذَهَابِ مُلْكك (وَفِي ذٰلِكُمْ) الْعَذَاب أَوْ الْإِنْجَاء(بَلَآءٌ)ابْتِلَاءٌ أَوْ إِنْعَامٌ(مِنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) تفسیری جملوں کی وضاحت تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور وہ وقت یاد کرو، جب کہ ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو اور اس جملہ کے ذریعہ اور اس کے مابعد کے ذریعہ ان یہودیوں کو خطاب ہے، جو آپ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے، ان کو اللہ رب العزت کی نعمتیں یاد دلانے کیلئے ان انعامات کی خبر دی جارہی ہے جو ان کے آباء کو عطا کئے گئے تھے، تاکہ یہ لوگ ایمان لے آئیں، آل فرعون کی (غلامی) سے نجات دی، جو تم کو سخت اور بدترین عذاب چکھا رہے تھے، اور یہ جملہ "نجنکم" کی ضمیر سے حال ہے، تمہارے (نو) مولود

لڑکوں کو ذبح کر رہے تھے" يُذَبِّحُوْنَ "ماقبل سے بدل ہے، اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ رہے تھے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض کاہنوں نے فرعون سے یہ کہدیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا، اور اس عذاب یا نجات دینے میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش یا انعام ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل پر ہونے والے اپنے ایک بڑے انعام کا تذکرہ کیا ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام قبیلے مصر میں رہتے تھے، غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مصر کے لوگ، فرعون اور اس کی قوم ان پر بری طرح مسلط تھے، ان کی زندگی غلاموں سے بھی بدتر تھی، ان سے بڑی بڑی بیگاریں لی جاتی تھیں، یہ لوگ ایسی بدترین غلامی میں مبتلا تھے جس کی کوئی نظیر موجود نہیں تھی مصری لوگ ان کے بیٹوں کو سرعام ذبح کردیتے تھے لیکن یہ چون وچرا کی استطاعت بھی نہیں رکھتے تھے ان حالات میں اللہ رب العزت نے ان پر کرم فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہیں بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ میں پیدا فرمایا، اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا فرما کر فرعون اور اس کی قوم کو دعوت حق دینے کا حکم فرمایا لیکن فرعون اور اسکی قوم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور ہٹ دھرمی، ضد اور انکار کے ساتھ ان مقدس نبیوں سے مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے، نتیجتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین مقابلہ ہوا، فرعون نے مقابلہ کے لیے جادوگر بلائے تھے لیکن یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور انہوں نے اپنی ہار مان کر اسلام قبول کرلیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کی قوم کی سختیاں اور زیادہ بڑھ گئیں، اسی دوران ایک دن اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے راتوں رات روانہ ہو جاؤ، چنانچہ باری تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق

حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کو لیکر کے مصر سے روانہ ہو گئے اور بنی اسرائیل نے اہل مصر کے چار سو سالہ پنجۂ غلامی سے نجات حاصل کر لی۔ (انوار البیان ۱/۸۳تا۸۴)

جواب (د)

تفسیری جملوں کی وضاحت:

قولہ: اذکر......

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کے معطوف علیہ کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ اس آیت کریمہ کا عطف ماقبل کی آیات پر ہے اور تقدیری عبارت اس طرح ہے "اذکر نعمتی وتفضیلی ایاکم ووقت انجائی لکم" اور مقصود بنی اسرائیل کو حاصل ہونے والی نجات کا تذکرہ کرنا ہے۔

قولہ: ابائکم و الخطاب بہ.....

اس جملہ سے مفسر علامؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے جن یہود پر نجات کا احسان جتلایا ہے یہ یہود احسان کے وقت موجود نہیں تھے تو پھر ان پر احسان جتلانا کیسے صحیح ہے؟ مفسرؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کا مقصد یہود مدینہ پر احسان جتلانا نہیں ہے بلکہ ان کو ان کے اباء واجداد پر ہونے والے احسانات کو یاد دلانا ہے تاکہ یہ اپنے اباء واجداد پر ہونے والے انعامات اور احسانات کو یاد کر کے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی سے رک جائیں اور اسلام قبول کر کے ہمیشہ کیلئے نجات یافتہ ہو جائیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

قولہ: بما انعم علی آبائھم......

اس سے مراد یہود مدینہ کے اباء واجداد پر ہونے والی ان دس بڑی نعمتوں کی جانب اشارہ کرنا ہے جن کو اللہ رب العزت قرآن کریم میں شمار فرمایا ہے۔

قولہ: اشدہ....

اس جملہ سے فرعون کی جانب سے بنی اسرائیل کو ملنے والی سخت ترین سزاؤں کی جانب

اشارہ کرنا مقصود ہے، فرعون بنی اسرائیل کے لوگوں کو مختلف قسم کی سخت ترین سزائیں دیتا تھا مثلاً طاقتور لوگوں سے پتھر، لوہا وغیرہ توڑوا کر عمارات تعمیر کراتا تھا، کمزور لوگوں سے جزیہ لیتا اور عورتوں سے سوت بنواتا تھا۔

قولہ: لبعض الکھنۃ.....

اس عبارت سے مفسر علیہ الرحمۃ نے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ ایک آگ بیت المقدس سے بلند ہوئی اور مصر تک پہنچ گئی اور اس آگ نے مصری قبطیوں کے تمام گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیا جبکہ بنی اسرائیل اس آگ سے بالکل محفوظ رہے، فرعون اس خواب سے نہایت خوف زدہ ہوا اور اس نے کاہنوں کو بلا کر اس خواب کی تعبیر معلوم کی کاہنوں نے جواب دیا کہ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور وہ تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا فرعون نے اس تعبیر کو سن کر یہ اعلان کر دیا کہ آج کے بعد بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے چنانچہ فرعون ں حکم پر سختی سے عمل کیا گیا اور بنی اسرائیل کے ہزاروں لڑکے پیدا ہوتے ہی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے لیکن اللہ رب العزت کو فرعون کی حکومت کو ختم کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمانا تھا سو پیدا کیا اور فرعون ہزار جتن کر کے بھی اپنی حکومت کو زوال سے نہ بچا سکا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۰﴾

(فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا) مِنهُمْ (قَوْلاً غَيْرَ الَّذِى قِيلَ لَهُمْ) فَقَالُوا حَبَّةٌ فِى شَعْرَةٍ وَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ (فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا) فِيهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ مُبَالَغَةً فِى تَقْبِيحِ شَأْنِهِمْ (رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''الذین ظلموا'' کے بعد ''منھم'' کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ تحریر کریں

(د) بنی اسرائیل نے اللہ رب العزت کے فرمان کو قول اور فعل دونوں کے ذریعہ تبدیل کیا تھا لیکن آیت میں صرف قول کے ذریعہ حکم خداوندی کو تبدیل کرنے کا تذکرہ ہے اس کی بھی وجہ تحریر کریں (ھ) ''استاہ'' واحد ہے یا جمع اور ''بما کانوا'' میں ''ما'' کس معنی میں ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

پس بنی اسرائیل کے ظالموں نے اس بات کو جو انہیں بتائی گئی تھی دوسری بات سے بدل ڈالا اور ''حَبَّة فی شعرةٍ'' کہنے لگے، اور (شہر میں) اپنے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، پس ہم نے ان کے فسق کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب نازل کر دیا، یہاں ان کی قبحِ شان میں مبالغہ کرنے کے لئے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کی نافرمانی کے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے، یہ واقعہ جیسا کہ مفسرین کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانے کا ہے، واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل میدان تیہ میں چالیس سال تک حیران وسرگرداں پھرتے رہے تو اللہ رب العزت کو ان پر رحم آیا اور اس نے یہ کرم کیا کہ ان کو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں بیت المقدس میں داخل ہونے کا موقع عطاء فرما دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ رب العزت نے بیت المقدس کا شہر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی سرکردگی میں فتح کر دیا، بنی اسرائیل جب شہر فتح کر کے اس میں داخل ہونے لگے تو اللہ رب العزت نے انہیں حکم دیا کہ تم میدان تیہ کی حیرانی اور پریشانی سے نجات پانے اور بیت المقدس کے فتح ہونے کی خوشی میں بطور شکر یہ شہر میں عاجزی کے ساتھ سر جھکا کے اور زبان سے لفظ ''حطة'' کا ورد کرتے ہوئے داخل ہونا، اس جملہ کے معنی ہیں اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں، ان کے ثواب

میں اور اضافہ کر دیں گے، لیکن ان ظالموں نے اللہ رب العزت کے اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور شہر میں سر جھکا کے ''حطة'' کہکر داخل ہونے کے بجائے اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے اور ''حبة فی شعرة'' کہتے ہوئے داخل ہوئے، اللہ رب العزت کو ان کی یہ حرکت نہایت ناگوار ہوئی اور اللہ نے اس فاسقانہ حرکت کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کر دیا، قرآن کریم نے اس عذاب کو جو اس وقت بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا ''رجز'' سے تعبیر کیا ہے، رجز مطلقا عذاب کو کہتے ہیں مفسرین تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان لوگوں پر بطور عذاب طاعون کی بیماری کو بھیجا تھا جس کی وجہ سے کثیر تعداد میں بنی اسرائیل کے لوگ موت کا لقمہ بن گئے تھے، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ طاعون کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی ایک ہی ساعت میں ہلاکت ہو گئے تھے۔

جواب (ج)

''الذین ظلموا'' کے بعد ''منهم'' کا اضافہ کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے ارشاد باری ''الذین ظلموا'' کے بعد ''منهم'' کا اضافہ کیا ہے اس اضافہ سے مفسرؒ نے ایک وہم کو زائل کیا ہے، یہاں کسی کو بھی یہ وہم ہو سکتا تھا کہ بنی اسرائیل کے وہ تمام لوگ جنہیں اللہ رب العزت نے عاجزی کے ساتھ شہرِ قدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا ظالم اور اللہ رب العزت کے نافرمان تھے اور ان سب نے اللہ رب العزت کے حکم کو تبدیل کیا تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے بنی اسرائیل کے تمام لوگ اللہ رب العزت کے نافرمان اور ظالم نہیں تھے اور نہ تمام لوگوں نے اللہ رب العزت کے حکم کو تبدیل کیا تھا بلکہ ان میں سے بعض لوگ جنہوں نے یہ حرکت کی تھی وہی اللہ رب العزت کے نافرمان تھے اور انہیں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب دیا گیا تھا، مفسر نے ''منهم'' کا اضافہ کر کے اسی کو واضح کیا ہے۔

جواب (د)

ایک سوال اور اس کا جواب:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے دخولِ شہر کے متعلق اللہ رب العزت کے حکم کی نافرمانی قول وفعل دونوں کو تبدیل کر کے کی تھی جیسا کہ تفسیر میں بھی یہ بات گذر چکی ہے

لیکن آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے صرف قولی تبدیلی کو بیان کیا ہے فعلی تبدیلی کا ذکر نہیں کیا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا مقصود بنی اسرائیل کی جانب سے امر خداوندی کی نافرمانی کو بیان کرنا ہے اور امر قول ہی کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے اللہ رب العزت نے آیت میں صرف قولی تبدیلی ہی کو ذکر کیا ہے۔

جواب (ھ)

''استاہ'' واحد ہے یا جمع اور ''بما کانوا'' میں ''ما'' کس معنی میں ہے؟ اس کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسر کی عبارت ''یزحفون علی استاھھم'' میں ''استاھم'' جمع ہے اس کا واحد ''ستہ'' آتا ہے، اور ''بما کانوا'' میں ''با'' سببیہ اور ''ما'' مصدریہ ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۰﴾

(وَ)اذکر (إِذْ اسْتَسْقٰی مُوسٰی) أَیْ طَلَبَ السُّقْیَا (لِقَوْمِهِ)وَقَدْ عَطِشُوا فِی التِّیهِ (فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ) وَهُوَ الَّذِی فَرَّ بِثَوْبِهِ خَفِیف مُرَبَّع کَرَأْسِ رَجُلٍ رُخَام أَوْ کَذَّان فَضَرَبَهُ (فَانْفَجَرَتْ)انْشَقَّتْ وَسَالَتْ (مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا) بِعَدَدِ الْأَسْبَاط (قَدْ عَلِمَ کُلُّ أُنَاسٍ) سَبْط مِنْهُم (مَشْرَبَهُمْ)مَوْضِع شُرْبهمْ فَلَا یَشْرَکهُمْ فِیهِ غَیْرهمْ وَقُلْنَا لَهُمْ (کُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْأَرْضِ مُفْسِدِینَ) حَال مُؤَکِّدَة لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِیَ بِکَسْرِ الْمُثَلَّثَة أَفْسَدَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''وھو الذی فر بثوبہ '' سے کس جانب اشارہ کرنا مقصود ہے تحریر کریں (د) حال مؤکدہ کی تعریف اور مفسرؒ اس جملہ کیا کہنا چاہتے ہیں اس کی وضاحت تحریر کریں (ھ) ''رخام'' اور ''کذان'' کی لغوی تحقیق بھی قلم بند کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اس وقت کو یاد کرو، جب موسیٰ علیہ السلام نے میدان تیہ میں اپنی پیاسی قوم کیلئے پانی کی دعاء مانگی، تو ہم نے موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی (فلاں) پتھر پر مارو، اور یہ وہی پتھر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر فرار ہوا تھا (اور) یہ (ایک) ہلکا، چکور، آدمی کے سر کے مشابہ سفید رنگ کا نرم پتھر تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر لاٹھی ماری تو وہ شق ہو گیا، (اور) قبیلوں کی تعداد کے مطابق اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور ان کے ہر قبیلے نے اپنا چشمہ جان لیا (یعنی) اپنے پانی کی جگہ پہچان لی تا کہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور ملک میں فساد مت مچاؤ ''مفسدین'' اپنے عامل ''عَثِی'' (بکسر المثلثۃ) سے حال مؤکدہ ہے اور ''اَفْسَدَ'' کے معنی میں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے میدان تیہ میں بنی اسرائیل کو پانی عطاء کئے جانے کے واقعہ کو بیان کیا ہے، واقعہ یہ ہے جب بنی اسرائیل اللہ رب العزت کے فرمان کی حکم عدولی کر کے میدان تیہ میں محبوس ہوئے تو انہیں سخت پیاس محسوس ہونے لگی انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب الصمد میں پانی کی درخواست کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، لاٹھی کا پتھر پر مارنا تھا کہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، علامہ بغوی علیہ الرحمۃ نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس پتھر میں لاٹھی مارنے سے چشمے جاری ہوئے تھے یہ ایک ہلکا سا چکور پتھر تھا، یہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں رہتا تھا اور جب پانی کی حاجت ہوتی تو آپؑ اسے زمین پر رکھ کر لاٹھی مار دیتے تھے جس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے اور جب بنی اسرائیل پانی سے سیراب

ہو جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اٹھا کر تھیلے میں رکھ لیتے تھے، اس پتھر کے پانی سے روزانہ چھ لاکھ آدمی سیراب ہوتے تھے، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے کے لیے پتھر سے چشمہ پھوٹتا تھا اور ہر قبیلہ اپنے چشمے سے سیراب ہوتا تھا۔ (انوار البیان ۱/۹۱ تا ۹۲)

جواب (ج)

''وهو الذی فر بثوبه'' سے کس جانب اشارہ کرنا مقصود ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے یہاں دو باتیں بیان کی ہیں پہلی بات یہ بیان کی ہے ''الحجر'' میں الف لام عہد کا ہے جنس کا نہیں ہے، اور دوسری بات یہ بیان کی ہے یہ پتھر جس کا یہاں بیان کیا گیا ہے وہی پتھر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لیکر فرار ہوا تھا۔

پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لیکر کب اور کیوں فرار ہوا تھا یہ ایک واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک باحیا شخص تھے کسی کے سامنے برہنہ ہو کر غسل نہیں کرتے تھے اس پر بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے آپ علیہ السلام کے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ آپؑ کے بدن پر کچھ عیب ہے جس کی وجہ سے آپؑ ہمیشہ کپڑے میں ملبوس رہتے ہیں اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے اس الزام سے بری کرنا چاہا اور ایک دن جبکہ آپؑ نے غسل کرنے کیلئے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے اللہ نے اس پتھر کو آپؑ کے کپڑے لیکر فرار ہونے کا حکم دے دیا، پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لیکر فرار ہو گیا اب آگے آگے پتھر تھا اور اس کے پیچھے پیچھے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے حتی کے یہ پتھر ایک ایسی جگہ جا کر رکا جہاں بنی اسرائیل کا ایک مجمع موجود تھا، اس مجمع نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ دیکھا تو سب سے بتا دیا کہ آپ علیہ السلام کے بدن پر کوئی عیب نہیں ہے آپ بالکل صاف ستھرے اور پاکیزہ ہیں اس طرح اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے الزام سے بری فرما دیا۔

جواب (د)

حال مؤکدہ کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسر نے اپنے قول ''حال مؤكدة'' سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے،

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حال ذوالحال کے معنی زائد پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں حال اپنے ذوالحال کے کسی زائد معنی پر دلالت نہیں کر رہا ہے اس لئے کہ جو معنی ''غشــــی'' کے ہیں وہی ''مفسدین'' کے بھی ہیں؟ مفسرؒ نے حال مؤکدہ فرما کر اس سوال کا جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ذوالحال کے لئے معنی کی زیادتی صرف حال منتقلہ میں ضروری ہوتی ہے اور یہاں حال مؤکدہ ہے اس میں ذوالحال کے معنی کی زیادتی ضروری نہیں ہے۔

جواب (ہ)

رخام اور کذان کی لغوی تحقیق:

واضح رہے کہ ''رخام'' ... ''رخمة'' کی جمع ہے اس کے معنی سنگ مرمر اور نرم پتھر کے آتے ہیں۔ اور ''کذان'' .... ''کذانة'' کی جمع ہے، اس کے معنی سرخ اور سفید پتھر کے آتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۰﴾

(وَضُرِبَتْ) جُعِلَت (عَلَيْهِمُ الذِّلَّة) الذُّلّ وَالْهَوَان (وَالْمَسْكَنَة) أَیْ أَثَر الْفَقْر مِنَ السُّكُون وَالْخِزْی فَهِیَ لَازِمَة لَهُمْ وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاء لُزُوم الدِّرْهَم الْمَضْرُوب لِسِكَّتِهِ (وَبَآءُوْ) رَجَعُوا (بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ) أَیْ الضَّرْب وَالْغَضَب (بِأَنَّهُمْ) أَیْ بِسَبَب أَنَّهُمْ (كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيّنَ بِغَيْرِ الْحَقّ) أَیْ ظُلْمًا (ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) موجودہ دور کے یہود پر اس آیت کریمہ کو صادق کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اوران پر ذلت ومحتاجگی یعنی محتاجگی کا اثر مسلط کر دیا گیا، جس کی وجہ سے ان کے مالدار ہونے

کے باوجود ان کیلئے محتاجگی ایسے لازم ہوگئی جیسے ٹکسالی سکے کیلئے ٹھپہ لازم ہوتا ہے، یہ لوگ اللہ کا غضب لے کر واپس ہوئے اور ذلت کا مسلط ہونا اور اللہ کا غضب لے کر لوٹنا اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق ظلماً قتل کرتے تھے، اور یہ سب اس لئے ہوتا تھا کہ یہ لوگ نافرمانی اور معاصی میں حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل پر ان کی نافرمانی کے نتیجے میں نازل ہونے والی ذلت محتاجگی کو بیان کیا ہے، میدان تیہ میں بنی اسرائیل کو دونوں وقت کھانے کے لیے من وسلویٰ ملتا تھا لیکن انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بددل ہو جاتا ہے اور اس کی طبیعت کسی دوسری قسم کا کھانا کھانے کا تقاضا کرنے لگتی ہے، بنی اسرائیل بھی جب میدان تیہ میں من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے تو انہوں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دال، پیاز، کھیرا اور ککڑی کھانے کی خواہش ظاہر کی اور اس پر اصرار کرنے لگے کہ آپ اللہ رب العزت سے دعاء کر کے ہمارے لئے ان چیزوں انتظام کرادیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی یہ ادا پسند نہ آئی اور فرمایا کہ تمہارے پاس عمدہ کھانا بغیر کسب معاش اور بغیر محنت ومشقت کے پہنچ جاتا ہے پھر بھی تم اس عمدہ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیزیں طلب کر رہے ہو، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اگر تم کو سبزیاں ترکاریاں، دال اور پیاز چاہئے تو کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں یہ چیزیں تمہیں مل جائیں گی، بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ اللہ رب العزت کو بھی پسند نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان کے حق میں ہمیشہ کے لئے ذلت اور محتاجگی کو مقدر کر دیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی چیز کو مسلسل کھانے کی وجہ سے اکتاہٹ میں مبتلا ہونے کے بعد اس کی جگہ دوسری چیز کا مطالبہ کرنا انسان کی فطرت ہے یہ کوئی جرم یا نافرمانی نہیں ہے تو پھر بنی اسرائیل کو اس طرح کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے سزا کیوں دی گئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

بنی اسرائیل کو یہ سزا ان کے مطالبہ کی وجہ سے نہیں دی گی بلکہ ان کی طرف سے اللہ رب العزت کی نعمت من وسلویٰ کو بغیر سبب ٹھکرانے کی وجہ سے دی گئی ہے، نیز ان حضرات کو یہ سزا اس لئے بھی دی گئی ہے کہ یہ ہمیشہ اللہ رب العزت کی نافرمانیاں کیا کرتے تھے، باری تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل نے دن کے شروع میں تین سو نبیوں کو قتل کیا تھا اور پھر شام کو اپنے بازاروں میں سبزیوں کے کاروبار میں مصروف ہو گئے تھے۔

جواب (ج)

موجودہ دور کے یہود پر یہ آیت کریمہ کیسے صادق آتی ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے یہود پر ہمیشہ کیلئے ذلت اور خواری کے لازم ہونے کو بیان کیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں آج یہود دنیا کی سب سے زیادہ خود مختار اور صاحب حکومت اور باعزت قوم ہے پس آج کے یہود پر یہ آیت کس طرح صادق آتی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب معارف القرآن فرماتے ہیں آیات مذکورہ میں یہود کی سزا دنیا میں دائمی ذلت ومسکنت اور دنیا وآخرت میں غضب الٰہی کو بیان کیا گیا ہے، ان کی دائمی ذلت ومسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیرؒ، صحابہؓ اور تابعینؒ سے منقول ہے اس کا خلاصہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہ ہے کہ "لا یزالون مستذلین من وجدھم استذلھم وضرب علیھم الصغار" یعنی یہود اگر مالدار بھی ہو جائیں تب بھی ہمیشہ تمام اقوام میں ذلیل وحقیر ہی سمجھے جائیں گے یہ جس کے بھی ہاتھ لگیں گے وہ ان کو ذلیل ضرور کرے گا، اور یہ حق ہے کہ آج بھی یہ قوم دنیا میں ظاہراً باعزت ہونے کے باوجود اقوام عالم کی نظروں میں ذلیل وخوار ہے، حضرت امام ضحاکؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہود کی ذلت ومسکنت کا مفہوم یہ ہے کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے خود ان کا کوئی قوت واقتدار نہیں ہوگا، واضح رہے کہ آج بھی اس قوم کا یہی حال ہے، آج

بھی اسرائیل کی موجودہ حکومت امریکہ کے دم قدم سے موجود ہے اگر امریکہ ان کا ساتھ ترک کردے تو یہ حکومت چند ہی منٹوں میں ختم ہوجائے گی۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانی ۱/ ۲۳۷)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۱﴾

(وإذ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖٓ) وَقَدْ قُتِلَ لَهُمْ قَتِيل لَا يُدْرَى قَاتِله وَسَأَلُوهُ أَنْ يَدْعُو اللّٰه أَنْ يُبَيِّنَهُ لَهُمْ فَدَعَاه (إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوٓا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجٰهِلِينَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ) أَيْ مَا سِنُّهَا (قَالَ إِنَّه يَقُول إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُول إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا) شَدِيد الصُّفْرَة (تَسُرُّ النّٰظِرِينَ) إِلَيْهَا بِحُسْنِهَا أَيْ تُعْجِبهُمْ (قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ) أَسَائِمَة أَمْ عَامِلَة (إِنَّ الْبَقَر) أَيْ جِنْسه الْمَنْعُوت بِمَا ذُكِرَ (تَشٰبَهَ عَلَيْنَا) لِكَثْرَتِهِ فَلَم نهتد إلى المقصود (وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ) إِلَيْهَا وَفِي الْحَدِيث لَوْ لَمْ يَسْتَثْنُوا لَمَا بُيِّنَت لَهُمْ لآخر الأبد (قَالَ إِنَّهُ يَقُول إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ) غَير مُذَلَّلَة بِالعَمَلِ (تُثِيرُ الْأَرْضَ) تُقَلِّبهَا لِلزِّرَاعَةِ وَالْجُمْلَة صِفَة ذَلُول دَاخِلَة فِي النَّفْي (وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ) الْأَرْض الْمُهَيَّئَة لِلزِّرَاعَةِ (مُسَلَّمَةٌ) مِنَ العيوب و آثارِ العمل (لَّا شِيَةَ) لَوْن (فِيهَا) غَير لَوْنهَا (قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ) نَطَقْت بِالْبَيَانِ التَّام فَطَلَبُوهَا فَوَجَدُوهَا عِنْد الْفَتَى الْبَارّ بِأُمِّهِ فَاشْتَرَوْهَا بِمِلْأِ مَسْكهَا ذَهَبًا (فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ) لِغَلَاءِ ثَمَنهَا۔

(الف) عبارت پا اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیات کریمہ میں مذکور واقعہ کو اختصار کے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ساتھ تحریر کریں (ج) ''تثیر الارض '' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے اور مفسرؒ نے ''نطقت بالبیان التام'' سے کس سوال کا جواب دیا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور اس وقت کو یاد کرو، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا دراں حالانکہ ان کا کوئی شخص مقتول ہو گیا تھا اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، اور لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ آپ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ وہ قاتل کو ظاہر کر دے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعاء فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمایا کہ میں استہزا کرنے والوں میں شمار ہونے سے اللہ رب العزت کی پناہ چاہتا ہوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد) لوگ کہنے لگے کہ آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں اس گائے کی عمر بتا دے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا بلکہ اوسط عمر کی ہو لہٰذا ذبح کا جو حکم تم کو دیا جا رہا ہے اس کو پورا کرو، پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ لو کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہایت شوخ رنگ کی زرد ہو، دیکھنے والوں کو اس کی خوبی تعجب میں ڈال دے، وہ پھر بولے کہ اپنے رب سے صاف صاف پوچھ کر بتاؤ کہ کیسی گائے مطلوب ہے؟ جنگل میں چرنے والی یا پالتو بلا شبہ ہمیں مذکورہ صفات کی گائے متعین کرنے میں اشتباہ ہو گیا ہے کیوں کہ اس صفت کی گائے بکثرت موجود ہیں جس کی وجہ سے مقصد تک ہماری رسائی نہیں ہو رہی ہے، اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ ان شا اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی ان کو اس کا پتہ نہ لگ پاتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جس سے خدمت نہ لی گئی ہو، اس کو کام میں استعمال نہ کیا گیا ہو یہ گائے زمین جوتنے یعنی اس کو الٹ پلٹ کرنے میں استعمال نہ ہوئی ہو اور جملہ ''تثیر الارض ''.... ''ذلول '' کی صفت

ہے جونفی کے تحت داخل ہے، اوراس گائے نے کھیتی کو نہ سینچا ہو، یعنی اس نے اس زمین کو سیراب نہ کیا ہو جو کھیتی کے لئے تیار کی جاتی ہے، وہ گائے عیوب اور کام کے نشانات سے صحیح سالم ہو اوراس میں اس کے رنگ کے علاوہ اورکوئی داغ نہ ہو، (یہ سنکر) لوگ (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ اب آپ نے (گائے کا) ٹھیک پتہ بتایا ہے یعنی اس کی پوری وضاحت کی ہے، چنانچہ انہوں نے اس گائے کو تلاش کیا تو اسے ایک نوجوان کے پاس پایا جو اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا، ان لوگوں نے اس گائے کو اس کا چمڑا بھر سونے کے عوض خرید لیا پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ اس گائے کے قیمتی ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے والے معلوم نہیں ہوتے تھے۔

جواب (ب)

آیات کریمہ میں مذکور واقعہ کی تفصیل:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل میں رونما ہونے والے گائے کہ ایک واقعہ کو بیان کیا ہے، یہ واقعہ کب پیش آیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل کے اندر ایک شخص مقتول ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا لہٰذا قاتل کا پتہ چلانے کے لیے اللہ رب العزت کی جانب سے یہ ارشاد ہوا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں مارو چنانچہ بڑی حجتوں کے بعد بنی اسرائیل نے ایک گائے ذبح کی اور ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں ماردیا، چنانچہ وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اپنا قاتل بتا کر اسی وقت دوبارہ مر گیا۔

واضح رہے کہ اس واقعہ کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں کئی طرح سے مذکور ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی کوئی اولاد نہیں تھی یہ شخص بذات خود بہت مالدار تھا لیکن اس کے بھائی کے بیٹے تنگدست تھے، یہ لڑکے اپنے چچا کی میراث حاصل کرنے کیلئے اس کی موت کا انتظار کرتے تھے لیکن اس کی زندگی لمبی ہوتی چلی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے ان کو یہ سمجھایا کہ تم اپنے چچا کو قتل کردو اس طرح تم بہت جلد اس کے مال کے وارث ہو جاؤ گے اور ساتھ ہی اس کی

دیت بھی حاصل کرلو گے، جس جگہ کا یہ واقعہ ہے وہاں دو بستیاں تھیں، اور دستور یہ تھا کہ جب کوئی مقتول دونوں بستیوں کے درمیان پڑا ہوا ملتا تھا تو جس بستی سے قریب تر ہوتا اسی پر اس کی دیت ڈال دی جاتی تھی، شیطان نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ تم اپنے چچا کو قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دینا، جس میں تمہاری سکونت نہیں ہے، چنانچہ ان لوگوں نے چچا کو رات میں قتل کر دیا اور لاش کو دوسری بستی کے قریب ڈال دیا پھر جب صبح ہوئی تو یہی قاتلین دعویدار ہو گئے اور اس بستی والوں پر دعویٰ کر دیا کہ تمہاری بستی کے دروازے پر ہمارا چچا مقتول ملا ہے۔ ہم تم سے اس کی دیت ضرور لیں گے اس بستی کے لوگ قسم کھانے لگے کہ ہم نے تمہارے چچا کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے، ہم نے شام سے لے کر صبح تک اپنی بستی کا دروازہ ہی نہیں کھولا، لہٰذا ہمارے ذمہ اس کے قتل کا الزام لگانا صحیح نہیں اور ہم پر کوئی دیت لازم نہیں ہے، ان لوگوں نے اس سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اور پھر اللہ رب العزت کے حکم سے گائے ذبح کی گئی اور اس کے گوشت کو مقتول کے جسم سے مس کیا گیا جس سے مقتول زندہ ہو گیا اور اپنے قاتلین کا نام بتا کر دوبارہ مردہ ہو گیا۔

مفسر سدیؒ نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بہت مالدار تھا، اس کی ایک لڑکی تھی اور اس کے بھائی کا ایک بیٹا تھا جو نہایت غریب تھا، اس نے اپنے چچا کو پیغام دیا کہ اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دو، چچا نے انکار کیا تو وہ غصہ ہو گیا اور اس نے چچا کو قتل کرنے کا خیال دل میں جما لیا اور اپنے دل میں کہا کہ چچا کو قتل بھی کروں گا اور اس کا مال بھی لوں گا اور اس کی بیٹی سے نکاح بھی کروں گا اور اس کی دیت بھی کھا جاؤں گا، لہٰذا وہ چچا کے پاس آیا اور رات کو اپنے چچا کو ایک کاروباری ضرورت بتا کر اپنے ساتھ لے گیا، اور کسی جگہ لیجا کر قتل کر دیا، جب صبح ہوئی تو کہنے لگا کہ خدا جانے میرے چچا کہاں چلے گئے؟ اور جس جگہ قتل کیا تھا وہاں پہنچ گیا وہاں اس نے دیکھا کہ لوگ اس کے چچا کی نعش کے قریب جمع ہو رہے ہیں، اس نے ان لوگوں کو پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے لہٰذا اس کی دیت ادا کرو، اس شخص نے صرف دیت کا مطالبہ ہی نہیں کیا بلکہ ہائے چچا ہائے چچا کی آوازیں بھی لگانے لگا اور ساتھ ہی حضرت موسیٰ

علیہ السلام سے اس نے درخواست کی کہ آپؑ اللہ رب العزت سے دعاء کر کے قاتل کا پتہ معلوم کریں، اس کے اس مطالبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے دعاء کی اور اللہ رب العزت نے گائے ذبح کرنے کا مذکورہ حکم ارشاد فرمایا۔

واضح رہے کہ واقعہ کی صورت مختلف ہوسکتی ہے لیکن اتنی بات ثابت ہے کہ قاتل کا پتہ چلانے کے لیے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا کہ اللہ رب العزت نے قاتل کا پتہ چلانے کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مار دو، ان لوگوں نے یہ بات سنتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بحث کرنی شروع کردی اولاً تو آپ کی بات ہی کو مذاق پر محمول کیا اور کہنے لگے کہ کہاں گائے کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کو مارنا اور کہاں مقتول کا زندہ ہو کر نام بتانا یہ بیجوڑ بات ہے آپ تو ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے مذاق نہیں کررہا ہوں، یہ سنکر یہ لوگ گائے ذبح کرنے پر راضی ہو گئے لیکن ساتھ ہی گائے کے متعلق انہوں نے ایسے سوالات کئے جس کی وجہ سے ان پر بندشوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اگر بنی اسرائیل کسی بھی گائے کو ذبح کردیتے تو ان کیلئے کافی تھا لیکن انہوں نے سختی کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے تکے سوالات کرنے لگے اس لئے اللہ رب العزت نے بھی ان پر حکم میں سختی فرمادی۔

واضح رہے کہ بنی اسرائیل کے اس سوال وجواب کی تمام تفصیل ترجمۃ العبارۃ کے تحت گذر چکی ہے اس لئے یہاں اعادہ سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

جواب (ج)

"تثیر الارض" ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟:

واضح رہے کہ "تثیر الارض" ترکیب میں ماقبل میں موجود "ذلول" کی صفت واقع ہو رہا ہے اور نفی کے تحت داخل ہے، اصل جملہ "لا تثیر الارض" ہے۔

جواب (د)

مفسرؒ نے ''نطقت بالبیان التام'' سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''نطقت بالبیان التام'' کی عبارت کیوں تحریر کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے مفسر علیہ الرحمۃ نے اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیات کریمہ کا ظاہر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مذکورہ واقعہ کے قائلین کفار ہیں حالانکہ وہ بنی اسرائیل ہیں؟ مفسرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں صرف موصوف مذکور ہے اور صفت محذوف ہے اور ایسا کرنا جائز ہے۔

(حاشیۃ الصاوی ۱/۱۸)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۲﴾

(وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ) أَيْ تَخَاصَمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ (فِيهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ) مُظْهِر (مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ) مِنْ أَمْرِهَا وَهٰذَا اعْتِرَاض وَهُوَ أَوَّلُ الْقِصَّة (فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ) أَيْ الْقَتِيل (بِبَعْضِهَا) فَضُرِبَ بِلِسَانِهَا أَوْ عَجَب ذَنَبِهَا فَحَيِيَ وَقَالَ قَتَلَنِي فُلَان وَفُلَان لِابْنَيْ عَمِّه وَمَاتَ فَحُرِمَا الْمِيرَاث وَقُتِلَا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ''فادارأتم'' کی تعلیل تحریر کریں

(ج) ''هذا اعتراض'' کی تشریح تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اس واقعہ کو یاد کرو، جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم اس کے متعلق آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنے لگے تھے، اور جس بات کو تم چھپانا چاہتے تھے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا، یہ جملہ معترضہ ہے، اور یہ سابق میں گذرے ہوئے قصہ کا ابتدائی حصہ ہے، تو ہم نے تمہیں حکم دیا کہ (ذبح شدہ) گائے کا کوئی حصہ (مقتول کے جسم سے) لگاؤ، چنانچہ گائے کی زبان، یا دم کی جڑ مقتول سے لگائی گئی تو وہ زندہ ہوگیا اور اس نے بتا دیا کہ مجھے میرے چچازاد بھائیوں میں سے فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے چنانچہ قاتلین میراث سے محروم کردئے گئے اور قتل کئے گئے۔

جواب (ب)

"فادارأتم" کی تعلیل:

واضح رہے کہ باری تعالیٰ کا قول "اِدَّارَئْتُمْ" بروزن "اِفّاعَلْتُمْ" ہے، اس کا مادہ "درء" ہے اس کے لغوی معنی جھگڑنے اور دفع کرنے کے آتے ہیں، یہاں یہ باب افعال سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

واضح رہے کہ "اِدَّا رَءتُم" اصل میں "تَدَارَءتُم" بروزن "تفاعَلْتُم" تھا، اس میں تاء اور دال دونوں قریب المخرج تھے اس لئے ان میں سے تاء کو دال سے بدل دیا پھر دال کا دال میں ادغام کردیا جس کی وجہ سے ابتداء بالسکون لازم آگیا اس دشواری کو دور کرنے کے لئے ہمزہ وصل شروع میں لے آئے پس یہ "اِدَّارَءتُم" ہوگیا۔ (جمالین ۱/۱۶۲)

جواب (ج)

"ھذا اعتراض" کی تشریح:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے اپنے قول "ھـذا اعتـراض" سے باری تعالیٰ کے فرمان "وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ" کی وضاحت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد معطوف یعنی "فقلنا اضربوہ" اور معطوف علیہ "فذبحوھا" کے مابین ایک جملہ معترضہ ہے۔ (حاشیۃ الصاوی ۱/۸۲)

قوله: وھو اول القصة....

مفسر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں واقع ہونے والے گائے کے جس واقعہ کو

اللہ رب العزت نے بیان کیا ہے اس کا کچھ بیان سابقہ رکوع میں بیان ہو چکا ہے اور کچھ اس آیت میں بیان ہوا ہے اس واقعہ کا سابق میں بیان ہونے والا حصہ اس کا آخری حصہ ہے اور آیت مذکورہ میں بیان ہونے والا حصہ ابتدائی حصہ ہے، گویا واقعہ بیان کی کرنے کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہے، واضح رہے کہ واقعہ میں ہونے والی یہ تقدیم وتاخیر صرف تلاوت کے اعتبار سے ہے نزول کے اعتبار سے نہیں ہے اور اس تقدیم وتاخیر کا مقصد یہود کی عادات قبیحہ کو بیان کرنا اور ان کی کج روی کو واضح کرنا ہے۔ (حاشیۃ الصاوی ۸۲/۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۲﴾

(**وإذا لقوا**) أي منافقوا اليهود (**الَّذِينَ اٰمَنُوا قَالُوْٓا اٰمَنَّا**) بأن محمد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيّ وَهُوَ الْمُبَشَّر بِهِ فِي كِتَابنَا (**وَإِذَا خَلَا**) رَجَعَ (**بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا**) أَيْ رُؤَسَاؤُهُمُ الَّذِينَ لَمْ يُنَافِقُوا لِمَنْ نَافَقَ (**أَتُحَدِّثُونَهُمْ**) أَيِ الْمُؤْمِنِينَ (**بِمَافَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ**) أَيْ عَرَّفَكُمْ فِي التَّوْرَاة مِنْ نَعْت مُحَمَّد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (**لِيُحَآجُّوكُمْ**) يُخَاصِمُوكُمْ وَاللَّام لِلصَّيْرُورَةِ (**بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ**) فِي الْآخِرَة وَيُقِيمُوا عَلَيْكُمُ الْحُجَّة فِي تَرْك اتِّبَاعه مَعَ عِلْمكُمْ بِصِدْقِهِ (**أَفَلَا تَعْقِلُونَ**) أَنَّهُمْ يُحَاجُّونَكُمْ إِذَا حَدَّثْتُمُوهُمْ فَتَنْتَهُوا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا مصداق متعین کرتے ہوئے تفسیر تحریر کریں (ج) مفسر علامؒ نے "رجع" اور "ویقیموا علیکم الحجۃ" کی عبارت کیوں نکالی ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور جب منافقین اور یہود ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان

لے آئے ہیں یعنی اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور ہماری کتاب میں آپ کے متعلق بشارت مذکور ہے اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو ان کے سردار جو منافق نہیں ہیں منافقوں سے کہتے ہیں کیا تم ان مؤمنین کو وہ چیزیں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات جو اللہ رب العزت نے تم کو تورات میں بتائیں ہیں بتاتے ہو تاکہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو مغلوب کر دیں یعنی تمہارے ساتھ مخاصمت کریں اور لام صیرورت کیلئے ہیں اور ان کی اتباع کے ترک کرنے کی وجہ سے باوجود تمہارے ان کو سچا جاننے کے حجت قائم کریں، کیا تم یہ بات نہیں سمجھتے ہو کہ اگر تم ان کو وہ باتیں بتادو گے تو یہ تم پر حجت قائم کریں گے اس لئے تم ان حرکتوں سے باز آجاؤ۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

واضح رہے کہ اس آیت کریمہ کا مصداق یہود و منافقین ہیں اور اس آیت میں اللہ رب العزت نے یہود کی منافقت کا حال بیان کیا ہے، عام منافقین کا طریقہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور تنہائیوں میں اپنے سرغنوں سے کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، اسی طرح یہودی منافق بھی مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے اور اسی اظہار کرنے میں یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ تورات شریف میں ایسا ایسا لکھا ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت اور آپ کی علامات اور صفات موجود ہیں اور ان علامات اور صفات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں، بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہل مدینہ اوس و خزرج نے یہود مدینہ سے مشورہ کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات ہوئی ہے اور ہم لوگ ان پر ایمان لائے ہیں اور وہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں، ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے تو سادہ دل یہودیوں نے کہہ دیا کہ ہاں ان پر ایمان لاؤ وہ نبی ہیں، پھر جب تنہائیوں میں ایک دوسرے سے ملتے تو آپس میں کہتے کہ تم لوگ عجیب ہو مسلمانوں کے سامنے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتے ہو اور ان کو یہ بھی بتاتے ہو کہ ان کا ذکر اور نعت وصفت تورات شریف میں موجود ہے یہ تو تم اپنے اوپر حجت قائم کر رہے ہو جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمان اللہ پاک کے حضور تم پر حجت قائم کر دیں گے اور خود تم اپنے اقرار سے پکڑے جاؤ گے کہ تم نے حضور علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کیا تھا لیکن اس کو قبول نہیں کیا تھا لہٰذا ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو تمہارے خلاف حجت بنیں تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے خود اپنے اقرار کی چھری سے اپنے ذبح ہونے انتظام کر رہے ہو یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہے کہ مسلمانوں پر حق ظاہر کر کے خود اس کے خلاف کرو گے تو قیامت کے دن مسلمان تم پر حجت قائم کریں گے اور اسی دلیل کے ذریعہ تم کو مغلوب کر دیں گے۔ (انوار البیان ۱/ ۱۰۹)

جواب (ج)

مفسر علامؒ نے ”رجع“ اور ”ویقیموا علیکم الحجة“ کی عبارت کیوں نکالی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے ”رجع“ اور ”ویقیموا علیکم الحجة“ کی عبارت نکال کر دو مختلف اشکالات کے جوابات دئے ہیں ”رجع“ کی عبارت سے اس اشکال کا جواب دیا ہے اللہ رب العزت نے آیت کریمہ میں ”خلا“ کا صلہ ”الی“ استعمال کیا ہے حالانکہ اہل عرب کے یہاں ”خلا“ کا صلہ ”الی“ استعمال نہیں ہوتا ہے تو یہاں یہ صلہ کس طرح استعمال ہوا ہے؟ مفسرؒ نے ”رجع“ تحریر فرما کر اس اشکال کا جواب دیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں ”خلا“ بمعنیٰ ”رجع“ ہے اور ”رجع“ کا صلہ ”الی“ استعمال ہوتا ہے۔

اور ”ویقیموا علیکم الحجة“ کی عبارت سے مفسر علامؒ نے اس اشکال کا جواب دیا ہے یہود توریت کی باتیں مسلمانوں سے اس لئے چھپاتے تھے کہ کہیں مسلمان اللہ رب العزت کے یہاں ان کے خلاف حجت قائم نہ کریں لیکن اللہ تو علام الغیوب ہیں، پھر ان کے سامنے یہود کا یہ اخفاء کیسے کارگر ہو سکتا تھا، مفسرؒ نے اس اشکال کا جواب دینے کیلئے اس عبارت کا اضافہ کیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۷﴾
﴿جلالین شریف صفحہ ۱۳﴾

(وَ) اُذْكُرْ (إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ) فِي التَّوْرَاةِ وَقُلْنَا (لَا تَعْبُدُونَ) بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ (إِلَّا اللّٰهَ) خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ وَقُرِءَ لَا تعبدوا (وَ) أَحْسِنُوا (بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا) بِرًّا (وَذِي الْقُرْبٰى) الْقَرَابَةِ عَطْفٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ (وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ) قَوْلًا (حُسْنًا) مِنَ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقِ فِي شَأْنِ مُحَمَّدٍ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُونِ السِّينِ مَصْدَرٌ وُصِفَ بِهِ مُبَالَغَةً۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) خبر بمعنی النہی کی تشریح تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ اس کو نہی کے معنی میں کیوں لیا گیا ہے (د) ''بالوالدین'' سے پہلے ''احسنوا'' کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے تحریر کریں (ھ) ''مصدر وصف'' سے کس اشکال کا جواب دیا گیا ہے تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تورات میں بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور یہ کہا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا ''تعبدون'' میں یاء اور تاء دونوں ہیں اور ''لَا تَعْبُدُوْنَ'' خبر بمعنی نہی ہے، اور ''لَا تَعْبُدُوا'' بھی پڑھا گیا ہے اور والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ''القربیٰ'' قرابت کے معنی میں ہے اور ''ذی القربیٰ'' کا عطف ''وَالدَیْن'' پر ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سچ بولنا اور لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور ایک قراءت میں ''حُسْنًا'' حاء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے جو کہ مصدر ہے اور برائے مبالغہ وصفت لایا گیا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت شریفہ میں اللہ رب العزت نے نبی علیہ السلام کے زمانہ میں موجود یہودیوں کے اسلاف کی بدعنوانیوں کا سلسلہ وار تذکرہ کیا ہے اللہ فرماتے ہیں اے نبی! آپ ذرا اسلافِ یہود کے ان کرتوتوں کو یاد کریں ہم نے ان سے احکام شرع پر عمل کرنے کا پختہ عہد لیا تھا اور انہیں اس بات کا حکم دیا تھا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، والدین، رشتہ داروں اور یتیموں کے ساتھ سے اچھا سلوک کریں گے، لوگوں سے اچھی باتیں کریں گے، نماز قائم کریں گے، اور زکوٰۃ ادا کریں گے، مگر انہوں نے تمام احکام کو پس پشت ڈال دیا، جس کے نتیجے میں ہم نے ان کے اوپر طور پہاڑ کو معلق کر دیا یہ جب پہاڑ کو نیچے آتا دیکھتے تو احکام کو قبول کر لیتے اور جب واپس جاتا دیکھتے تو پھر منکر ہو جاتے تھے پس جس طرح ان یہود کے اسلاف کی حالت تھی اسی طرح آپ کے عہد میں موجود ان یہودیوں کی حالت ہے، یہ بھی آپ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرنے میں اپنے آباء واجداد کا طریقہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

جواب (ج)

خبر بمعنی النہی کی تشریح اور اس کو نہی کے معنی میں لینے کی وجہ:

واضح رہے کہ عبارت مذکورہ میں ''خبرٌ بمعنی النھی'' کا مطلب یہ ہے کہ ''لَاتَعْبُدُوْنَ'' مضارع منفی جمع مذکر حاضر ہونے کی وجہ سے جملہ خبریہ ہے، اسی لئے اس کا نون اعرابی ساقط نہیں ہوا ہے، مگر معنی کے اعتبار سے یہ جملہ انشائیہ ہے اور ''لَا تَعبُدُوْا'' کے معنی میں ہے۔

واضح رہے کہ اگر یہاں کوئی شخص یہ سوال کرتا ہے کہ جب یہ جملہ نفی کے معنی میں ہے تو پھر صراحتاً نہی کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صراحتاً اس کو اس لئے ذکر نہیں کیا گیا کہ کنایۃً نہی ذکر کرنا صراحتاً ذکر کرنے سے اولیٰ ہوتا ہے۔

جواب (د)

''بالوالدین'' سے پہلے ''احسنوا'' کا اضافہ کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے باری تعالیٰ کے ارشاد ''بالوالدین'' سے پہلے ''احسنوا'' کا

اضافہ کیا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ''احسنوا'' کا اضافہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسر علام نے یہ اضافہ کر کے ایک وہم کو ختم کیا ہے، یہاں یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ ''وبالوالدین'' کا عطف ''لاتعبدون'' پر ہے، مفسر علامؒ نے اس سے پہلے ''احسنوا'' کا اضافہ کر کے اس وہم کو دور کر دیا اور واضح کر دیا کہ اس کا عطف ''لاتعبدون'' پر نہیں ہے۔

جواب (ھ)

''مصدر وصف'' سے کس اشکال کا جواب دیا ہے؟:

واضح رہے کہ ''مصدر وصف'' سے مفسر علامؒ نے ایک اشکال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے ''حسنا'' مصدر ہے، اور مصدر کا حمل ذات پر نہیں ہوتا ہے پھر یہاں مصدر کا حمل ذات پر کیسے کیا گیا ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب! یہ صحیح ہے کہ مصدر کا حمل ذات پر نہیں ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ مصدر کو بحیثیت مصدر لایا جاتا ہے اور اگر مصدر کو بطور مبالغہ صفت کے صفت لایا جائے تو پھر اس کا حمل ذات پر کرنا صحیح ہوتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۴﴾

(وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ) اَلْمُعْجِزَاتِ كَإِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَإِبْرَاءِ الْأَكْمَهِ وَالْأَبْرَصِ (وَأَيَّدْنٰهُ) قَوَّيْنَاهُ (بِرُوْحِ الْقُدُسِ) مِنْ إِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ إِلَى الصِّفَةِ أَيِ الرُّوْحِ الْمُقَدَّسَةِ جِبْرِيْلَ لِطَهَارَتِهٖ يَسِيْرُ مَعَهٗ حَيْثُ سَارَ فَلَمْ تَسْتَقِيْمُوْا (أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ۢ بِمَا لَا تَهْوٰى) تُحِبُّ (أَنْفُسُكُمْ) مِنَ الْحَقِّ (اسْتَكْبَرْتُمْ) تَكَبَّرْتُمْ عَنِ اتِّبَاعِهٖ (فَفَرِيْقًا) مِنْهُمْ (كَذَّبْتُمْ) كَعِيْسٰى (وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ) اَلْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) "بینات..... روح القدس" کا مصداق اور تائید عیسیٰ علیہ السلام بروح القدس کی صورت اور حکایتِ حال ماضی کا مطلب تحریر کریں (د) "أفکلما" میں تین کلمہ ہیں ہمزۂ استفہام، فاء عاطفہ اور "کلما" شرطیہ آپ ہمزہ کے محل استفہام کو، فاء کے معطوف اور معطوف علیہ کو اور "کلما" کی شرط وجزاء کو متعین کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو واضح معجزات عطا کئے مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا اور مبروصی (کوڑھی) کو اچھا کرنا اور پاکیزہ روح یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ہم نے ان کی تائید کی "روح القدس" میں موصوف کی صفت کی جانب اضافت ہے "ای الروح المقدسۃ" اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو "قدس" ان کے پاکیزہ ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تائید بایں طور ہوتی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں جاتے تو وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ساتھ رہتے تھے پھر بھی یہ لوگ راہ راست پر نہیں آئے، پس کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسے احکام لیکر آیا جو تم کو ناپسند ہوتے تھے تو تم نے اس کی اتباع سے تکبر کرنا شروع کر دیا، پس ان میں سے بعض (نبیوں) کی تم نے تکذیب کی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض کو تم نے قتل کر ڈالا، اور یہاں صیغۂ ماضی کے بجائے صیغۂ مضارع "تقتلون" حال ماضیہ کی حکایت کیلئے ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوم کے برتاؤ کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ اللہ رب العزت

نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بالکل واضح ایسے معجزات عطاء کئے تھے جو ان کی نبوت و رسالت کی کھلی دلیل تھے ان معجزات میں آپ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا، مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارنا اور اور پھر اس پرندہ کا زندہ ہو کر ہوا میں اڑ جانا، مادرزاد اندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا، غیب کی باتیں بتا دینا، روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کا آپ علیہ السلام کی تائید کرنا تھے اور یہ سب ایسے امور تھے جن سے آپ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت ظاہر ہوتی تھی، لیکن اس سب کے باوجود لوگوں نے آپ علیہ السلام کے پیغام رسالت کو قبول نہیں کیا اور جب آپؑ نے بحکم خدا توریت کے بعض احکام کو منسوخ کیا تو یہودی آپؑ کے دشمن ہو گئے اور اپنے سابقہ کرتوتوں کی طرح آپ علیہ السلام کو بھی شہید کرنے کے درپے ہو گئے، اللہ رب العزت نے یہود کی اسی حرکت کو بیان کرتے ہوئے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام تمہارے پاس ایسے احکام لیکر آئے جو تم کو پسند نہیں تھے تو تم نے رسولوں کی اتباع کرنے سے اعراض کیا اور پھر بہت سے نبیوں کی تم نے تکذیب کی اور بہت سو کو تم نے شہید کر ڈالا۔

واضح رہے کہ یہاں آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ”قتلتم“ فعل ماضی کے بجائے ”تقتلون“ فعل مضارع کو ذکر کیا ہے مفسرؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں فعل مضارع کو ذکر کرنا حال ماضیہ کی حکایت کیلئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم نے ماضی میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حرکت کی ہے اگر تمہیں موقع ملے گا تو تم آئندہ بھی اسی طرح کرو گے۔ (انوار البیان ۱/ ۱۱۷)

جواب (ج)

”بینات“ اور ”روح القدس“ کا مصداق:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ”بینات“ سے مراد واضح معجزات ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات من جانب اللہ عطاء کئے گئے تھے وہ ایسے واضح اور روشن تھے کہ ان کا مشاہدہ کرنے کے بعد کسی کیلئے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرنا ممکن نہیں تھا لیکن یہود

مردودنے ان معجزات کوبھی تسلیم نہیں کیااور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہو گئے۔

اورآیت میں ''روح القدس'' سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے آپ علیہ السلام کوروح القدس آپؑ کے پاکیزہ ہونے اور انبیاءعلیہم السلام کے پاس ایسے پیغام الٰہی لانے کی وجہ سے کہاجاتا ہےجن سے انسانی حیات کی بقاءمتعلق ہوتی ہے۔

تائیدعیسیٰ علیہ السلام بروح القدس کی صورت:

تائیدعیسیٰ علیہ السلام بروح القدس کی صورت کیاتھی؟اس سلسلے میں مفسرین کرامؒ کے مختلف اقوال ہیں علامہ نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کارفع آسمانی ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب یہودمردود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوسولی دینے کے درپے ہوئے تواللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کوحضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ آسمان پر اٹھالیا۔

اس کے برخلاف صاحب جلالینؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت ہے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمہ وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھےاور آپؑ کی حفاظت فرماتے تھے۔ (انوارالبیان ۱/ ۱۱۸)

حکایت حال ماضی کا مطلب:

حکایت حال ماضی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زمانۂ ماضی میں مضارع کی عبارت تیار کرلی جاتی ہےاور پھراس کوقبل الوقوع بیان کیا جاتا ہے پس اس اعتبار سے اس کو بیان کرنا صحیح ہوتا ہےلیکن جب وہ عبارت حقیقتاً ماضی بن جاتی ہے تو پھر اس کوبطور حکایت اسی طرح بیان کردیتے ہیں،اوراس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اگر آئندہ بھی ایسی بات ہوگی توایسا ہوگا۔ (کمالین ۱/ ۱۱۳)

جواب (د)

''أفکلما'' کے کلمۂ ثلاثہ کی تعیین:

واضح رہے کہ ''أفکلما'' میں تین کلمہ ہیں ہمزۂ استفہام، فاءعاطفہ اور''کلما'' شرطیہ،ان

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

میں سے ہمزہ کا محل استفہام آیت کریمہ کا جملہ ''استکبرتم'' ہے اور فاء کا معطوف علیہ مفسرؒ کی عبارت ''فلم یستقیموا'' اور معطوف آیت کریمہ ''أفکلما جاء کم'' ہے ''کلما'' کی شرط ''جاء کم رسول'' اور جزاء ''استکبرتم'' ہے اور اصل عبارت ''تکبرتم کلما جاء کم رسول بالذی لا تحبہ انفسکم'' ہے۔ (حاشیۃ الصاوی ۱/۹۰)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۵﴾

(قُلْ) لَهُمْ (إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ) أَيُ الْجَنَّةُ (عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً) خَاصَّةً (مِّنْ دُونِ النَّاسِ) كَمَا زَعَمْتُمْ (فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ) تَعَلَّقَ بِتَمَنَّوْا الشَّرْطَانِ عَلَى أَنَّ الْأَوَّلَ قَيْدٌ فِي الثَّانِي أَيْ إِنْ صَدَقْتُمْ فِي زَعْمِكُمْ أَنَّهَا لَكُمْ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ يُؤْثِرُهَا وَالْمُوَصِّلُ إِلَيْهَا الْمَوْتُ فتمنوه (وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ) مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكَذِبِهِمْ (وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ) الكافرين فيجازيهم۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسرؒ نے ''کما زعمتم'' کا اضافہ کر کے کس طرف اشارہ کیا ہے؟ اور ''فتمنوا الموت'' شرط اول کا جواب ہے یا شرط ثانی کا؟ تحریر کریں تحریر کریں (د) ''تعلق بتمنیہ... الخ..'' سے مفسرؒ نے کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟ اعتراض اور جواب دونوں کو تحریر کریں (ھ) ''خالصۃ'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے قلم بند کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اے نبی! آپ ان سے کہئے کہ اگر دار آخرت یعنی جنت اللہ کے نزدیک صرف تمہارے ہی

لئے ہے اور کسی کیلئے نہیں ہے جیسا کہ تمہارا یہی گمان ہے تو پھر موت کی تمنا کرو، موت کی تمنا کے ساتھ دو شرطیں متعلق ہیں اس طرح کے ان میں سے پہلی (شرط) دوسری کیلئے قید ہے، یعنی اگر تم اپنے گمان کے مطابق اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ دار آخرت صرف تمہارے ہی لئے ہے تو تم موت کی تمنا کرو اس لئے کہ جس کے لئے دار آخرت ہوتا ہے وہ دار آخرت ہی کو ترجیح دیتا ہے اور دار آخرت تک رسائی کا ذریعہ موت ہے (پس دار آخرت کو چاہنے والا موت کی تمنا کرتا ہے بایں وجہ تم بھی موت کی تمنا کرو) لیکن یہ اپنے ان اعمال کی بنیاد پر جو انہوں نے آگے بھیج رکھے ہیں جیسے کہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرنا ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، اور ان کا موت کی تمنا نہ کرنا ان کے جھوٹا ہونے کو مستلزم ہے اور اللہ رب العزت ظالموں اور کافروں کو خوب جانتا ہے پس وہ ان کو سزا دے گا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے یہودیوں کے جھوٹے دعوؤں اور آرزوؤں کی بنیاد پر مباہلہ کی دعوت دی ہے، اس بد بخت قوم کے دعاوی میں سے ایک اہم دعویٰ یہ تھا کہ عالم آخرت کی خیر اور خوبی اور جنت کا داخلہ اور نعمتوں کا حصول یہ سب کچھ انہیں کے ساتھ خاص ہے، ان کے علاوہ کسی اور دین کے متبعین کو جنت اور اس کی نعمتیں حاصل نہیں ہوں گی، ان کے اسی خیالی اور جھوٹے دعوے کے پیش نظر اللہ رب العزت نے ان آیات میں ان کو مباہلہ کی دعوت دی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اے نبی! آپ ان یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ جنت صرف تمہارے ہی لئے ہے تو آؤ ہم اور تم مل کر موت کی دعاء کرتے ہیں اس لئے کہ جنت کے حصول کا راستہ موت ہے اور جس کیلئے جنت ہوتی ہے وہ موت کی دعاء اور تمنا کیا کرتا ہے، لیکن یہودی چونکہ جھوٹے تھے اس لئے انہوں نے اللہ رب العزت کی اس دعوتِ مباہلہ کو قبول نہیں کیا اور راہ فرار اختیار کر لی۔

مفسر ابن جریرؒ نے ان آیات کی تفسیر میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کر لیتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنا اپنا ٹھکانا دیکھ لیتے اور اگر مباہلہ کے لیے نکلتے تو واپس ہو کر نہ جاتے اور مال کچھ بھی نہیں پاتے۔

جواب (ج)

مفسرؒ نے ''کما زعمتم'' کا اضافہ کر کے کس طرف اشارہ کیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے آیات مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''کما زعمتم'' کا اضافہ کر کے یہود کے قول کی جانب اشارہ کیا ہے، آخرت میں دخولِ جنت کے متعلق یہود کا قول جیسا کہ باری تعالیٰ نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ جنت میں یہود اور نصاریٰ ہی جائیں گے ان کے علاوہ اور کسی دین کے متبعین نہیں جائیں گے ان کے اسی قول کی وجہ سے باری تعالیٰ نے ان کو مباہلہ کرنے کی دعوت دی تھی جس کی تفصیل آیات مذکورہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

''فتمنوا الموت'' شرط اول کا جواب ہے یا شرط ثانی کا؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں مذکور ''فتمنوا الموت'' شرط اول ''ان کانت لکم الدار الاخرۃ'' کا یا شرط ثانی ''ان کنتم صادقین'' کا جواب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ کا یہ جملہ شرط ثانی کا جواب ہے اور رہی شرط اول تو وہ شرط ثانی کیلئے قید اور اس کا تکملہ ہے۔ (فیض الامامین ۱/۱۱۴)

جواب (د)

''تعلق بتمنیہ... الخ.'' سے مفسرؒ نے کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے ''تعلق بتمنیہ... الخ.'' سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ موت کی تمنا کرنا جزء واحد ہے اور یہاں جزء واحد کا تعلق دو شرطوں کے ساتھ ہو رہا ہے اور کسی بھی جزء واحد کا تعلق دو شرطوں کیساتھ بغیر عطف کے کرنا جائز نہیں ہے تو پھر یہاں یہ تعلق بغیر عطف کے کیسے ہو رہا ہے؟ مفسرؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے

فرماتے ہیں جناب! یہاں جزءواحد کا تعلق دوشرطوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ شرط ایک ہی ہے اور اسی کے ساتھ جزءواحد کا تعلق ہے رہی پہلی شرط تو وہ دوسری کیلئے قید ہے۔

جواب (ھ)

''خالصة'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟:

واضح رہے کہ ''خالصة'' ترکیب میں حال واقع ہے اوراس کا ذوالحال بعض حضرات کے نزدیک ''کان'' کا اسم ''الدار'' ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک وہ ضمیر ہے جو ''کان'' کے اسم کی جانب لوٹ رہی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۵﴾

وسأل ابن صُورِيَّا النَّبِيَّ أَوْ عُمر عَمَّنْ يَأْتِي بِالْوَحْيِ مِنَ الْمَلَائِكَة فَقَالَ جِبْرِيل فَقَالَ هُوَ عَدُوّنَا يَأْتِي بِالْعَذَابِ وَلَوْ كَانَ مِيكَائِيل لَآمَنَّا لِأَنَّهُ يَأْتِي بِالْخِصْبِ وَالسِّلْم فَنزَلَ (**قُلْ**) لَهُمْ (**مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيل**) فَلْيَمُتْ غَيْظًا (**فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ**) أَيْ الْقُرْآن (**عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ**) بِأَمْرِ (**اللّٰه مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ**) قبله مِنَ الْكُتُب (**وَهُدًى**) مِنَ الضَّلَالَة (**وَبُشْرَى**) بالجنة (**لِلْمُؤْمِنِينَ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَٰئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيل وَمِيكَٰل فَإِنَّ اللّٰه عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ**) أَوْقَعه مَوْقِع لَهُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) شان نزول کی وضاحت کرتے ہوئے تفسیر تحریر کریں (ج) ''اوقعہ موقع'' سے مفسر علام کیا بتایا ہے؟ نیز پہلے ''من کان'' کی جزاء کیا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

ایک مرتبہ ابن صوریا نے نبی علیہ السلام سے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا ہے کہ وحی

کونسا فرشتہ لیکر آتا ہے آپ علیہ السلام یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر آتے ہیں تو اس نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، اس لئے کہ وہ عذاب لے کر آتا ہے اگر وحی لانے والا فرشتہ میکائیل ہوتا تو ہم ایمان لے آتے، اس لئے کہ وہ خوشحالی اور سلامتی لے کر آتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو، اس کو چاہئے کہ غصہ میں مر جائے، بے شک جبرئیل ہی نے اس قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر اتارا ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مؤمنوں کو راہ ہدایت دکھانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے اور جو بھی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا دشمن ہے اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے، لفظ ''کافِرِین'' کو ''لھم'' ضمیر کی جگہ ان کی حالت کفر کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کے شان نزول کی وضاحت اور تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ کا شان نزول جیسا کہ خود مفسر علامؒ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابن صوریا نامی یہودی نے حضور علیہ السلام سے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وحی لانے والے فرشتہ کے متعلق معلوم کیا جس سے سوال کیا گیا تھا اس نے جواب دیا کہ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام لیکر آتے ہیں یہ سنکر ابن صوریا کہنے لگا کہ جبرئیلؑ نامی فرشتہ تو عذاب لیکر آتا ہے اگر یہ وحی میکائیل لیکر آتے تو ہم اس کو قبول کر لیتے اس لئے کہ یہ خوشحالی لیکر آتے ہیں، ابن صوریا کی اس بکواس کے جواب میں اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو جبرئیلؑ کا دشمن ہو، تو اس کو غصہ میں مر جانا چاہئے، بے شک جبرئیل ہی نے اس قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر اتارا ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مومنوں کو راہ ہدایت دکھانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے اور جو بھی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا دشمن ہے اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ج)

"او قعہ موقع" سے مفسر علامؒ نے کیا بتایا ہے؟:

اس جملہ سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے یہ بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں "عَـدُوٌّ للکافرین" کے بجائے "عَدُوٌّ لَّهُم" کہنا کافی تھا، اس لئے کہ ان کا ذکر سابق میں گزر چکا ہے، مگر چونکہ ان کی عادت شنیعہ اور خصلت قبیحہ کو بیان کرنا مقصود تھا کہ عداوت ملائکہ کی وجہ سے یہ کافر ہو گئے، اس لئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے۔ (حاشیۃ جلالین شریف ۱/۱۵)

"من کان" کی جزاء کیا ہے؟:

واضح رہے کہ "مَن کان" کی جزاء "فَالیمت غیظاً" ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضرت جبرئیل علیہ السلام سے عداوت رکھتا ہے اس کو غصہ میں مر جانا چاہئے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۵﴾

(وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا لشَّيٰطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَنُ)أَیْ لَمْ يَعْمَلِ السِّحْرَ لِأَنَّهُ كُفْرٌ (وَلَكِنَّ الشَّيٰطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ) اَلْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ كَفَرُوا (و) يُعَلِّمُونَهُم (مَآأُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ)أَیْ أُلْهِمَاهُ مِنَ السِّحْرِ وَقُرِءَ بِكَسْرِ اللَّامِ الْكَائِنَيْنِ (بِبَابِلَ) بَلَدٌ فِي سَوَادِ الْعِرَاقِ (هَارُوتَ وَمَارُوتَ) بدل أوعطف بيان للملكين۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں

(ج) ہاروت و ماروت کون تھے اور کیا سحر مطلقاً حرام ہے "لانـہ کـفـر" سے اس سلسلے میں جو کچھ تفصیل معلوم ہو رہی ہے آپ اس کی وضاحت تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور (یہود) اس سحر کو حاصل کرنے کے پیچھے لگ گئے جس کو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں پڑھا کرتے تھے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے (کبھی) کفر یعنی سحر کا عمل نہیں کیا اس لئے کہ یہ (عمل کرنا) کفر ہے البتہ شیاطین نے کفر کیا ہے اس طرح کہ وہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے اور جملہ ''یعملون الناس''.... ''کفروا'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے، اور شیاطین ان کو وہ علم بھی سکھاتے تھے جو بابل شہر میں رہنے والے دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، اور ''ملکین'' کو لام کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے، اور بابل عراق کے درمیان ایک شہر کا نام ہے اور جملہ ''ھاروت وماروت''... ''ملکین'' سے بدل یا اس کا عطف بیان ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

یہ آیت کریمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہود کے خیالات کی نفی میں نازل ہوئی ہے شان نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں یہود کی اکثریت اس بات کا اعتقاد رکھتی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ رب العزت کے نبی نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے انسان اور جنات پر حکومت کیا کرتے تھے اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں یہود کے اس باطل خیال کی نفی کی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کبھی جادو کا کفریہ عمل نہیں کیا ہے بلکہ یہ عمل خود یہود اور شیاطین کیا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام تو اللہ رب العزت کے برگزیدہ نبی تھے ان کی جانب اس عمل کو کرنے کی نسبت کرنا نہایت نامناسب اور بے ہودہ بات ہے۔

جواب (ج)

ہاروت وماروت کون تھے؟:

ہاروت وماروت کون تھے؟ اس سلسلے میں حضرات علماء کرام کی مختلف آراء ہیں،

رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول یہ دونوں جادوگر تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے جبکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتہ تھے جو لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کیلئے اتارے گئے تھے، چنانچہ صاحب "روح المعانی تحریر فرماتے ہیں" و هذان الملكان أنزلا لتعليم السحر ابتلاء من الله تعالىٰ للناس، فمن تعلم و عمل به كفر "ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے جنہیں اللہ رب العزت نے لوگوں کی آزمائش کیلئے جادو سکھانے کے واسطے نازل کیا تھا پس جس نے ان سے جادو سیکھ کر اس پر عمل کیا تو اس نے کفر کرلیا (اور جو محفوظ رہا اس کا ایمان سلامت رہا)۔

جواب (د)

کیا سحر مطلقاً حرام ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سحر کا سیکھنا اور سکھانا مطلقاً حرام ہے یا اس کے تعلیم و تعلم کی کچھ گنجائش موجود ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جادو کا سیکھنا اور سکھانا مطلقاً حرام تھا جیسا کہ مفسرؒ کی عبارت "لانه كفر" یہی واضح ہو رہا ہے، اور ہماری شریعت میں کسی کو ضرر پہنچانے کیلئے جادو کا سیکھنا اور سیکھانا حرام ہے البتہ کسی غیر کے جادو کا باطل کرنے کیلئے اس کے تعلیم و تعلم کی اجازت ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۶﴾

(مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ) أَيْ نُزِلَ حُكْمُهَا إِمَّا مَعَ لَفْظِهَا أَوْ لَا وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ النُّونِ مِنْ أَنْسَخَ أي نأمرك أو جبريل بنسخها (أَوْ نُنْسِهَا) نُؤَخِّرُهَا فَلَا نُنْزِلُ حُكْمَهَا وَنَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا أَوْ نُؤَخِّرُهَا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِلَا هَمْزٍ مِنَ النِّسْيَانِ أَيْ نُنْسِكَهَا أَيْ نَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ (نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ) أَنْفَعَ لِلْعِبَادِ فِي السُّهُولَةِ أَوْ كَثْرَةِ الْأَجْرِ (اَوْ مِثْلِهَا) فِي التَّكْلِيفِ وَالثَّوَابِ (اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) شان نزول تحریر کریں (ج) آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے نسخ کی اقسام ثلاثہ تحریر کریں (د) نسخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف تحریر کرتے ہوئے "ماننسخ" میں "ما" کیسا ہے اس کی وضاحت تحریر کریں، "ننسخ" اور "ننسها" کی دونوں قرأتیں لکھ کر ہر ایک کا الگ الگ ترجمہ تحریر کریں اور "نات بخیر منها" ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے قلمبند کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

ہم جس آیت کے حکم کو منسوخ کرتے ہیں خواہ ہمارا یہ منسوخ کرنا اس آیت کے الفاظ اور حکم دونوں کے اعتبار سے ہو یا صرف الفاظ کے اعتبار سے اور ایک قرأت میں "ننسخ" نون کے ضمہ کے ساتھ ہے اور "انسخ" سے ماخوذ ہے، یعنی ہم آپ علیہ السلام کو یا حضرت جبرئیل کو اس آیت کے زائل کرنا کا حکم دیتے ہیں، یا کسی آیت کو بھلاتے ہیں یعنی اس کو مؤخر کرتے ہیں بایں طور کہ اس کے حکم کو زائل نہیں کرتے بلکہ صرف تلاوت اٹھا لیتے ہیں یا اس کو لوح محفوظ میں مؤخر کرتے ہیں اور "نسأها" ایک قرأت میں بغیر ہمزہ کے ہے اور نسیان سے مشتق ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس آیت کو ہم آپ علیہ السلام کے قلب مبارک سے محو کر دیتے ہیں اور شرط کا جواب "نأت بخیر منها" ہے یعنی اس سے بہتر یا اس کے برابر (کوئی اور) حکم لے آتے ہیں جو سہولت یا اجر کے کثرت کی وجہ سے بندوں کیلئے زیادہ نافع ہوتا ہے یا تکلیف اور ثواب میں اسی کے برابر ہوتا ہے اور کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے۔

جواب (ب)

آیت مذکورہ کا شان نزول:

آیت مذکورہ میں قرآن کریم کی بعض آیات کے منسوخ ہونے پر یہود کی جانب سے وارد ہونے والے اعتراض کی تردید کی گئی ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں یہود کا عمومی خیال یہ تھا کہ توریت اللہ رب العزت کی وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم اور ناقابل

تنسیخ ہیں اسی لئے جب کسی مصلحت کے پیش نظر قرآن کریم میں نازل شدہ بعض احکام منسوخ اور تبدیل ہوئے تو یہود نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ قرآن اللہ رب العزت کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ آپ علیہ السلام کی بنائی ہوئی کتاب ہے اسی لئے اس میں ردوبدل ہوتا ہے اگر یہ اللہ رب العزت کی کتاب ہوتی تو اس میں کسی طرح کے نسخ کا احتمال نہیں ہوتا، اللہ رب العزت نے یہود کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے آیت مذکورہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم جب بھی کسی آیت یا حکم کو منسوخ کرتے ہیں یا آپ کے ذہن سے اس کو محو کرتے ہیں تو اس کے بدلے اسی کے مثل یا اس سے بہتر اور کوئی حکم نازل کر دیتے ہیں (لہذا آیات اور احکام کے نسخ و تنسیخ کے اس معاملہ کو لیکر یہود کا یہ کہنا کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں ہے اگر اللہ کی کتاب ہوتی تو اس میں نسخ نہ ہوتا صحیح نہیں ہے)۔

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم کے بعض احکام اور آیات کی تلاوت کے منسوخ ہونیپر یہود کی جانب سے ہونے والے اعتراض کی تردید کی ہے، اس کی مکمل تفصیل شان نزول کے تحت گذر چکی ہے اب یہاں مفسرؒ کی تحریر کردہ عبارت کی توضیح بیان کی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے احکام یا آیات کی تلاوت کے منسوخ ہونے کی تین صورتیں ہیں جن کو مفسرؒ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

نسخ کی پہلی صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت اور اس کا حکم دونوں منسوخ کر دئے جائیں، اس صورت کو مفسرؒ نے ''اما لفظھا'' سے بیان کیا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ آیت کا صرف حکم منسوخ کیا جائے تلاوت باقی رہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ آیت کی تلاوت منسوخ ہو جائے اور حکم علی حالہ باقی رہے آخر کی ان دونوں صورتوں کو مفسرؒ نے اپنے قول ''اولا'' سے بیان کیا ہے۔

(فیض الامامین ۱/۱۲۹ تا ۱۳۰)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (د)

نسخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

واضح رہے کہ نسخ لغت میں کسی چیز کو نقل کرنے، بدلنے، زائل کرنے اور اٹھا دینے کے معنی میں استعمال ہوتا جبکہ اصطلاح میں ایک حکم شرعی کی جگہ دسرے حکم شرعی کو دلیل کے ساتھ جاری کرنے کو نسخ کہتے ہیں۔

''ماننسخ'' میں ''ما'' کی تعیین:

واضح رہے کہ ''ماننسخ'' میں ''ننسخ'' باب فتح سے مضارع کا صیغہ جمع متکلم ہے اور اس میں ''ما'' شرطیہ جازمہ ہے جس کی وجہ سے ''ننسخ'' مجزوم ہے۔ (فیض الامامین ۱/۱۲۹)

''ننسخ'' اور ''ننسھا'' کی قرأتیں:

واضح رہے کہ ''ننسخ'' کی پہلی قرأت یہ ہے کہ اس کو باب فتح سے نون کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے اس صورت اس کا ترجمہ ہوگا ہم جس آیت کے حکم کو منسوخ کرتے ہیں......اور دوسری قرأت یہ ہے کہ اس کو نون کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے پڑھا جائے اس صورت میں یہ ''انساخ'' سے مشتق ہوگا اور اس کا ترجمہ ہوگا ہم یا جبرئیلؑ اس آیت کے نسخ کا حکم کرتے ہیں۔

اور ''ننسھا'' کی دونوں قرأتوں میں سے پہلی قرأت یہ ہے کہ اس کو ''نسأ'' سے مشتق مانا جائے اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے مؤخر کرنا اور ترجمہ ہوگا ہم اس آیت کے حکم کو مؤخر کردیتے ہیں........اور دوسری قرأت یہ ہے کہ اس کو بغیر ہمزہ کے ''نسیان'' سے مشتق مانیں اس صورت میں یہ باب افعال سے آئے گا اور متعدی بدو مفعول ہوگا اور ترجمہ ہوگا ہم اس آیت کو مٹا کر آپ علیہ السلام کے قلب مبارک سے محو کر دیتے ہیں۔ (تسہیل الجلالین ۱/۱۳۲)

''نات بخیر'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کا جملہ ''نات بخیر منھا'' ترکیب میں شرط کا جواب واقع ہو رہا

ہے اور اس کی شرط "مانسخ من آیۃ او ننسھا" ہے البتہ یہاں اس جواب شرط پر حرف فا داخل نہیں ہے۔ (اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابراہیم ۱۷)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۶﴾

(**یٰأَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَقُولُوا**) لِلنَّبِیِّ (**رَاعِنَا**) أَمْرٌ مِنَ الْمُرَاعَاة وَكَانُوا يَقُولُونَ لَهُ ذٰلِكَ وَهِيَ بِلُغَةِ الْيَهُود سَبٌّ مِنَ الرُّعُونَة فَسُرُّوا بِذٰلِكَ وَخَاطَبُوا بِهَا النَّبِيَّ فَنُهِيَ الْمُؤْمِنُونَ عَنْهَا (**وَقُولُوا**) بَدَلَهَا (**انْظُرْنَا**) أَيْ أُنْظُرْ إِلَيْنَا (**وَاسْمَعُوا**) مَا تُؤْمَرُونَ بِهِ سَمَاعَ قَبُول (**وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ**) مُؤْلِمٌ هُوَ النَّار (**مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ**) مِنَ الْعَرَب عُطِفَ عَلَى أَهْلِ الْكِتَاب وَمِنْ لِلْبَيَان (**أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ**) زَائِدَة (**خَيْرٍ**) وَحْي (**مِنْ رَبِّكُمْ**) حَسَدًا لَكُمْ (**وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ**) نُبُوَّتَه (**من يشآء والله ذو الفضل العظیم**)۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) شان نزول تحریر کریں (ج) "راعنا" کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق تحریر کریں (د) مفسرؒ کے قول "سماع قبول" اور "حسدا لکم" کی وضاحت تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اے ایمان والو! تم نبی علیہ السلام کو لفظ "راعنا" کے ذریعہ مخاطب نہ کیا کرو "راعنا"... "مراعاۃ" سے امر کا صیغہ ہے اور صحابہ کرام حضور علیہ السلام کیلئے اس لفظ کا استعمال کیا کرتے تھے جبکہ یہی لفظ یہود کی زبان میں گالی ہے جو رعونت سے مشتق ہے اور یہود حضور علیہ السلام کیلئے اس لفظ کو استعمال کرنے سے خوش ہوتے تھے اور خود بھی آپ علیہ السلام کو اسی

لفظ سے مخاطب کیا کرتے تھے پس اللہ رب العزت نے مؤمنین کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع کردیا اور حکم دیا کہ تم اس کے بدلے ''انظرنا'' کہا کرو جس کا مطلب ہے کہ آپؐ ہمارا خیال رکھئے اور جس بات کا حکم دیا جائے اس کو عمل کی نیت سے توجہ کے ساتھ سنا کرو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب یعنی تکلیف دہ آگ ہے، اور یہ لوگ جنہوں نے حسد کی وجہ سے حق کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے خواہ یہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین عرب اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ تمہارے رب کی جانب سے تمہارے لئے کوئی خیر مثلاً وحی نازل ہو، اور ''ولا المشرکین'' کا عطف ''اھل الکتاب'' پر ہے اور ''من'' بیانیہ ہے اور ''من خیر'' میں ''من'' زائدہ ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت یعنی نبوت کیلئے خاص کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

جواب (ب)

آیت مذکورہ کا شان نزول:

آیت مذکورہ کا شان نزول یہ ہے کہ یہود جب آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تو لفظ ''راعِنَا'' کہتے تھے، یہ لفظ عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی ہیں آپ ہماری رعایت کیجیے، جبکہ عبرانی زبان میں یہ لفظ گالی اور بد دعا کے معنیٰ استعمال ہوتا ہے یہود حضور علیہ السلام کیلئے اس لفظ کو استعمال کر کے بد دعاء اور گالی کے معنی مراد لیتے تھے، یہود کی دیکھا دیکھی اہل ایمان نے بھی آپ علیہ السلام کو اسی لفظ سے مخاطب کرنا شروع کردیا مسلمان اس لفظ کا استعمال اگرچہ عربی معنی کے اعتبار سے کرتے تھے لیکن یہود اپنے دل میں خوب خوش ہوتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے ہماری طرح مسلمانوں نے بھی اس لفظ کے ذریعہ اپنے نبی کو گالی اور بد دعاء دینا شروع کردی ہے۔

یہود کی اس بدفطرتی کا احساس سب سے پہلے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ہوا آپؓ چونکہ یہود کی زبان جانتے تھے اس لئے آپ نے محسوس کرلیا کہ کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی

خدمت میں ''راعِنَا یا مُحَمَّد'' کہکر اس سے اپنی عبرانی زبان کی گالی مراد لیتے ہیں چنانچہ آپؐ نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گردن ماردوں گا، اس پر یہود کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام کیلئے یہ لفظ تو تم بھی استعمال کرتے ہو اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور اہل ایمان کو اس بات کا حکم دیا کہ تم حضور علیہ السلام کی خدمت میں بجائے لفظ ''راعنا'' استعمال کرنے کے لفظ ''انظر نا'' استعمال کیا کرو (تاکہ یہود کو آپ علیہ السلام کیلئے اس لفظ کے استعمال کا موقع ہی نہ مل سکے)۔

جواب (ج)

لفظ ''راعنا'' کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق:

لفظ ''راعنا'' فعل امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، یہ ''مراعاۃ''.... ''رعونت'' اور ''راعی'' سے ماخوذ ہے ''مراعاۃ'' سے اس کے معنی مبالغہ فی الرعایۃ کے آتے ہیں اور ''رعونت'' سے احمق اور بے وقوف ہونے کے آتے ہیں، واضح رہے کہ یہود حضور علیہ السلام کیلئے اس لفظ کا استعمال اسی آخر الذکر معنی میں کرتے تھے جبکہ اہل ایمان اس کے اول الذکر معنی مراد لیکر اس کو حضور علیہ السلام کیلئے استعمال کیا کرتے تھے۔

جوب (د)

مفسرؒ کے قول ''سماع قبول'' کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے اپنے قول ''سماع قبول'' سے آیت کریمہ کے لفظ ''اسمعوا'' کا مطلب بیان کیا ہے، حاصل مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام جب کوئی حکم بیان کریں تو اہل ایمان کیلئے اس حکم کو دھیان سے سننا اور اس پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے یہود کی طرح احکام کو سنکر پس پشت ڈال دینا سخت نافرمانی اور گناہ ہے۔

مفسرؒ کے قول ''حسدا لکم'' کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے اپنے اس قول سے آیت کریمہ ''مایود الذین .... الخ....'' میں موجود

نفی کی علت محذوفہ کو بیان کیا ہے، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین تمہارے لئے اللہ رب العزت کی جانب سے آنے والی خیر کو پسند نہیں کرتے ہیں، مفسر علامؒ نے اپنے قول ''حسداً لکم'' سے اس ناپسندگی کی علت کو بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اہل ایمان کو ملنے والی خیر اہل کتاب اور مشرکین کے نزدیک اس لئے ناپسندیدہ ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں اور اس حسد کی وجہ بقول بعض یہ ہے کہ یہود مدت دراز سے پیغمبر آخر الزماں کے اپنی قوم میں سے ہونے کی امید لگائے ہوئے تھے لیکن اس امید کے برخلاف حضور علیہ السلام کی بعثت اہل عرب میں ہوگئی تو ان حضرات نے بجائے کلمہ حق قبول کرنے کے آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے متبعین سے حسد کرنا شروع کردیا اور یہ حسد اتنا بڑھا کہ یہ لوگ اہل ایمان کو اللہ رب العزت کی جانب سے ملنے والی ہر خیر اور بھلائی کو ناپسند کرنے لگے، اسی کو اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین حسد کی وجہ سے تمہیں ملنے والی ہر خیر کو ناپسند کرتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۷﴾

(**وَمَنْ أَظْلَمُ**) أَیْ لَا أَحَد أَظْلَم (**مِـمَّـنْ مَّـنَـعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ**) بِـالصَّلَاةِ وَالتَّسْبِيح (**وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا**) بِـالْهَـدْمِ أَوِ التَّـعْطِيل نَزَلَتْ إِخْبَارًا عَنِ الرُّوم الَّـذِيـنَ خَـرَّبُوا بَيْتَ الْمَقْدِس أَوْ فِي الْمُشْرِكِينَ لَمَّا صَدُّوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَة عَنِ الْبَيْت (**أُولٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَ**) خَبَر بِـمَعْنَى الْأَمْر أَيْ أَخِيفُوهُـمْ بِالْجِهَادِ فَلَا يَدْخُلهَا أَحَد آمِنًا (**لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ**) هَوَان بِالْقَتْلِ وَالسَّبْي وَالْجِزْيَة (**وَلَهُمْ فِي الْآخِرَة عَذَابٌ عَظِيمٌ**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کے دونوں شان نزول تحریر کریں (ج) مفسر نے ''خبر بـمعنی الامر'' سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟ اشکال اور جواب

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دونوں تحریر کریں (د) آیت میں مذکور حکم مسجد حرام اور بیت المقدس کے ساتھ خاص ہے یا دیگر مساجد کا بھی یہی حکم ہے وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اس شخص سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے جو اللہ رب العزت کے گھر میں نماز اور تسبیح کے ذریعہ اس کا نام لینے سے روکتا ہے اور ہدم و تعطل کے ذریعہ ان کی بربادی کے پیچھے لگا رہتا ہے، یہ آیت ان رومیوں کی خبر دینے کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے بیت المقدس کو ویران کیا تھا یا ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے حدیبیہ کے سال حضور علیہ السلام کو بیت شریف میں جانے سے روک دیا تھا، ان کو تو یہ چاہئے کہ اس میں ڈرتے ہوئے قدم رکھیں، یہاں خبر امر کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو جہاد کے ذریعہ اس طرح خوف زدہ کر دو کہ ان میں سے کوئی بھی بے خوف اللہ کے گھر میں داخل نہ ہو سکے، ان لوگوں کیلئے دنیا میں رسوائی ہے بایں طور کہ یہ یہاں قتل ہوتے ہیں قید ہوتے ہیں اور جزیہ ادا کرتے ہیں اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

مفسر علامؒ نے آیت کریمہ کے دو شان نزول بیان کئے ہیں...

(۱) پہلا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت روم کے ان عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے بادشاہ روم کے ساتھ ملکر یہودیوں کو بیت المقدس میں نماز ادا کرنے سے روکا تھا اور اس مقدس مسجد کی تخریب کاری میں حصہ لیا تھا۔

(۲) دوسرا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے صحابہؓ کو مکہ مکرمہ سے باہر نکلنے پر مجبور کیا تھا اور مسجد حرام میں ان لوگوں کو نماز ادا کرنے سے روکا تھا حتی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی آپ علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

واضح رہے کہ مشہور مفسر علامہ ابن جریرؒ نے اس آیت کے پہلے شان نزول کو ترجیح دی ہے جبکہ علامہ ابن کثیرؒ دوسرے شان نزول کو راجح قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

جواب (ج)

مفسر نے ''خبر بمعنی الامر'' سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟:

واضح رہے کہ ''خبر بمعنی الامر'' سے مفسر علامؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ آیت جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے روم کے نصاریٰ یا مکہ کے مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور انہیں کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگ اس میں (پہلے شان نزول کے اعتبار سے عیسائی بیت المقدس میں اور دوسرے شان نزول کے اعتبار سے مشرکین بیت اللہ میں) میں بے خوف ہو کر داخل نہیں ہوئے، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں میں ہمیشہ بے خوف ہو کر داخل ہوئے ہیں تو پھر اللہ رب العزت کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ''خبر بمعنی الامر'' سے اس سوال کا جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ جناب! اللہ رب العزت کے جس ارشاد پر آپ نے مذکورہ سوال کیا ہے یہ جملہ یہاں لفظوں کے اعتبار سے خبر ہے لیکن معنی کے اعتبار سے امر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کو جہاد وغیرہ کے ذریعہ اتنا خوف زدہ کر دیا جائے کہ وہ بیت المقدس یا بیت اللہ میں آنے کا تصور ہی نہ کریں اور اگر آئیں تو انتہائی خوف میں مبتلا ہو کر آئیں، اور ایسا ہوا ہے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب سے مشرکین کا داخلہ ممنوع ہوا ہے کہ کوئی مشرک یا اہل کتاب وہاں داخل نہیں ہوا ہے اسی طرح اسلامی ادوار میں بیت المقدس میں بھی یہ لوگ انتہائی خوف زدہ ہو کر داخل ہوتے تھے۔

جواب (د)

کیا آیت میں مذکور حکم دیگر مساجد کیلئے بھی ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں مساجد کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا ہے یہ صرف بیت المقدس اور مسجد حرام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دنیا میں موجود تمام دیگر مساجد کا بھی یہی حکم ہے، پس ہر

انسان پر مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اللہ رب العزت سے خوف کھانا اور مسجد میں ادب واحترام سے داخل ہونا ضروری ہے، اور اگر کوئی کسی بھی مسجد میں لوگوں کے عبادت کرنے کے مانع ہوتا ہے تو اس آیت کریمہ کی روشنی میں وہ شخص دنیا کا سب سے بڑا ظالم اور ناانصاف انسان ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۸﴾

(وَ)اُذْكُرْ(إِذِ ابْتَلَى) اخْتَبَرَ(إِبْرٰهِمَ)وَفِي قِرَاءَةٍ إِبْرَاهَام (رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ) بِأَوَامِرَ وَنَوَاهٍ كَلَّفَهُ بِهَا قِيلَ هِيَ مَنَاسِكُ الْحَجِّ وَقِيلَ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَالسِّوَاكُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَفَرْقُ الشَّعْرِ وَقَلْمُ الإظفار ونتف الإبط وحلق العانة والختان والاستنجاء (فَأَتَمَّهُنَّ)أَدَّاهُنَّ تَامَّاتٍ (قَالَ) تَعَالَى لَهُ (إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا) قُدْوَةً فِي الدِّينِ (قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي)بِالْإِمَامَةِ(الظّٰلِمِينَ)الْكَافِرِينَ مِنْهُمْ دَلَّ عَلَى أَنَّهُ يَنَالُ غَيْرَ الظَّالِمِ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) تفسیری عبارات کی روشنی میں آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''ومن ذریتی'' کا تعلق کس سے ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپؑ کے رب نے چند باتوں کے ذریعہ آزمایا اور ایک قرأت میں ابراہام ہے اور وہ اوامر ونواہی جن کا حضرت ابرہیم علیہ السلام کو مکلّف بنایا گیا تھا بعض کے نزدیک مناسک حج تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ وہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مونچھوں کو کاٹنا، سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کے بال صاف کرنا، ختنہ کرانا اور پانی سے استنجاء کرنا تھیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان

باتوں کو مکمل طور پر ادا کیا (پس) اللہ رب العزت نے ان سے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو دین میں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، حضرت ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا کہ میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنادیجئے، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ پیشوا بنانے کا میرا وعدہ (تمہاری) اولاد میں سے ظالموں اور کافروں سے نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ (حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد میں سے) جو ظالم نہیں ہے اس کو یہ عہد مل سکتا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعض امتحانات اور آپ علیہ السلام کے ان امتحانات میں کامیاب ہونے کا اور پھر انعام کے طور پر آپ علیہ السلام کو عطا ہونے والی امامت کا اعلان فرمایا ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو چند کلمات کے ذریعہ آزمایا، واضح رہے کہ ایک قرأت میں حضرت ابرھیم علیہ السلام کا نام نامی ابراہام آیا ہے اور آیت کریمہ میں کلمات سے مراد وہ اوامر ونواہی ہیں جن کا حضرت ابراھیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا یہ اوامر ونواہی کیا تھے ان کے متعلق مفسرینؒ نے بہت کچھ تحریر کیا ہے خود رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں متعدد اقوال تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں آپؓ کا ایک قول یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو مناسک حج کا حکم دیا تھا جس کو انہوں نے پورا فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ نے آپ علیہ السلام کو طہارت ونظافت سے متعلق احکام دیے تھے اور یہ دس احکام تھے جن میں پانچ سر سے متعلق اور پانچ باقی جسم سے متعلق تھے سر کے متعلق یہ احکام تھے (۱) مونچھیں کاٹنا (۲) کلی کرنا (۳) ناک میں پانی لے کر ناک صاف کرنا (۴) مسواک کرنا (۵) سر کے بالوں میں مانگ نکالنا اور باقی جسم کے متعلق یہ احکام تھے (۱) ناخن کاٹنا (۲) زیر ناف کے بال صاف کرنا (۳) ختنہ کرنا (۴) بغلوں کے بال اکھاڑنا (۵) پیشاب اور پاخانہ کر کے پانی سے استنجا کرنا۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن باتوں سے آزمایا انہوں نے ان تمام باتوں کو پورا کر دیا جس کے نتیجہ میں ہم نے اعلان کر دیا کہ ابراہیم ہم تمہیں دین میں لوگوں کا پیشوا بنادیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اعلان کو سن کر اللہ سے عرض کیا کہ میری اولاد میں بھی پیشوا بنادیجئے تو اللہ نے آپؑ کی اس گذارش کو بھی قبول فرمالیا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اے ابراہیمؑ! آپؑ کی اولاد میں سے جو لوگ ظالم اور کافر ہوں گے ان کے ساتھ پیشوائی کا یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ میرا یہ وعدہ صرف مؤمن اور صالح لوگوں کے ساتھ ہے۔ (انوار البیان ۱/۱۵۹، معارف القرآن، شفیع عثمانی ۱/۳۰۹ تا ۳۱۶)

جواب (ج)

"ومن ذریتی" کا تعلق کس سے ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں "ومن ذریتی" کا تعلق بعض حضرات کی تاویل کے اعتبار سے "جاعِلکَ" کے کاف پر ہے، جیسا کہ مِن تبعیضیہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

لیکن اب اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضمیر متصل پر بغیر اعادہ ضمیر یا فصل کے عطف کرنا صحیح نہیں ہے، لہٰذا "وَمِن ذُرِّيَّتِى" کا عطف کاف ضمیر پر کیسے درست ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! "جاعلک" میں جاعِل کی کاف کی طرف اضافت لفظیہ ہے اور انفصال کے درجہ میں ہے، لہٰذا "ومن ذریتی" کا اس پر عطف کرنا درست ہے۔ (جمالین ۱/۲۵۳)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۹﴾

(وَمَنْ) أَیْ لَا (یَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرٰهِمَ) فَیَتْرُکُهَا (إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ) جَهِلَ أَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ لِلّٰهِ یَجِبُ عَلَیْهَا عِبَادَتُهُ أَوْ اسْتَخَفَّ بِهَا وَامْتَهَنَهَا (وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ) اخْتَرْنَاهُ (فِی الدُّنْیَا) بِالرِّسَالَةِ وَالْخُلَّةِ (وَإِنَّهُ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ)۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) شان نزول تحریر کریں (ج) ''سفہ نفسہ'' کے ذیل میں مفسرؒ کے ضروری نوٹ کی وضاحت تحریر کریں (د) ''ولقد اصطفیناہ'' کا ماقبل سے کیا ربط ہے؟ سوچ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور کوئی بھی شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو ترک کرنے کیلئے اس سے بے رغبتی اختیار نہیں کرتا ہے علاوہ اس شخص کے جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا ہے پس وہی انسان جو اس بات سے ناواقف ہو کہ وہ اللہ رب العزت کی مخلوق ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا واجب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے بے رغبتی کرسکتا ہے یا وہ شخص کرسکتا ہے جو اپنے نفس کو حقیر اور ذلیل رکھتا ہے، اور ہم نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو دنیا میں رسالت اور دوستی کیلئے منتخب کرلیا ہے اور آخرت میں وہ صالحین میں شمار ہوں گے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

آیت مذکورہ کا شان نزول یہ ہے کہ جب یہود کے ایک بہت بڑے عالم حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سلمہ اور مہاجر نامی اپنے دو بھتیجوں کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ تم اس بات کو بخوبی جانتے ہو کہ اللہ رب العزت نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں احمدؐ نامی ایک نبی کے مبعوث کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اس نبی پر ایمان لائے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جو ایمان نہیں لائے گا وہ ملعون و مردود ہوگا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر آپؓ کے ایک بھتیجے سلمہؓ نے ایمان قبول کرلیا جبکہ مہاجر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا اس موقع پر اللہ رب العزت نے اس آیت کو نازل فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ملت ابراہیمیؑ سے بے رغبتی صرف بے وقوف شخص ہی کرسکتا ہے کسی عقل مند انسان کا اس سے بے رغبت ہونا ممکن نہیں ہے۔

جواب (ج)

''سفه نفسه'' کے ذیل میں مفسر کے ضروری نوٹ کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے آیت کریمہ کے جملہ ''سفه نفسه'' کے ذیل میں کچھ عبارت تحریر کی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں ''جعل انها مخلوقة لله یجب علیها عبادته اواستخف بها وامتهنها ''ملت ابرہیمی سے وہی شخص بے رغبت ہوسکتا ہے جو اس بات سے ناواقف ہو کہ وہ اللہ رب العزت کی مخلوق ہے اور اس پر اپنے خالق کی عبادت کرنا واجب ہے یا وہ شخص اس ملت سے بے رغبت ہوسکتا ہے جو اپنے نفس کو حقیر اور ذیل رکھتا ہے۔

مفسر علامؒ نے اپنی اس تفسیری عبارت سے اس بات کو بیان کیا ہے ''سفه'' بذات خود متعدی نہیں ہے بلکہ اس کو متعدی بنانے کیلئے اس میں ''جعل'' کے معنی کو نکالنا لازم اور ضروری ہے پس اس صورت میں اس عبارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ملت ابراہیمی سے بے رغبتی وہی شخص کرسکتا ہے جو مخلوق باری ہونے سے ناواقف ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ بعض حضرات نے ''سفه'' کو بذات خود بھی متعدی مانا ہے، اس صورت میں اس کے معنی اپنے نفس کو حقیر اور کمتر بنانے کے آتے ہیں، مفسر علامؒ نے ''او استخف بها'' سے ''سفه'' کے متعلق بعض حضرات کے اسی قول کی جانب اشارہ کیا ہے۔

جواب (د)

''ولقد اصطفيناه'' کا ماقبل سے کیا ربط ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کے جملے ''ولقد اصطفيناه'' کا ماقبل سے یہ ربط ہے کہ یہ جملہ ماقبل کے جملہ ''من یرغب'' کی دلیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اپنا منتخب بندہ بنالیا ہے تو پھر ان کی ملت سے اعراض کرنا کیا معنی رکھتا ہے اس صورت میں تو ان کی ملت سے اعراض کرنا دنیا اور آخرت کے خسران کی دلیل ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۱﴾

(سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ) الجهال (مِنَ النَّاس) اَلْيَهُود وَالْمُشْرِكِيْنَ (مَا وَلّٰهم) أَيّ شَيْءٍ صَرَفَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِين (عَنْ قِبْلَتِهِم الَّتِى كَانُوا عَلَيْهَا) عَلَى استقبالها فى الصلاة وهى بيت المقدس وَالْإِتْيَان بِالسِّينِ الدَّالَّة عَلى الاِسْتِقْبَال مِنَ الْإِخْبَار بالغيب (قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ) أَىْ الْجِهَات كُلّهَا فَيَأْمُر بِالتَّوَجُّهِ إِلَى أَيّ جِهَة شَاءَ لَا اعْتِرَاض عَلَيْهِ (يَهْدِىْ مَنْ يَشَآءُ) هدايته (إِلٰى صِرَاطٍ) طَرِيق (مُّسْتَقِيمٍ) دِين الْإِسْلَام أَىْ وَمِنْهُمْ أَنْتُمْ دَلَّ عَلَى هَذَا (وَكَذٰلِكَ) كَمَا هَدَيْنَاكُمْ إِلَيْهِ (جَعَلْنٰكُمْ) يَا أُمَّة مُحَمَّد (أُمَّةً وَسَطًا) خِيَارًا عُدُولًا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) مفسر علام نے "ماولٰهم" کے بعد "ای شئی" سے اور "الاتیان بالسین" سے اور "یشاء" کے بعد "هدایته" سے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

نادان اور جاہل لوگ یعنی یہود اور مشرکین عنقریب یہ کہیں گے کہ مؤمنین اور ان کے نبیؐ کو کس چیز نے ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا ہے جس پر یہ تھے یعنی جس کی جانب رخ کر کے یہ نمازیں ادا کرتے تھے اور وہ قبلہ بیت المقدس ہے اور سین استقبالیہ کو لانا اخبار بالغیر کے قبیل سے ہے، آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ رب العزت ہے یعنی تمام کی تمام جہات اسی کی ہیں پس وہ جس جہت کی جانب چاہے رخ کرنے کا حکم دے سکتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یعنی اس کو اسلام کی سیدھی راہ دکھا دیتا ہے اور اے مؤمنین ان لوگوں میں جن کو سیدھی راہ دکھائی گئی ہے تم بھی ہو اور جس طرح

ہم نے تمہیں سیدھی راہ دکھائی ہے اسی طرح اے امت محمد یہ ہم نے تمہیں امت وسط یعنی بہترین اور معتدل امت بنایا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

آیت مذکورہ میں تحویل قبلہ پر یہود اور مشرکین کی جانب سے وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے، حضور علیہ السلام پر جب تحویل قبلہ کا حکم نازل کیا گیا تو اس پر یہود، مشرکین اور منافقین نے اعتراض کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ اسلام صحیح اور سچا مذہب نہیں ہے اگر یہ صحیح اور سچا مذہب ہوتا تو اس میں سابقہ انبیاء کے مسلمہ قبلہ بیت المقدس کو تبدیل کر کے بیت اللہ کو قبلہ نہ بنایا جاتا اس پر اللہ رب العزت نے مذکورہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے نبی! جو ناسمجھ اور بیوقوف لوگ تحویل قبلہ پر اعتراض کر رہے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ تمام جہات اللہ رب العزت ہی کی ہیں وہ جس جہت کی جانب چاہے رخ کرنے کا حکم دے سکتا ہے اس پر اعتراض کرنا ناسمجھی اور حماقت کی دلیل ہے۔

جواب (ج)

مفسرؒ نے "أي شئي... الاتيان بالسين... اور... هدايته" سے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر علامؒ نے "ما ولهم" کے بعد "أي شئي" کا اضافہ کیا ہے، اس سے مفسرؒ نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ "ماولهم" میں "ما" استفہام کیلئے ہے اور یہ "أي شئي" کے معنی میں ہے۔

اور "الاتيان بالسين" سے مفسرؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ "سيقول السفهاء" سے تحویل قبلہ کے حکم پر یہود، مشرکین اور منافقین کے جس اعتراض کی خبر دی جارہی ہے اس کا وقوع فی الفور نہیں ہے بلکہ آئندہ زمانے میں جب کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوگا جب ہوگا گویا اس کا تعلق اخبار غیب سے ہے۔

اور ''من یشاء'' کے بعد مفسرؒ نے ''ھدایتہ'' تحریر فرما کے اس بات کو بیان کیا ہے کہ ''یشاء'' کا مفعول ماقبل میں مذکور ''من'' نہیں ہے بلکہ ''ھدایۃ'' ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۱﴾

(وَكَذٰلِكَ) كَمَا هَدَيْنَاكُمْ إِلَيْهِ **(جَعَلْنٰكُمْ)** يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ **(أُمَّةً وَّسَطًا)** خِيَارًا عُدُوْلًا **(لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ)** يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَّ رُسُلَهُمْ بَلَّغَتْهُمْ **(وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا)** أَنَّهُ بَلَّغَكُمْ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) وسط کے معنی تحریر کرتے ہوئے عبارت کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''کذالک'' میں کاف تشبیہ کیلئے ہے یا کسی اور چیز کیلئے اگر تشبیہ کیلئے ہے تو اس کے مشبہ بہ کی تعیین کریں اور ''امۃ وسطا'' ترکیب میں کیا واقع ہورہا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اے امت محمدیہ! جس طرح ہم نے تم کو ہدایت دی ہے اسی طرح تمہیں وسط امت یعنی بہترین اور معتدل امت بھی بنایا ہے تاکہ تم قیامت کے دن لوگوں پر اس کے گواہ بن جاؤ کہ ان کے پیغمبروں نے ان کو پیغام رسالت پہنچادیا تھا اور رسول تمہارے لئے گواہ ہو جائیں کہ انہوں نے تم کو پیغام پہنچادیا ہے۔

جواب (ب)

''وسط'' کے معنی اور تفسیر العبارۃ:

وسط: سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لغت میں اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو درمیانی درجہ کی اور افضل ترین ہوتی ہے، اور اصطلاح میں بھی عموماً اس کو اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اس آیت میں اللہ رب العزت نے امت محمد کو یہ وسط امت قرار دیا ہے یہاں وسط بمعنی عدل ہے، آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس امت کا قبلہ سب قبلوں سے افضل بنایا گیا ہے اسی طرح اللہ رب العزت نے اس امت کو بھی اعتدال والی امت بنایا ہے جو تمام امتوں سے افضل اور برتر ہے اور اسی افضلیت کی وجہ سے قیامت میں اس امت کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ اس کے افراد میدان حشر میں دیگر امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ان کے رسولوں نے ان کو پیغام رسالت پہنچادیا تھا اور حضور علیہ السلام اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ہاں میری امت عادل اور ثقہ ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی تھی یا نہیں؟ وہ عرض کریں گے کہ یارب میں نے واقعتاً تبلیغ کی تھی، اس پر ان کی امت سے سوال ہوگا کہ بولو انہوں نے تم کو احکام پہنچائے تھے یا نہیں؟ وہ کہیں گے نہیں، ہمارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا، اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لیے گواہ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلى الله عليه وسلم کی امت ہے اس پر تم کو بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بیشک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی، مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی یا نہیں؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی، اس پر ان سے گواہ طلب کیے جائیں گے تو وہ گواہی میں آپ علیہ السلام اور آپ کی امت کو پیش کریں گے، چنانچہ آپ علیہ السلام اور آپ کی امت سے سوال کیا جائے گا یہ لوگ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں، اس پر امت محمدیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی تشریف لائے تھے اور انہوں نے خبر دی تھی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی ہے۔

جواب (ج)

''کذالک'' میں کاف تشبیہ کیلئے یا کسی اور چیز کیلئے:

واضح رہے کہ ''کذالک'' میں کاف تشبیہ کیلئے ہے اور اس کا مشبہ بہ ''ھدایۃ'' ہے۔

''امۃ وسطا'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا؟:

واضح رہے کہ ''امۃ وسطا'' ترکیب میں ''جعلنا'' کا مفعول ثانی واقع ہو رہا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۱﴾

(وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ) عِلْم ظُهُور (مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ) فَيُصَدِّقَهُ (مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَإِنْ) مُخَفَّفَة مِنَ الثَّقِيلَة وَاسْمُهَا مَحْذُوف أَيْ وَإِنَّهَا (كَانَتْ) أَيِ التَّوْلِيَة إِلَيْهَا (لَكَبِيرَةً) شَاقَّة عَلَى النَّاس (إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ) مِنْهُمْ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) تفسیر بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ مفسر علامؒ نے ''لنعلم'' کے بعد ''علم ظھور'' اضافہ کیوں کیا ہے؟ (د) تفسیری فوائد کی روشنی میں ''وان کانت'' سے لیکر ''ھدی اللہ'' تک کی نحوی ترکیب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور قبلہ کی جس سمت پر تم پہلے تھے اس کو ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا تا کہ ہم علم ظہور کے طور پر یہ ظاہر کر دیں کہ کون حضور علیہ السلام کی اتباع کرتا ہے اور کون کون اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے، اور ''اِنْ'' مخففہ عن المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یہ اصل میں ''اِنَّھَا'' تھا

اور قبلہ کی تبدیلی کا یہ کام اگر چہ لوگوں پر دشوار گذار ہے لیکن لوگوں میں سے جن کو اللہ رب العزت نے ہدایت دی ہے ان پر کوئی مشکل نہیں ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

یہ آیت کریمہ تحویل قبلہ کے حکم پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب میں نازل ہوئی ہے، حضور علیہ السلام کی تمنا اور خواہش کے مطابق جب اللہ رب العزت نے قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل کیا اور بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ مقرر فرمایا تو یہود، مشرکین اور منافقین کی جانب سے اس پر سخت اعتراضات ہوئے جن کی وجہ سے کمزور مسلمانوں کی ایک جماعت ارتداد کا شکار ہوگئی ان اعتراضات کے جواب میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی چند آیات نازل فرمائی جن میں سے ایک یہ آیت بھی ہے، اللہ رب العزت اس آیت کریمہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کا اصل قبلہ بیت اللہ ہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں اسی کو قبلہ ہونے کا شرف حاصل رہا ہے لیکن امتحان لینے اور علم ظہور کے طور پر یہ جاننے کیلئے کہ کون حضور علیہ السلام کی اتباع کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے اور کون اسلام لانے کے بعد اس پر باقی رہتا ہے اور کون مرتد ہو جاتا ہے چند دنوں کیلئے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تھا لہذا قبلہ کی اس تبدیلی پر اعتراض کرنا فضول ہے۔

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے تحویل قبلہ کے متعلق یہود، مشرکین اور منافقین کے اعتراض کا جواب دیا ہے، یہود نے تحویل قبلہ کے حکم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ حکم من جانب اللہ نہیں ہے بلکہ حضور علیہ السلام نے اپنی جانب سے دیا ہے اللہ کی جانب سے تو ہمیشہ بیت المقدس ہی قبلہ رہا ہے۔

اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم میں اہل ایمان کا اصل قبلہ بیت اللہ ہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا ہے اور اور رہا بیت المقدس کا قبلہ ہونا تو یہ بر بنائے مصلحت تھا اور اس میں صرف یہ مصلحت تھی کہ ہم اعلانیہ طور پر یہ جاننا چاہتے تھے کہ تحویل قبلہ کے بعد کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں رسول کی تصدیق اور اطاعت سے تکذیب اور نافرمانی کی طرف پھر جاتا ہے، اللہ فرماتے ہیں تحویل قبلہ کا یہ حکم اگر چہ لوگوں کیلئے شاق اور دشوار ہے لیکن جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے ان پر کوئی دشوار نہیں ہے۔

واضح رہے کہ تحویل قبلہ کے اس حکم سے اللہ رب العزت نے مسلمانانِ قریش اور مسلمانان یہود دونوں کا امتحان لیا ہے بایں طور کہ جب بیت اللہ کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تو مسلمانان قریش کا امتحان لیا اور جب بیت المقدس کی جگہ بیت اللہ تو قبلہ مقرر کیا تو مسلمانانِ یہود کا امتحان لیا لیکن ہر دو جماعتوں میں اللہ رب العزت نے جن کو ہدایت سے نوزا تھا وہ امتحان میں کامیاب رہیں اور انہوں نے بہر صورت تحویل قبلہ کے حکم کو تسلیم کیا اور جن کی قسمت میں بدبختی مقدر تھی وہ اس حکم کی تعمیل نہ کر کے خائب وخاسر ہو گئے۔

مفسر علامؒ نے ''لنعلم '' کے بعد ''علم ظہور '' اضافہ کیوں کیا ہے؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفسر علامؒ نے آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''لنعلم '' کے بعد ''علم ظہور '' کا اضافہ کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے اس جملہ کا اضافہ کر کے اللہ رب العزت کے علم سے تجدد کی نفی ہے۔

واضح رہے کہ اللہ رب العزت کا علم قدیم ہے لیکن ''لنعلم '' فعل مضارع سے کسی کو اس علم کے متجدد ہونے کا وہم ہو سکتا تھا مفسرؒ نے ''لنعلم '' کے بعد ''علم ظہور '' کا اضافہ کر کے اس وہم کو دور کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اللہ رب العزت کا علم متجدد نہیں ہے بلکہ قدیم ہے اور رہا اللہ رب العزت کا امتحان لینا تو یہ صرف علم ظہور کے طور پر ہے تا کہ تمام اہل ایمان کو معلوم

ہو جائے کہ کون پکا مؤمن ہے اور کون کفر کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔

جواب (د)

"وَاِنْ اِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰه" کی ترکیب:

"و" مستأنفہ "ان" مخففہ عن المثقلہ ، یہ اصل میں " اِنَّ " حرف مشبہ بالفعل ہے، اس کا اسم محذوف ہے اصل عبارت "اِنّھَا" ہے "کانت"، فعل ناقص، ضمیر محذوف اسم "لکبیرۃ... الخ"... "کانت" کی خبر "کانت" اپنے اسم خبر سے ملکر "اِنَّ" کی خبر اور "اِنَّ" اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

❀❀❀❀❀

﴿سوال ۳۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۱﴾

(**قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ**)تصرُّف (**وَجْهِكَ فِى**) جِهَة (**السَّمَآءِ**) مُتَطَلِّعًا إِلَى الْوَحْى وَمُتَشَوِّقًا لِلْأَمْرِ بِاسْتِقْبَالِ الْكَعْبَة وَكَانَ يَوَدّ ذَلِكَ لِأَنَّهَا قِبْلَة إِبْرَاهِيم وَلِأَنَّهُ أَدْعَى إِلَى إِسْلَام الْعَرَب (**فَلَنُوَلِّيَنَّكَ**)نُحَوِّلَنَّك (**قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ**)اسْتَقْبِلْ فِي الصَّلَاة (**شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**)اى الكعبة۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) آیت کریمہ میں "قد" تحقیق کیلئے ہے یا تقلیل کیلئے؟ تحریر کریں، مفسرؒ نے "المسجد الحرام" کی تفسیر "الکعبۃ" سے کی ہے اس کی وجہ تحریر کریں (د) تحویل قبلہ کا حکم کس سن میں نازل ہوا بیت المقدس کتنے دنوں قبلہ رہا پہلے بیت المقدس اور پھر کعبہ کو قبلہ بنانے میں کیا حکمت تھی؟ نیز "وحیث ما کنتم" میں کن لوگوں کو خطاب ہے؟ تحریر کریں، خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

تحقیق کہ ہم آپؐ کے چہرے کو آسمان کی طرف وحی کی طلب اور استقبال کعبہ کے شوق میں بار بار اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اور آپ کعبہ کو اس لئے پسند فرماتے تھے کہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا، اور اس لئے بھی کہ کعبہ کو قبلہ قرار دینا عربوں کو اسلام کی طرف بلانے میں زیادہ مؤثر تھا، سو ہم آپؐ کو اسی قبلہ کی جانب پھیر دیتے ہیں جس کو آپؐ پسند کرتے ہیں آپؐ اپنا رخ نماز میں مسجد حرام یعنی کعبہ کی جانب پھیر لیں۔

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے بیت اللہ کے قبلہ مقرر کئے جانے کے حکم اور اس حکم کو طلب کرنے کے متعلق آپ علیہ السلام کے انتظار کی شدت کو بیان کیا ہے، نمازوں کی فرضیت اور مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد حضور علیہ السلام کی خواہش یہ تھی بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ مقرر کر دیا جائے اور آپ علیہ السلام کو یہ خواہش اس لئے تھی کہ بیت اللہ نہ صرف حضرت ابرہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا بلکہ اس کو قبلہ مقرر کرنا اہل عرب کو اسلام کی جانب بلانے میں بھی مؤثر تھا اسی لئے آپ علیہ السلام اس حکم کے متعلق وحی کے انتظار میں بار بار آسمان کی جانب منہ اٹھا کر دیکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے سلام پھیر کر آسمان کی طرف اس انتظار میں منہ اٹھاتے تھے کہ کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا جائے، (آپ علیہ السلام کی اس خواہش کی تکمیل میں) آیت "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ" نازل ہوئی اور قیامت تک کیلئے بیت اللہ شریف کو اہل ایمان کا قبلہ مقرر کر دیا گیا۔

(انوار البیان ۱/۱۹۱ تا ۱۹۲)

جواب (ج)

کیا آیت میں ''قد'' برائے تحقیق ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں ''قــــد'' برائے تحقیق ہے برائے تقلیل نہیں ہے اور اس کی صراحت خود مفسر علامؒ نے اپنی تفسیری عبارت میں کی ہے، البتہ بعض حضرات نے اس کو برائے کثرت بھی مانا ہے جیسا کہ صاحب جمالین نے اس تفصیل ذکر کی ہے۔ (جمالین ۱/ ۲۵۸)

مفسرؒ کے ''المسجد الحرام'' کی تفسیر ''الكعبة'' سے کرنے وجہ:

مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ''الـمسجد الحرام'' کی تفسیر ''الكعبة'' سے کر کے ایک وہم کو دور کیا ہے یہاں کسی کو بھی یہ وہم ہوسکتا تھا کہ قبلہ مسجد حرام ہے اس لئے کہ آیت کریمہ میں اسی کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مفسرؒ نے آگے ''الـكعبة'' تحریر کر کے اس وہم کو دور کر دیا اور واضح کر دیا کہ اصل قبلہ بیت اللہ ہی ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہ جب اصل قبلہ کعبہ ہے تو پھر آیت کریمہ میں مسجد حرام کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں مسجد حرام کا ذکر دور والوں کی رعایت کرتے ہوئے کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے جو لوگ مکہ مکرمہ سے دور ہیں اور عین کعبہ کی جانب رخ کرنے پر قادر نہیں ہیں وہ اگر مسجد حرام کی جانب بھی رخ کرلیں تو ان کیلئے کافی ہے۔

(حاشیہ جلالین شریف ۱/ ۲۱.....انوار البیان ۱/ ۱۹۲)

جواب (د)

تحویل قبلہ کا حکم کس سن میں نازل ہوا اور بیت المقدس کتنے دن قبلہ رہا:

واضح رہے کہ تحویل قبلہ کا حکم رجب یا شعبان ۲ھ میں نازل ہوا ہے ابن سعدؒ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت بشرؓ بن براء بن معرور کے یہاں دعوت پر گئے ہوئے تھے وہاں ظہر کی نماز کا وقت آ گیا آپ علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھا چکے تھے کہ تیسری رکعت میں یکایک وحی کے ذریعہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو گیا اور اسی وقت آپ

علیہ السلام کی اقتداء میں تمام لوگ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے اور پھر اس کے بعد مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں اس حکم کی عام منادی کرادی گئی۔

واضح رہے کہ آپ علیہ السلام نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے کل سولہ یا سترہ ماہ تک نمازیں ادا کی ہیں اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ مقرر کر دیا تھا اور آج تک یہی اہل ایمان کا قبلہ ہے۔ (حاشیہ جلالین ۱/ ۲۱..... جمالین ۱/ ۲۵۵ تا ۲۵۶)

بیت المقدس کی جگہ بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی حکمت:

واضح رہے کہ بیت المقدس کی جگہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کرنے میں مختلف حکمتیں موجود ہیں ان میں ایک حکمت آپ علیہ السلام کی تمنا کا مکمل کرنا ہے خود حضور علیہ السلام کی آرزو یہی تھی کہ بیت المقدس کی جگہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کر دیا جائے نیز ایک حکمت متبعین رسول کا امتحان تھا جس کو خود اللہ رب العزت نے بیان کیا ہے کہ ہم نے بیت المقدس کو رسول علیہ السلام کی اتباع کرنے والوں کو ظاہر کرنے کیلئے قبلہ مقرر کیا تھا یعنی اب جبکہ تحویل قبلہ کا حکم آ گیا تو معلوم ہوگا کہ کون رسول کی اتباع کرتا ہے اور کون قبلہ کے سلسلے میں رسول کو متردد سمجھ کر الٹے پیر پلٹ جاتا ہے۔

صاحب انوار البیان تحریر فرماتے ہیں کہ بیت المقدس کی جگہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ بیت اللہ حضرت آدم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ (انوار البیان ۱/ ۱۹۳)

”وحیث ما کنتم“ میں کن لوگوں کو خطاب ہے؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں تحویل قبلہ کے حکم کے بعد ”وحیث ما کنتم“ سے اللہ رب العزت نے کس کو خطاب کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! اللہ رب العزت اپنے اس جملہ سے امت مسلمہ کو خطاب کیا ہے اور اہل ایمان کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ تحویل قبلہ کے مذکورہ حکم کے بعد اب تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارے لئے بیت اللہ ہی کی جانب رخ کرنے نمازیں ادا کرنا ضروری ہے۔

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی صرفی تحقیق:

"تقلب" یہ باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی پھر پھر جانا، چنانچہ کہا جاتا ہے" تقلب البصر " نگاہ کا بار بار اٹھانا۔

"متطلّعاً" یہ باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی کسی چیز کو طلب کرنا"تطلّع الی الشئی" کے معنی آتے ہیں کسی چیز کے ظہور کو بغور دیکھنا۔

"یود" یہ مضارع کے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور باب ضرب سے استعمال ہوتا ہے بمعنی کسی چیز کو چاہنا، کسی چیز کی خواہش کرنا۔

"فلنولینک" اس میں"نولینّ" مضارع با نون ثقیلہ سے جمع متکلم کا صیغہ ہے اس کا مصدر"تولیة" آتا ہے اور یہاں اس صیغہ میں"ک" ضمیر مفعول کی ہے بمعنی کسی چیز کو پھیر دینا، یہاں اس کے معنی ہیں ہم آپ علیہ السلام کو ضرور خانہ کعبہ کی جانب پھیر دیں گے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۳۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۲﴾

(وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ) كَرَّرَهُ لِلتَّأْكِيدِ (لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ) الْيَهُودِ أَوِ الْمُشْرِكِينَ (عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ) أَيْ مُجَادَلَةٌ فِي التَّوَلِّي إِلَى غَيْرِهِ لِتَنْتَفِي مُجَادَلَتُهُمْ لَكُمْ مِنْ قَوْلِ الْيَهُودِ يَجْحَدُ دِينَنَا وَيَتْبَعُ قِبْلَتَنَا وَقَوْلِ الْمُشْرِكِينَ يَدَّعِي مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ وَيُخَالِفُ قِبْلَتَهُ (إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ) بِالْعِنَادِ فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا تَحَوَّلَ إِلَيْهَا إِلَّا مَيْلًا إِلَى دِينِ آبَائِهِ وَالِاسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَالْمَعْنَى لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ عَلَيْكُمْ كَلَامٌ إِلَّا كَلَامُ هَؤُلَاءِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج)"لئلا" کا"لام" کس سے متعلق ہے اور"الناس" اور"حجة" سے کیا مراد ہے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

تحریر کریں (د) مجادلہ میں یہود اور مشرکین کیا کہتے تھے اور ''الا الذین ظلموا'' میں استثناء متصل ہے یا منفصل؟ کتاب کی روشنی میں تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہوں (نماز میں) اپنا رخ مسجد حرام کی جانب کرو (اللہ نے یہ حکم) تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے، تاکہ لوگوں یعنی یہود یا مشرکین کا ان کے قبلہ کی مخالف جانب رخ کرنے کی وجہ سے کوئی جھگڑا تمہارے ساتھ باقی نہ رہے، (اور) یہود کے یہ بات کہنے میں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے دین کا تو انکار کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ (بیت المقدس) کی اتباع کرتے ہیں اور مشرکین کے یہ کہنے میں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ملت ابراہیمی کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں تمہارے ساتھ حجت بازی ختم ہو جائے، البتہ جو لوگ ان میں بے انصاف اور ظالم ہیں وہ اب بھی یہی کہیں گے کہ آپؐ نے (نماز میں کعبہ کی جانب رخ) اپنے آبائی دین کی طرف میلان کی وجہ سے کیا ہے، اور ''للناس'' میں استثناء متصل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آپؐ پر ظالم لوگوں کے علاوہ کسی کا کوئی اعتراض نہیں رہے گا۔

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

آیتِ مذکورہ میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو نماز میں ہر جگہ بیت اللہ کی جانب رخ کرنے کا حکم دیتے ہوئے تحویل قبلہ کی حکمت کو بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ تحویل قبلہ کی حکمت جو اللہ رب العزت نے اس آیت میں بیان کی ہے یہ ہے کہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کرنے کے بعد مسلمانوں پر سے یہود اور مشرکین دونوں کا اعتراض ختم ہو جائے گا، بایں طور کے یہود یہ کہتے تھے کہ توریت اور انجیل میں آخری نبی کی جو علامات مذکور ہیں ان میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو اپنا قبلہ مقرر کریں گے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دین میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر نمازیں ہمارے

قبلے بیت المقدس ہی کی جانب رخ کر کے پڑھتے ہیں پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ (نعوذ باللہ) نبی نہیں ہیں، اسی طرح مشرکین کا کہنا یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک طرف تو اپنے ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن دوسری جانب قبلہ میں یہود کی اتباع کرتے ہیں اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہیں تو پھر بیت اللہ کو اپنا قبلہ مقرر کریں۔

اللہ رب العزت نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہوں خواہ سفر میں ہو یا حضر میں نماز پڑھتے ہوئے اپنا رخ بیت اللہ کی جانب رکھو تا کہ تمہارے خلاف یہود اور مشرکین کی جانب سے ہونے والے مذکورہ اعتراضات اور کٹ حجتی ختم ہو جائے۔

واضح رہے کہ اللہ رب العزت نے یہاں بطور تاکید کے تحویل قبلہ کا یہ حکم مکرر ارشاد فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگرچہ تحویل قبلہ سے یہود مشرکین کی کٹ حجتی ختم ہو جائے گی لیکن پھر بھی ان میں جو لوگ بے انصاف اور ظالم ہیں وہ یہی کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ابائی دین کی جانب میلان کی وجہ سے بیت اللہ کو اپنا قبلہ مقرر کیا ہے پس تم ان کی اس بات پر دھیان مت دینا۔

جواب (ج)

''لئلا'' کا ''لام'' کس سے متعلق ہے؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کے جملہ ''لِئَلَّا یَکُونَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ'' میں ''لئلا'' کس کے متعلق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں ''لئلا یکون'' کی نفی کا تعلق ''الناس'' کے ہر فرد یہود اور مشرکین دونوں سے ہے۔ (تسہیل الجلالین ۱/۱۶۷)

''الناس'' اور ''حجة'' سے کیا مراد ہے؟:

ایک دوسرا سوال یہاں یہ ہوتا ہے کہ ''آیت میں ''الناس'' اور ''حجة'' سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''الناس'' سے مراد یہود اور مشرکین ہیں، اور ''حجة'' سے مراد قبلہ کے متعلق یہود اور مشرکین کا اعتراض ہے۔

واضح رہے کہ قبلہ کے متعلق یہود اور مشرکین کے اعتراض کی تفصیل تفسیر العبارة کے تحت

گذر چکی ہے اور مختصر اًدرج ذیل عنوان کے تحت بھی مذکور ہے۔

جواب (د)

مجادلہ میں یہود اور مشرکین کیا کہتے تھے؟:

واضح رہے کہ قبلہ کے متعلق اہل ایمان سے مجادلہ کرتے ہوئے یہود کا کہنا یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے اور آخری نبی نہیں ہیں اس لئے توریت اور انجیل میں نبی آخرالزماں کی یہ علامت بیان کی گئی ہے کہ ان کا قبلہ بیت اللہ ہوگا جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دین میں ہمارے مخالف ہونے کے باوجود ہمارے قبلے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نمازیں ادا کرتے ہیں پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے اور آخری نبی نہیں ہیں۔

اسی طرح مجادلہ میں مشرکین کا کہنا یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود کو ملتِ ابراہیمی کا متبع کہتے ہیں اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو پھر یہود کے قبلہ بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نمازیں کیوں پڑھتے ہیں انہیں چاہئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ کو اپنا قبلہ مقرر کریں اور اس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کریں۔

''الا الذین ظلموا'' میں استثناء متصل ہے یا منفصل ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ ''الا الذین ظلموا'' میں استثناء متصل ہے اس لئے کہ مستثنیٰ منہ بھی ظالمین ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ معاند ہیں وہ اس بات سے واقف ہونے کے باوجود کہ آخری نبی کا قبلہ بیت اللہ ہی ہوگا تحویل قبلہ کے اس عمل سے خوش نہیں ہوں گے بلکہ مخالفت اور عناد کی وجہ سے یہی کہیں گے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت اللہ کو قبلہ بنا کر اپنے آبائی دین کی جانب مائل ہوئے ہیں۔ (جمالین ۱/ ۶۲۵)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۳﴾

(إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ) أَيْ تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ وَأَصْلُهُمَا الْقَصْدُ وَالزِّيَارَةُ (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا) بِأَنْ يَسْعَى بَيْنَهُمَا سَبْعًا (وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) تفسیر تحریر کریں (د) سعی بین الصفا والمروۃ کے متعلق ائمہ کے مذاہب اور سعی کے چند مسائل تحریر کریں (ھ) لفظ ''یطوف'' کی اصل اور آیت کریمہ میں ''طواف'' سے کیا مراد ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ رب العزت کی نشانیاں ہیں پس جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا یعنی حج یا عمرہ کرنے کیلئے احرام باندھا اور حج اور عمرہ کے اصلی معنی قصد اور زیارت کرنے کے ہیں تو اس پر صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اس طرح کے وہ صفا اور مروہ کے مابین سات مرتبہ سعی کرے اور جو شخص از خود کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے عمل کی قدر فرماتے ہیں۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

یہ آیت کریمہ حج اور عمرہ کرنے والوں کیلئے سعی بین الصفا والمروۃ کے جواز کو ثابت کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے، آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ صفا اور مروہ مکہ مکرمہ کی دو پہاڑیاں ہیں حج اور عمرہ کے دوران ان دونوں کی سعی کی جاتی ہے یہ سعی زمانہ جاہلیت میں بھی ہوتی تھی لیکن اس

دور میں کفار نے صفا پر مردانہ صورت کا اور مروہ پر زنانہ صورت کا بت رکھ رکھا تھا کفار مردانہ بت کو اساف اور زنانہ بت کو نائلہ کہتے تھے اور صفا اور مروہ کی سعی کے دوران ان دونوں بتوں کو بوسہ دیتے اور ان کے سامنے سجدہ کیا کرتے تھے جب اسلام میں حج اور عمرہ کا حکم نازل ہوا تو مسلمانوں نے ان دونوں بتوں کی وجہ سے سعی بین الصفا والمروۃ کو ناگوار سمجھا اس وقت اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ کو نازل فرمایا اور اہل اسلام کے سامنے اس حکم کو واضح فرمایا کہ صفا اور مروہ اللہ رب العزت کی نشانیاں ہیں حج اور عمرہ کے دوران ان کے مابین سعی کرنا ضروری ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حج اور عمرہ کے ایک اہم رکن سعی بین الصفا والمروۃ کے حکم کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ صفا اور مروہ مکہ مکرمہ کی دو پہاڑیوں کے نام ہیں اور حج اور عمرہ کرنے والوں کیلئے ان دونوں پہاڑیوں کے مابین سعی کرنا ضروری ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں چونکہ ان دونوں پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے اس لئے اہل اسلام حج اور عمرہ کے دوران ان دونوں کی سعی کرنے کو گناہ سمجھتے تھے، اللہ رب العزت نے اس آیت کے ذریعہ اہل اسلام کے اس گمان کو ختم کیا ہے اور حج اور عمرہ کے مابین سعی بین الصفا والمروۃ کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

جواب (د)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سعی بین الصفا والمروۃ کے متعلق أئمہ کے مذاہب:

واضح رہے کہ حج اور عمرہ کے دوران صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب، امام شافعیؒ کے نزدیک فرض اور امام احمدؒ کے نزدیک مستحب ہے۔

صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنے کے چند اہم مسائل:

مسئلہ: صفا مروہ کی سعی طواف کے بغیر معتبر نہیں ہے، حج کی سعی طواف قدوم کے بعد بھی

ہوسکتی ہے اور طواف زیارت کے بعد بھی اور طواف زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہے، البتہ جس کا حج قران ہو اس کے لئے طواف قدوم کے بعد سعی کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: پہلے زمانہ میں صفا مروہ کے درمیان ایک جگہ نشیب تھا، حضرت اسمٰعیل کی والدہ وہاں سے دوڑ کر گزری تھیں اس لیے حج و عمرہ میں سعی کرنے والے بھی اس جگہ دوڑ کر گزرتے ہیں اب نشیب نہیں ہے زمین برابر ہموار ہے اوپر چھت پڑی ہوئی ہے اس جگہ کی نشانی کے لیے ہرے ستون بنا دیئے گئے ہیں ایک ہرے ستون سے دوسرے ہرے ستون تک دوڑ کر چلنا مسنون ہے۔

مسئلہ: سعی کے صرف سات چکر ہیں صفا سے مروہ تک ایک چکر اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر ہوتا ہے اسی طرح سات چکر پورے کئے جائیں، صفا سے شروع کر کے مروہ پر سعی ختم کی جائے۔

مسئلہ: سعی خود کرنا واجب ہے اس میں نیابت نہیں ہوسکتی، (اِلّا یہ کہ کوئی شخص احرام سے پہلے بیہوش ہو جائے تو دوسرا شخص اس کی طرف سے احرام باندھ لے اور مکہ معظّمہ پہنچ کر اس کی طرف سے طواف قدوم اور سعی کرے تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ اس سے پہلے اسے ہوش نہ آیا ہو۔

مسئلہ: سعی پیدل کرنا لازم ہے، اگر کسی نے بلا عذر سواری پر سعی کی اور پھر اعادہ نہیں کیا یعنی دوبارہ نہیں کی تو دم واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص سعی چھوڑ کر مکہ معظّمہ سے چلا گیا تو اس کی تلافی کے لیے ایک دم واجب ہوگا۔

مسئلہ: ہرے ستونوں کے درمیان تیزی سے چلنا صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں (کیونکہ ان کی طرف سے ان کی جنس کی ایک عورت یہ کام کر چکی اور اس سعی دوران دوڑنا انہیں کے عمل کی نقل ہے جو حج اور عمرہ کا جزو بنا دی گئی ہے)۔

جواب (ھ)

لفظ ''یطوف'' کی اصل اور آیتِ مذکورہ میں طواف کی مراد:

واضح رہے کہ لفظ ''یطوف'' اصل میں ''یتطوف'' ہے، اس میں ''تا'' کا ''طا'' میں ادغام

کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ ''یطوف'' پڑھا جاتا ہے، اور آیت کریمہ میں طواف سے مراد صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۳﴾

(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ) أَيْ غَيْرِه (أَنْدَادًا) أَصْنَامًا (يُحِبُّوْنَهُمْ) بِالتَّعْظِيمِ وَالْخُضُوعِ (كَحُبِّ اللّٰه) أَيْ كَحُبِّهِمْ لَهُ (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) مِنْ حُبِّهِمْ لِلْأَنْدَادِ لِأَنَّهُمْ لَا يَعْدِلُونَ عَنْهُ بِحَالٍ مَا وَالْكُفَّارُ يَعْدِلُونَ فِي الشِّدَّةِ إِلَى اللّٰه (وَلَوْ يَرَى) تُبْصِر يَا مُحَمَّد (الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا) بِاتِّخَاذِ الْأَنْدَاد (إِذْ يَرَوْنَ) بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُول يُبْصِرُونَ (الْعَذَاب) لَرَأَيْت أَمْرًا عَظِيمًا وَإِذْ بِمَعْنَى إِذَا (أَنَّ) أَيْ لِأَنَّ (الْقُوَّةَ) الْقُدْرَة وَالْغَلَبَة (لِلّٰهِ جَمِيعًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر مع فوائد تحریر کریں (ج) ''یتخذ'' کے دونوں مفعول ''یحبونهم'' کی دونوں ضمیروں کے مراجع اور ''اشد'' کے مفضل اور مفضل علیہ کو متعین کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور کچھ لوگ غیر اللہ یعنی بتوں کو اللہ رب العزت کا ہمسر ٹھیراتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسی عاجزی اور گرویدگی کا معاملہ کرتے ہیں جیسی اللہ رب العزت کے ساتھ کی جاتی ہے اور ایمان والے اللہ رب العزت کی محبت میں ان کے شرکاء کی محبت سے زیادہ سخت ہوتے ہیں، اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ ان لوگوں کی حالت کو جنہوں نے شریک ٹھیرایا ہے اس وقت دیکھیں جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو یقیناً آپ ایک امر عظیم کو دیکھیں گے ''یرون''

مفعول اور مجہول دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے، اور ''اذ''... ''اذا'' کے معنی میں ہے، بلا شبہ اللہ رب العزت پوری قوت اور غلبہ والے ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

قوله: ومن الناس من يتخذ من دون الله.......

اللہ رب العزت نے سابقہ آیات میں توحید اور اس کے دلائل بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کا بیان کیا ہے جنہوں نے توحید سے رخ موڑ کر کفر اور شرک کو اختیار کیا ہے اور مختلف بتوں کو اللہ رب العزت کا ہمسر بنا کر ان کے ساتھ محبت وعقیدت اور گرویدگی کا معاملہ روا رکھا ہے، یہ لوگ ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں، ان کے لیے نذریں مانتے اور جانور ذبح کرتے ہیں۔

صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کے اندر ''یحبونھم'' میں محبت سے تعظیم وفرمانبرداری مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور معبودان باطلہ کے درمیان برابری کرتے ہیں اور باطل معبودوں کی تعظیم اور اطاعت میں اسی طرح لگتے ہیں جیسا کہ معبود حقیقی کی عبادت اور اطاعت کرنا لازم ہے، واضح رہے کہ یہ لوگ چونکہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر سمجھتے ہیں اس لیے یہاں جمع کی ضمیر لائی گئی ہے جو عموماً عقلاء کیلئے استعمال ہوتی ہے۔

قوله: اندادا......

واضح رہے کہ ''اَنۡدَاداً'' سے بعض مفسرین نے قوم، قبیلے اور علاقہ کے بڑے لوگ مراد لیے ہیں اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بہت سے لوگ اپنے رؤساء کو ایسا مطاع مانتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے، لیکن صاحب جلالین کے نزدیک یہاں اس سے مراد اصنام یعنی بت ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کفار بتوں کے ساتھ اسی تعظیم کا معاملہ کرتے ہیں جیسی تعظیم اللہ رب العزت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

قوله: وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ....

اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی

اور مضبوط ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان کی جو محبت اللہ رب العزت کے ساتھ ہے وہ کامل اور راسخ ہے ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں آتی، وہ کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے مدد نہیں مانگتے اور غیر اللہ کی کبھی بھی عبادت نہیں کرتے ہیں، اس کے برخلاف بت پرستوں کی حالت یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں مثلاً جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ڈوبنے اور ڈگمگانے لگتے ہیں تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی سے نجات کا سوال کرتے ہیں۔

قوله: لَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا......

اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بتوں کو خدا کا ہمسر تجویز کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے جب وہ قیامت کے دن اللہ کا عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت جان لیں گے کہ ساری طاقت اور قوت اللہ ہی کے لیے ہے، اس موقع پر ان کو بہت زیادہ ندامت، پشیمانی اور شرمندگی ہوگی لیکن اس ندامت اور شرمندگی سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے، اور اس تفسیر کی بناء پر جواب محذوف ہے "قال البیضاوی لو یعلمون أن القدرة لله جمیعا اذا عاینوا العذاب لندموا اشد الندم"۔

اس کے برخلاف مفسر ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر اس طرح سے کی ہے کہ اگر وہ اس عذاب کو جان لیں جسے وہ قیامت کے دن دیکھیں گے جو ان کو ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ان کو دیا جائے گا تو آج ہی اس دنیا میں اپنے کفر سے باز آجائیں۔ (انوار البیان ۱/ ۲۲۷ تا ۲۲۸)

فوائد تفسیر:

قوله: غیره....

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ "ومن یتخذ من دون اللہ" میں "دون" کی تفسیر "غیر" سے کی ہے، اس سے مفسرؒ نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے "دون" اور "غیر" دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور یہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں۔

قولہ: بالتعظیم والخشوع....

اس عبارت سے مفسرؒ نے بتوں کے ساتھ کفار کے محبت کرنے کے معنی کو بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں بتوں کے ساتھ کفار کے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بتوں کے ساتھ تعظیم اور گرویدگی کا معاملہ کرتے ہیں۔

قولہ: کحبھم لہ....

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے بتوں کے ساتھ کفار کے محبت کرنے کی کیفیت کو بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کفار بتوں کے ساتھ ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ کے ساتھ کی جاتی ہے، جلالین شریف کے محشیؒ فرماتے ہیں اس جملہ کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفار بتوں کے ساتھ ایسی محبت کرتے ہیں جیسی مؤمنین اللہ رب العزت کے ساتھ کرتے ہیں، بہرحال ہر دو معنی کے اعتبار سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے اس جملہ سے بتوں کے ساتھ کفار کی محبت کرنے کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

قولہ: من حبھم للانداد.....

اس جملہ سے مفسر علامؒ نے اللہ کے ساتھ مؤمنین کی محبت کو بیان کیا ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کفار بھی بتوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور مؤمنین بھی اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کرتے ہیں لیکن مؤمنین کا اللہ رب العزت سے محبت کرنا کفار کے بتوں سے محبت کرنے کے مقابلہ میں زیادہ ہے، کفار کی محبت باطل اور فضول ہے جبکہ مؤمنین کی محبت حقیقی اور پائدار ہے۔

قولہ: تبصر....

مفسر علامؒ نے ''یری'' کی تفسیر ''تبصر'' سے کی ہے، اس تفسیر سے مفسرؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے یہاں ''یری'' سے رویت بصری مراد ہے رویت قلبی مراد نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رویت قلبی کیلئے دو مفعولوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں دو مفعول موجود نہیں ہیں۔

قولہ: لرأیت امرا عظیماً....

مفسر کا یہ جملہ باری تعالیٰ کے ارشاد ''ولو تری'' کا جواب ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

قولہ:اذ بمعنی اذا....

یہاں سے مفسرؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے،سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ''اذ''ظرف ماضی کیلئے استعمال ہوتا ہے اورعذاب کی رویت کا واقعہ مستقبل میں واقع ہوگا اور مستقبل کیلئے''اذا''کا استعمال ہوتا ہے تو پھر یہاں''اذ''کا استعمال کیوں کیا گیا ہے؟مفسر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں جناب!یہاں''اذ''...''اذا''ہی کے معنی میں ہے اور''اذا''ہی کے معنیٰ کو بیان کرنے کیلئے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

قولہ:أی لان....

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے اس طرف اشارہ کیا ہے یہ''اَنّ''باری تعالیٰ کے ارشاد''ولو تریٰ''کے جواب''لرأیت امرا عظیماً''کی علت ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کفار کے عذاب کو دیکھنے کے وقت امر عظیم اس لئے دیکھیں گے کہ تمام کی تمام قوت اور طاقت اللہ رب العزت ہی کو حاصل ہیں۔

جواب(ج)

''یتخذ''کے دونوں مفعول''یحبونھم''کی دونوں ضمیروں کے مراجع اور''اشد''کے مفضل اور مفضل علیہ کی تعیین:

واضح رہے کہ''یتخذ''کے دو مفعول ہیں،مفعول اول''من دون اللّٰہ''ہے اور مفعول ثانی''انداً''ہے،اور''یحبونھم''میں''ہ''ضمیر کا مرجع مشرکین اور''ھم''ضمیر کا مرجع اصنام ہے،اور''اشد''کا مفضل مؤمنین اور مفضل علیہ مشرکین ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال۳۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ۲۳﴾

(وَلَوْ يَرَى) تُبْصِر يَا مُحَمَّد (الَّذِينَ ظَلَمُوْا) بِاتِّخَاذِ الْأَنْدَاد (إِذْ يَرَوْنَ) بِالْبِنَاءِ

لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُول يُبْصِرُونَ (الْعَذَاب) لَرَأَيْت أَمْرًا عَظِيمًا وَإِذْ بِمَعْنَى إِذَا (أَنَّ) أَيْ لِأَنَّ (الْقُوَّة) الْقُدْرَة وَالْغَلَبَة (لِلّٰهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللّٰه شَدِيدُ الْعَذَاب) وَفِي قِرَاءَة يَرَى بالتحتانية وَالْفَاعِل ضَمِير السَّامِع وَقِيلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا فَهِيَ بِمَعْنَى يَعْلَم وَأَنَّ وَمَا بَعْدهَا سَدَّتْ مَسَدّ الْمَفْعُولَيْنِ وَجَوَاب لَوْ مَحْذُوف۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تفسیر تحریر کریں (ج) آیت کریمہ میں "جـــمـــیـــعـــاً" کے منصوب ہونے وجہ تحریر کریں (د) "وان ومابعدھا..... الخ..." سے مفسرؒ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ ان لوگوں کی حالت کو جنہوں نے شریک ٹھیرایا ہے اس وقت دیکھیں جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو یقیناً آپ ایک امر عظیم کو دیکھیں گے "یرون.... یبصرون" کے معنی میں ہے اور مفعول اور مجہول دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے، اور "اذ" ... "اذا" کے معنی میں ہے، بلاشبہ اللہ رب العزت پوری قوت اور غلبہ والے ہیں اور اللہ سخت عذاب والا ہے، اور ایک قراءت میں "یَرَیٰ" تحتانیہ کے ساتھ ہے اور کہا گیا ہے کہ "یریٰ" کا فاعل مخاطب کی ضمیر ہے اور کہا گیا ہے کہ "الذِینَ ظَلَمُوْا" ہے اور "یَرَیٰ... یعلمُ" کے معنی میں ہے ،اور "أَنَّ" اور اس کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور "لَوْ" کا جواب محذوف ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں ان لوگوں کی اخروی حالت بیان کی گئی ہے جو دنیا میں کفر اختیار کرتے ہیں، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبیؐ! جن لوگوں نے بتوں کو خدا کا ہمسر تجویز کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے جب وہ قیامت کے دن اللہ کا عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت جان لیں گے کہ ساری طاقت اور قوت اللہ ہی کے لیے ہے، اس موقع پر ان کو بہت زیادہ ندامت، پشیمانی اور

شرمندگی ہوگی لیکن اس ندامت اور شرمندگی سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔
واضح رہے کہ یہ آیت کی ایک تفسیر ہے، اور اس تفسیر کی بناء پر جواب محذوف ہے "قال البیضاوی لو یعلمون أن القدرة للّٰہ جمیعا اذا عاینوا العذاب لندموا اشد الندم"۔
اس کے برخلاف مفسر ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر اس طرح سے کی ہے کہ اگر وہ اس سخت عذاب کو جو انہیں قیامت کے دن ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے دیا جائے گا جان لیں تو آج ہی اس دنیا میں اپنے کفر سے باز آجائیں۔ (انوار البیان ۱/ ۲۲۷ تا ۲۲۸)

فوائد تفسیر:

قوله: تبصر....

مفسر علامؒ نے "تری" کی تفسیر "تبصر" سے کی ہے، اس تفسیر سے مفسرؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے یہاں "تری" سے رویت بصری مراد ہے رویت قلبی مراد نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رویت قلبی کیلئے دو مفعولوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں دو مفعول موجود نہیں ہیں۔

قوله: لرأیت امرا عظیماً....

مفسر کا یہ جملہ باری تعالیٰ کے ارشاد "ولو تریٰ" کا جواب ہے۔

قوله: اذ بمعنی اذا....

یہاں سے مفسرؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "اذ" ظرف ماضی کیلئے استعمال ہوتا ہے اور عذاب کی رویت کا واقعہ مستقبل میں واقع ہوگا اور مستقبل کیلئے "اذا" کا استعمال ہوتا ہے تو پھر یہاں "اذ" کا استعمال کیوں کیا گیا ہے؟ مفسر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں جناب! یہاں "اذ".... "اذا" ہی کے معنی میں ہے اور "اذا" ہی معنی کو بیان کرنے کیلئے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

قوله: أی لان....

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے اس طرف اشارہ کیا ہے یہ "أنّ" باری تعالیٰ کے ارشاد "ولو تریٰ" کے جواب "لرأیت امرا عظیماً" کی علت ہے اور مطلب یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام کفار کے عذاب کو دیکھنے کے وقت امر عظیم اس لئے دیکھیں گے کہ تمام کی تمام قوت اور طاقت اللہ رب العزت ہی کو حاصل ہیں۔

قوله: وَفِي قِرَاءة يَرَى بالتحتانية......

اس جملہ سے مفسرؒ نے ''تـری'' کی قرأت کو بیان کیا ہے، مفسرؒ فرمارہے ہیں کہ ایک قرأت میں ''تـری'' یا کے ساتھ ''یـری'' وارد ہوا ہے، واضح رہے کہ ہمارے دیار میں یہی ''یـری'' والی قرأت معروف ہے۔

قوله: و الفاعل فيه.....

مفسرؒ نے یہاں سے ''یری'' کے فاعل کی وضاحت کی ہے ''یری'' کا فاعل کیا ہے اس میں اختلاف ہے بعض نے اس کا فاعل ضمیر سامع کو اور بعض نے ''الذين ظلموا'' کو قرار دیا ہے۔

قوله: فهي بمعنى يعلم....

مفسرؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور ''یری..... یعلم'' کے معنی میں ہے، واضح رہے کہ یہاں ''یری'' کو ''یـعـلم'' کے معنی میں اس لئے لیا گیا ہے ظالموں کا اللہ رب العزت کے عذاب کی شدت دنیا میں کھلی آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ عذاب کا تحقق آخرت میں ہوگا پس یہاں اس سے رویت قلبی مراد ہے جیسا کہ سابق میں گذار چکا ہے اس لئے کسی بھی طرح کے اعتراض سے بچنے کیلئے یہاں ''یری'' کو ''یعلم'' کے معنی میں لے لیا گیا ہے۔

(جمالین ۱/۲۷۷)

قوله: وان ومابعدها.....

اس کی تفصیل آگے جزئیہ کے تحت مذکور ہے۔

قوله: وجواب لو محذوف.....

مفسرؒ کے اس قول کا حاصل یہ ہے کہ اگر ''یری'' کا فاعل ''الذين ظلموا'' کو قرار دیا جائے تو ''یری'' سے پہلے موجود ''لو'' کا جواب محذوف ہوگا اور تقدیری عبارت یہ ہوگی ''لَوْ عَلِمُوا فِي الدُّنيا شِدَّةَ عَذَابَ اللَّه وَأَنَّ الْقُدْرَةَ لِلَّهِ وَحده وَقْت مُعَايَنَتهمْ لَهُ وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة

لَمَّا اتَّخَذُوا مِنْ دُونه أَنْدَادًا '' اگر یہ ظالم دنیا ہی میں جان لیتے کہ اللہ رب العزت کا عذاب کتنا شدید ہوگا اور قیامت کے دین ان کے عذاب کو دیکھنے کے وقت تمام تر قدرت اللہ رب العزت ہی کیلئے ہوگی تو یہ ہرگز کسی کو اللہ رب العزت کا ہمسر نہیں ٹھیراتے۔ (تسہیل الجلالین ۱/۱۸۲)

جواب (ج)

آیت کریمہ میں ''جمیعاً'' کے منصوب ہونے کی وجہ:

واضح رہے کہ آیت میں لفظ ''جمیعاً'' منصوب ہے اس کے منصوب ہونے وجہ یہ ہے کہ یہ ترکیب میں کائنۃ کے متعلق ہوکر حال واقع ہے اور محشیؒ کے بقول مکمل عبارت ''ان القوة کائنة لله جمیعاً'' ہے۔

جواب (د)

''وان ومابعدها .....الخ....'' سے مفسرؒ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے اپنی عبارت ''وان ومابعدها .....الخ....'' سے ایک اعتراض کو دور کیا ہے یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر ''یری'' کو ''یعلم'' کے معنی میں لیا جائے تو یہ افعال قلوب میں سے ہوگا اور افعال قلوب کیلئے دو مفعولوں کا ہونا ضروری ہے اور یہاں دو مفعول موجود نہیں ہیں، مفسرؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں جناب! ''یری'' بمعنیٰ ''یعلم'' کیلئے دو مفعول بایں طور موجود ہیں کہ ''ان'' اور اس کے مابعد کا مکمل جملہ یعنیٰ ''ان القوة لله جمیعاً وان الله شدید العذاب'' معطوف اور معطوف علیہ سے ملکر دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں اور یہ جملہ مفعول ہے اسی لئے اس میں ''ان'' بالفتح آیا ہے۔ (تسہیل الجلالین ۱/۱۸۲)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴﴾

(إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ) أَيْ أَكْلَهَا إِذْ الْكَلَام فِيهِ وَكَذَا مَا بَعْدَهَا وَهِيَ مَا لَم يذك شرعا وألحق به بالسُّنَّةِ مَا أُبِينَ مِنْ حَيّ وَخصَّ مِنْهَا السَّمك وَالْجَرَاد (وَالدَّمَ)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

أَیُ الْمَسْفُوح كَمَا فِی الْأَنْعَام (وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ) خَصَّ اللَّحم لِأَنَّهُ مُعْظَم الْمَقْصُود وَغَيْرَه تَبع لَهُ (وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) أَیْ ذُبِحَ عَلَى اسْم غَيْرِه۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ''المیة'' کے بعد ''اکلھا'' اور ''الدم'' کے بعد ''المسفوح'' تحریر کرنے وجہ تحریر کریں (ج) ''موت'' اور ''ذکاۃ'' کے لغوی اور شرعی معنی تحریر کریں (د) جو جانور غیر اللہ کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں اگر ان کا مالک از خود ''بسم اللہ ... الخ....'' پڑھ کر ان کو ذبح کر دے تو کیا وہ ''ماأھل به لغیر الله'' کا مصداق ہوں گے یا نہیں؟ سوچ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور تم پر مردار کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے (اور یہاں مردار کی حرمت اس لئے بیان کی گئی ہیکہ) بات اسی کے کھانے کے متعلق چل رہی ہے اور اسی طرح اس کے مابعد بیان کردہ چیزوں کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے، اور مردار اس کو کہتے ہیں جو شرعی طریقہ سے ذبح نہیں کیا جاتا اور اسی لئے بحکم حدیث مردار میں گوشت کا وہ ٹکڑا بھی داخل ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا جاتا ہے البتہ مچھلی اور ٹڈی کو مردار سے مستثنیٰ کر لیا گیا ہے یعنی یہ مردار ہونے کی صورت میں بھی حلال ہیں) اور بہتا ہوا خون (حرام کر دیا گیا ہے) جیسا کہ سورۂ انعام میں مذکور ہے اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے اور (حرمت کے لئے) گوشت کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ (کھانے) میں مقصود اعظم یہی ہوتا ہے دوسری چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں، اور وہ جانور بھی جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا حرام کر دیا گیا ہے۔

جواب (ب)

''المیة'' کے بعد ''اکلھا'' اور ''الدم'' کے بعد ''المسفوح'' تحریر کرنے وجہ؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''المیة'' کے

بعد ''اکلھا'' اور ''الدم'' کے بعد ''المسفوح'' کا اضافہ کیا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے آخر اس اضافہ کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''المیتة'' کے بعد ''اکلھا'' کا اضافہ اس بات کو بیان کرنے کیلئے کیا گیا ہے کہ حرمت کا تعلق نفس میتہ سے نہیں ہے بلکہ اکل میتہ سے ہے اور اہل ایمان کیلئے مردار کا کھانا حرام ہے۔ (حاشیۃ جلالین شریف ۱/۲۴)

اور ''الدم'' کے بعد ''المسفوح'' کا اضافہ یہ بات ظاہر کرنے کیلئے کیا ہے کہ حرمت صرف دم مسفوح میں ہے دم جامد جس کو کلیجی اور جگر کہا جاتا ہے اس کا کھانا حلال ہے۔

جواب (ج)

''موت'' اور ''ذکاۃ'' کے لغوی اور شرعی معنی:

موت کے لغوی معنی ویران ہونے، مرنے اور کسی چیز کے برباد ہونے کے آتے ہیں اور اصطلاح شرع میں موت انسانی روح کے بدن کے ساتھ موجود تعلق کے ختم ہونے کو کہتے ہیں۔

اور ''ذکاۃ'' لغت میں مطلقاً کسی چیز کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں ''ذکاۃ'' بحالت اختیاری جانور کے خلق اور لبہ کے مابین اور بحالت اضطراری جانور کے بدن میں کسی بھی جگہ زخم کر کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔ (قواعد الفقہ ۲۹۹)

جواب (د)

غیر اللہ کے نام چھوڑا گیا جانور اگر خود مالک ذبح کرے تو کیا حکم ہے؟:

واضح رہے کہ جو جانور غیر اللہ کے نام چھوڑے جاتے ہیں یہ جانور ''ما اھل اللّٰہ بہ لغیر اللہ'' میں داخل نہیں ہیں اور نہ یہ اپنے مالک کی ملکیت سے خارج ہوتے ہیں پس اگر ایسے کسی جانور کو اس کا مالک ''بسم اللہ'' پڑھ کر ذبح کر دے تو یہ جانور ''ما اھل اللّٰہ بہ لغیر اللہ'' کی حرمت میں داخل نہیں ہوگا اور اس کا کھانا جائز ہوگا۔ (جمالین ۱/۲۸۹..۲۹۰)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴﴾

(إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ) خَصَّ اللَّحم لِأَنَّهُ مُعظَم المَقصُود وَغيره تبع لَهُ (وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ) أَيْ ذُبِحَ عَلَى اسم غيره وَالْإِهلال رَفع الصَّوت وَكَانُوا يَرفَعُونَهُ عِند الذَّبح لِآلِهَتِهِمْ (فَمَنِ اضْطُرَّ) أَيْ أَلجَأَتُهُ الضَّرُورَة إِلَى أَكْل شَيْء مِمَّا ذُكِرَ فَأَكَلَهُ (غَيْرَ بَاغٍ) خارِج عَلَى الْمُسْلِمِينَ (وَلَا عَادٍ) مُتعَدٍّ عَلَيْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِيق (فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ) فِي أَكله (إِنَّ اللهَ غَفُورٌ) لِأَوْلِيَائِهِ (رَّحِيمٌ) بِأَهلِ طَاعَته حَيْثُ وَسَّعَ لَهُمْ فِي ذٰلِكَ وَخَرَجَ الْبَاغِي وَالْعَادِي وَيُلْحَق بِهِمَا كُلّ عَاصٍ بِسَفَرِهِ كَالْآبِقِ وَالْمَكَّاس فَلَا يَحِلّ لَهُمْ أَكْل شَيْء مِنْ ذٰلِكَ مَا لَمْ يَتُوبُوا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيّ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسر علامؒ نے امام شافعیؒ کا جو مذہب تحریر کیا ہے اور اس کی وضاحت کریں (د) احناف اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں تحریر کریں (ہ) خط کشیدہ الفاظ کے ابواب اور صیغہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تم پر مردار، دم (مسفوح) اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے اور (حرمت کے لئے) گوشت کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ (کھانے) میں مقصود اعظم یہی ہوتا ہے، دوسری چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں، اور وہ جانور بھی جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا حرام کر دیا گیا ہے، پس اگر کوئی شخص جبکہ وہ باغی نہ ہو یعنی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ رہزنی کرنے والا ہو ان چیزوں کے کھانے پر مجبور ہو جائے تو اس کیلئے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ دوستوں کو بخشنے والا اور اطاعت گزاروں پر مہربان ہے، اس طرح کے اس نے (حرمت کے) مذکورہ معاملہ میں وسعت عطاء کی ہے، اور باغی اور ظالم (وسعت کے) اس حکم سے خارج

ہیں اور باغی اور ظالم کے ساتھ ہر وہ شخص جو معصیت کا سفر کر رہا ہو شامل ہے، جیسے بھاگا ہوا غلام، اور ظالمانہ طور پر مال وصول کرنے والا، ایسے لوگوں کے لئے جب تک یہ توبہ نہ کرلیں مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا حلال نہیں ہے، اور یہی امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مردہ جانور، خون، خنزیر اور ما اہل لغیر اللہ کا گوشت کھانے کی حرمت بیان کی ہے، اہل عرب کا دستور یہ تھا کہ وہ جس طرح بہت سی حلال چیزیں استعمال کرتے تھے اسی طرح مردہ جانور، خون، خنزیر اور ما اہل لغیر اللہ کا گوشت بھی کھالیا کرتے تھے، اللہ رب العزت نے ان کے اس طرز عمل کی اصلاح کیلئے آیت مذکورہ نازل فرمائی اور مذکورہ چیزوں کو عام حالات میں قیامت تک کیلئے حرام فرمادیا، اب ان چیزوں کا استعمال رہتی دنیا تک ہر انسان اور بالخصوص اہل ایمان کیلئے جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو شدید بھوک سے دوچار ہو اور اس کی جان پر بن رہی ہو اور حلال چیزوں میں سے اس کے پاس کھانے کیلئے کچھ بھی موجود نہ اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کا باغی یا ڈاکو بھی نہ ہو تو وہ مجبوری کی اس حالت میں ان حرام چیزوں کو اپنی جان بچانے کے لیے کھا سکتا ہے، لیکن اس کو بھی صرف اتنا ہی کھانا جائز ہے جس سے اس کی جان بچ جائے، اور اگر یہ بھی اس مقدار سے زیادہ ان ممنوعہ چیزوں کو استعمال کرے گا تو عند اللہ گنہگار ہوگا۔

جواب (ج)

مذکورہ چیزوں کے متعلق امام شافعیؒ کا مذہب:

آیت میں مذکور حرام کردہ چیزیں جن لوگوں کیلئے استعمال کرنا بہرصورت حرام ہے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ان میں لوگوں میں معصیت کے سفر کا راہی بھی داخل ہے، پس اگر کوئی بھاگا غلام، یا ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا کسی وقت ان چیزوں کے کھانے پر مجبور ہو جائے تو حضرت امام شافعیؒ کے اس کیلئے ان چیزوں کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ حضرت امام شافعیؒ اپنے مذہب پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں مجبوری کی حالت میں مذکورہ چیزوں کا استعمال کرنا اللہ رب العزت کی جانب سے رخصت ہے اور معصیت کا سفر کرنے والا عاصی ہونے کی وجہ سے اس رخصت کا حقدار نہیں ہے۔

جواب (د)

احناف اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر بیان کی ہے یہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے اعتبار سے ہے جبکہ احناف اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ باغی اور سفر معصیت کا مسافر ہی کیوں نہ ہو اگر حالت اضطرار کو پہنچ جاتا ہے تو اس کیلئے بقدر ضرورت مذکورہ ممنوع چیزیں استعمال کرنا جائز ہے۔

جواب (ھ)

خط کشیدہ الفاظ کے ابواب اور صیغہ:

''حرَّم'' یہ باب تفعیل سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، بمعنی کسی چیز کو حرام کرنا۔

''خصَّ'' یہ باب نصر سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، بمعنی کسی چیز کو خاص کرنا۔

''اھل'' یہ ''اھلال'' سے مشتق ہے اس کے لغوی معنی چاند دیکھنے اور شور بلند کرنے کے آتے ہیں کے آتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب جانور کو بطور عبادت بت کے نام قربان کرتے تھے تو با آواز بلند اس بت کا نام لیتے تھے اور یہ عمل اتنی کثرت کے ساتھ کرتے تھے کہ یہ لفظ مجازاً بت کے نام جانور قربان کرنے کے معنی ہی میں استعمال ہونے لگا۔

''اضطر'' یہ باب افتعال سے واحد مذکر غائب کا صیغۂ مجہول ہے، بمعنی مجبور ہو جانا۔

''باغ'' یہ باب ضرب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے دو مصدر آتے ہیں (۱)....''بغیاً'' (۲)....''بغاوۃ''..... پہلے مصدر سے اس کے دو معنی آتے ہیں (۱) کسی چیز کا خواہش مند ہونا (۲) ظالم ہونا اور دوسرے مصدر سے اس کے معنی آتے ہیں کسی کا باغی ہونا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

''عاد'' یہ باب نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، یہ اصل میں ''عادیٌ'' تھا ''ی'' پر ضمہ دشوار تھا اس لئے ''ی'' کو حذف کر دیا گیا اس طرح یہ ''عاد'' ہو گیا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴﴾

(**إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ**) أَيْ أَكْلَهَا إِذِ الْكَلَامُ فِيهِ وَكَذَا مَا بَعْدَهَا وَهِيَ مَا لَمْ يُذَكَّ شَرْعًا وَأُلْحِقَ بِهِ بِالسُّنَّةِ مَا أُبِينَ مِنْ حَيٍّ وَخُصَّ مِنْهَا السَّمَكُ وَالْجَرَادُ (**وَالدَّمَ**) أَيِ الْمَسْفُوحَ كَمَا فِي الْأَنْعَامِ (**وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ**) خُصَّ اللَّحْمُ لِأَنَّهُ مُعْظَمُ الْمَقْصُودِ وَغَيْرُهُ تَبَعٌ لَهُ (**وَمَآ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ**) أَيْ ذُبِحَ عَلَى اسْمِ غَيْرِهِ وَالْإِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوا يَرْفَعُونَهُ عِنْدَ الذَّبْحِ لِآلِهَتِهِمْ (**فَمَنِ اضْطُرَّ**) أَيْ أَلْجَأَتْهُ الضَّرُورَةُ إِلَى أَكْلِ شَيْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَأَكَلَهُ (**غَيْرَ بَاغٍ**) خَارِجٍ عَلَى الْمُسْلِمِينَ (**وَلَا عَادٍ**) مُتَعَدٍّ عَلَيْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِيقِ (**فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ**) فِي أَكْلِهِ (**إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تفسیر تحریر کریں (ج) آیت کریمہ سے مستنبط احکام شرعیہ نمبر وار تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تم پر مردار کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے (اور یہاں مردار کی حرمت اس لئے بیان کی گئی ہے کہ) بات اسی کے کھانے کے متعلق چل رہی ہے اور اسی طرح اس کے مابعد بیان کردہ چیزوں کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے، اور مردار اس کو کہتے ہیں جو شرعی طریقہ سے ذبح نہیں کیا جاتا اور اسی لئے بحکم حدیث مردار میں گوشت کا وہ ٹکڑا بھی داخل ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا جاتا ہے

البتہ مچھلی اور ٹڈی کو مردار سے مستثنی کر لیا گیا ہے یہ دونوں مردار ہونے کی صورت میں بھی حلال ہیں) اور بہتا ہوا خون (حرام کر دیا گیا ہے) جیسا کہ سورۂ انعام میں مذکور ہے اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے اور (حرمت کے لئے) گوشت کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ (کھانے) میں مقصود اعظم یہی ہوتا ہے دوسری چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں، اور وہ جانور بھی جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو حرام کر دیا گیا ہے "اھلال" آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں، اور مشرکین ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے نام بآواز بلند پکارتے تھے، پس اگر کوئی مجبور ہو جائے یعنی ضرورت نے اس کو مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز کھانے پر مجبور کر دے اس حال میں کہ وہ باغی نہ ہو یعنی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ رہزنی وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والا ہو، تو ایسے شخص کے لئے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ رب العزت بخشنے والے مہربان ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے مردہ جانور، خون، خنزیر اور ما اہل لغیر اللہ کے کھانے کی حرمت کو بیان کیا ہے، مشرکین عرب میں ان چیزوں کے کھانے کا عام رواج تھا، اسلام کی آمد کے بعد اللہ رب العزت نے مسلمانوں کیلئے ان چیزوں کے استعمال کو حرام قرار دیدیا اور قیامت تک کیلئے یہ حکم نازل کر دیا کہ تمہارے لئے مردار جانور، دم مسفوح، خنزیر اور ہر وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو حرام ہے۔

فوائد تفسیر:

قولہ: اکلھا.....

اس جملہ سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں مذکور حرمت کا تعلق اعیان اور ذوات سے نہیں ہے۔

قوله: اذالکلام فیه و کذا مابعدها.....

مفسرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام کیلئے مردار کا کھانا حرام ہے اسی طرح آیت کریمہ میں آگے جتنی چیزیں بیان کی گئی ہیں یعنی دم مسفوح، خنزیر اور ما اہل لغیر اللہ یہ بھی حرام ہیں اور ان کا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

قوله: وهی ماتذک شرعاً.....

اس جملہ سے مفسرؒ نے مردار کی تعریف کی ہے، مفسرؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ جانور جو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا جائے مردار ہے، اس کا کھانا بھی طبعی موت مرنے والے جانور کے کھانے کی طرح حرام ہے۔

قوله: والحق بها بالسنة.....

اس جملہ سے مفسر علامؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مردار کا کھانا تو حرام ہے لیکن کیا کسی زندہ جانور سے کاٹے ہوئے حصہ کا کھانا بھی حرام ہے؟ تو مفسرؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں جی ہاں کسی زندہ جانور سے کاٹے ہوئے حصہ کا کھانا بھی حرام ہے اور احادیث میں اس کی حرمت وارد ہوئی ہے اور یہ بھی مردار ہی میں شمار ہوتا ہے۔

قوله: وخص منه السمک والجراد.....

اس جملہ سے بھی مفسرؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے مطلقاً مردار کی حرمت کو بیان کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کیلئے ہر طرح کا مردار حرام ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہاں مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں حالانکہ یہ دونوں بھی غیر مذبوح ہوتی ہیں پس یہ بھی مردار ہیں تو پھر ان کا کھانا کس طرح حلال ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو آیت کریمہ میں مذکور مردار کی حرمت سے حدیث مشہور "احلت لنا میتتان السمک والجراد" کی وجہ سے خاص کر لیا گیا ہے۔

قوله: الدم ای المسفوح......

مفسرؒ نے اس جملہ سے بات کو واضح کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اگرچہ مطلق دم کی حرمت

مذکور ہے، لیکن مراد دم مسفوح ہے جیسا کہ سورۂ انعام میں اس کی صراحت ہے۔

قوله: خص اللحم لانه معظم المقصود.....

اس جملہ سے مفسرؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ خنزیر تو نجس العین ہے پھر اللہ رب العزت نے اس کی حرمت کو بیان کرتے ہوئے خاص لحم کا ذکر کیوں کیا ہے؟ مفسرؒ اس جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ خنزیر نجس العین ہے لیکن آیت میں خاص لحم کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اصل مقصود گوشت ہی ہوتا ہے اور باقی چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں۔

قوله: ای ذبح علی اسم غیره تعالیٰ والاهلال.....

اس جملہ سے مفسرؒ نے ما اہل لغیر اللہ کی وضاحت کی ہے، مفسرؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ''ما اهل لغیر الله'' سے مراد وہ جانور ہے جو اللہ رب العزت کے سوا بطور تقرب کسی اور کے نام پر ذبح کیا جائے، واضح رہے کہ ''اُهِـلَّ'' کے لغوی معنی آواز بلند کرنے اور شور کرنے کے آتے ہیں مشرکین عرب میں عام دستور یہ تھا کہ جب وہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے تو بلند آواز سے بت کا نام لیا کرتے تھے پھر بعد میں یہ جملہ مجازاً ذبح کیلئے استعمال کیا جانے لگا اور آیت مذکورہ میں ذبح ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قوله: ای الجأته الضرورة الی کل شئی.....

اس جملہ سے مفسرؒ نے ارشاد باری'' فمن اضطر '' کی تفسیر کی ہے، حاصل تفسیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انتہائی مجبور ہو جائے اور مذکورہ حرام چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز اس کو کھانے کیلئے نہ ملے اور نہ کھانے کی صورت میں موت کا ہونا یقینی ہو اور وہ مجبوراً بقدر ضرورت ان چیزوں کو کھالے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

قوله: خارج علی المسلمین......

مفسرؒ نے اس جملہ سے لفظ ''باغ'' کی تفسیر کی ہے، واضح رہے کہ ''باغ.... بغی علیه'' سے مشتق ہے، باغی اہل اسلام کے خلاف خروج کرنے والے اور جنگ کرنے والے کو کہتے ہیں، پس اگر کوئی شخص باغی ہے اور ان حرام کردہ چیزوں کے کھانے پر مجبور ہو جائے تو وہ ''فمن اضطر''

کے حکم میں داخل نہیں ہے۔

قولہ: ولا عاد... متعد علیهم بقطع الطریق.....

مفسرؒ نے اس جملہ سے ''ولا عاد'' کی تفسیر کی ہے، مفسرؒ فرماتے ہیں (جس طرح اہل اسلام کے خلاف خروج کرنے والا ''فمن اضطر'' کے حکم میں داخل نہیں ہے اسی طرح) وہ شخص جو قاطع الطریق ہو مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کرتا ہو وہ بھی اس حکم میں داخل نہیں ہے۔

جواب (ج)

آیت کریمہ سے مستنبط احکام شرعیہ:

واضح رہے کہ اس آیت کریمہ سے چار مسائل مستنبط ہوتے ہیں (۱) مردار کا کھانا حرام ہے (۲) دم مسفوح یعنی بہنے والے خون کا استعمال حرام ہے (۳) خنزیر کا استعمال کرنا حرام ہے (۴) غیر اللہ کے نام ذبح ہونے والے جانوروں کا کھانا حرام ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۵﴾

(**یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ**) فُرِضَ (**عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ**) الْمُمَاثَلَةُ (**فِی الْقَتْلٰی**) وَصْفًا وَفِعْلًا (**اَلْحُرُّ**) یُقْتَلُ (**بِالْحُرِّ**) وَلَا یُقْتَلُ بِالْعَبْدِ (**وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی**) وَبَیَّنَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الذَّکَرَ یُقْتَلُ بِهَا وَأَنَّهُ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِی الدِّیْنِ فَلَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ وَلَوْ عَبْدًا بِکَافِرٍ وَلَوْ حُرًّا (**فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ**) وَفِی ذِکْرِ أَخِیْهِ تَعَطُّفٌ دَاعٍ إِلَی الْعَفْوِ وَمَنْ مُبْتَدَأٌ شَرْطِیَّةٌ أَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَالْخَبَرُ (**فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ**)۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) عبارت مذکورہ کی تفسیر مع فوائد تحریر کریں (د) ''من مبتدأ شرطیة وموصولة'' سے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مفسرؒ نے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں (ھ) ''فلا یقتل مسلم... الخ...'' سے مفسرؒ نے کس امام کا مسلک بیان کیا ہے؟ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں مدلل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں فعل اور وصف دونوں اعتبار سے مماثلت اختیار کرنا فرض کیا گیا ہے لہذا آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کیا جائے البتہ غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہ کیا جائے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کر دیا جائے، اور (قصاص میں) مماثلت کا اعتبار دین کے اعتبار سے کیا جائے گا، لہذا مسلمان اگرچہ غلام ہی کیوں نہ ہو کسی کافر غلام یا آزاد شخص کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، پس جس (قاتل) کیلئے اس کے بھائی کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو معاف کرنے والے پر (دیت وصول کرنے کیلئے) قاتل کا معروف طریقہ پر تعاقب کرنا اور قاتل پر (مقتول کے وارثین کو) بحسن وخوبی دیت ادا کرنا لازم ہے، اور (یہاں) بھائی کا ذکر کرنا معافی پر ابھارنے کیلئے ہے اور ''مَن'' مبتداء شرطیہ یا موصولہ ہے اور ''فاتباع'' اس کی خبر ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم علیہ الرحمۃ کی سند سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہوگئی طرفین کے بہت سے آدمی آزاد و غلام اور مرد و عورت اس جنگ میں قتل ہوگئے، ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانۂ اسلام شروع ہوگیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہوگئے اسلام لانے کے بعد ان قبائل نے اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کیلئے آپس میں بات چیت شروع کی ان میں سے ایک قبیلہ نے جو کہ زیادہ قوت و شوکت والا

تھااس بات کا مطالبہ کیا کہ ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے ان کے اس جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے اس آیت کو نازل فرمایا اور یہ حکم واضح فرمایا کہ قصاص میں صرف وہی قتل کیا جا سکتا ہے جس نے قتل کیا ہے مقتول کے بدلے میں کسی اور کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ (جمالین ۱/۳۰۰)

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے قصاص کے متعلق اہل ایمان کو نصیحت کی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں......

اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے جو احکام تمہارے لیے لکھ دیے گئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو خصوصا خون کے معاملہ میں صبر سے کام لو اور جوش انتقام میں حدود شرع سے تجاوز نہ کرو مقتولین بقتل عمد کے بارے میں تم پر مساوات اور برابری فرض کر دی گئی ہے ایک مقتول کو دوسرے مقتول کے برابر سمجھو، حسب اور نسب اور علم و فضل وغیرہ وغیرہ کی وجہ سے قصاص میں تامل نہ کرو جاہلیت کے دستور پر نہ چلو جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلہ میں رذیل لوگوں کے آزاد اور عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرتے تھے اور ایک مرد کے بدلہ میں کئی کئی آدمیوں کو قتل کرتے تھے اللہ تعالی نے اس امتیاز کو ختم فرمایا اور یہ حکم ارشاد فرمایا کہ سب کی جانیں برابر ہیں قصاص کے بارے میں امیر اور غریب، شریف اور رذیل کا کوئی فرق نہیں ہے اگر قصاص میں اس قسم کے امتیازات کا لحاظ کیا جائے گا تو قصاص کا دروازہ بند ہو جائے گا، پس آزاد آزاد کے برابر ہے، اگر چہ ان میں سے ایک امیر یا شریف ہو اور دوسرا فقیر یا رذیل ہو اور غلام غلام کے برابر ہے اگر چہ ایک غلام معمولی آدمی کا ہو اور دوسرا غلام بادشاہ کا ہو اور عورت عورت کے برابر ہے اگر چہ ایک بیگم ہو اور دوسری مزدورنی ہو، خلاصہ یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ضروری ہے اور جاہلیت کا یہ طریقہ کہ اشراف اپنے غلام کے عوض آزاد کو قتل کریں اور اپنی عورتوں کے عوض میں مردوں کو قتل کریں اور ایک مرد کے عوض میں کئی کئی مردوں کو قتل کریں ہرگز درست نہیں ہے سب کی

جائیں برابر ہیں۔

فوائد تفسیر:

قولہ: المماثلة....

اس لفظ سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربی میں لفظ "قصاص" کا صلہ "فی" نہیں آتا ہے لیکن آیت کریمہ میں اس کا صلہ "فی" استعمال ہوا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ "قصاص" مماثلت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور مماثلت کا صلہ "فی" آتا ہے بایں وجہ یہاں "فی" کو بطور صلہ استعمال کیا گیا ہے۔

قولہ: وصفا وفعلا....

اس عبارت سے مفسرؒ نے قصاص میں مماثلت کی کیفت کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں قصاص میں مماثلت فی الوصف اور مماثلت فی الفعل دونوں کا ہونا ضروری ہے، مماثلت فی الوصف کا مطلب یہ ہے آزاد اور غلام کے اعتبار سے کسی طرح کا فرق نہ ہو ہر ایک کو مقتول کے قصاص میں قتل کیا جائے اور مماثلت فی الفعل کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہو اسی طرح قاتل کو بھی قتل کیا جائے۔

قولہ: فی ذکر اخیہ....

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے قاتل کی اخوت ایمانی کو بیان کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ قاتل اگرچہ قتل کر کے جرم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اخوت ایمانی سے خارج نہیں ہوتا ہے پس اگر کوئی اس کی اخوت ایمانی کا خیال کرتے ہوئے قصاص کو معاف کردے اور دیت کے وصول کرنے پر راضی ہوجائے تو یہ بھی جائز ہے۔

جواب (د)

"من مبتدأ شرطية وموصولة" کا مطلب:

واضح رہے کہ آیت کریمہ "فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ" میں "من" مبتداء شرطیہ

یا موصولہ ہے اور ’’فتباع بالمعروف ‘‘اس کی خبر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر مقتول کے وارثین قاتل سے قصاص کو معاف کر دیں، اور دیت کے وصول کرنے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کو چاہئے کہ وہ دیت کو بحسن وخوبی ادا کر دے اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرے اور مقتول کے ورثاء کو چاہئے کہ وہ قاتل سے دیت کا مطالبہ سختی کے ساتھ نہ کریں بلکہ نرمی کے ساتھ کریں۔

جواب (ھ)

’’فلا یقتل مسلم... الخ...‘‘ سے مفسرؒ نے کس امام کا مسلک بیان کیا ہے؟:

واضح رہے ’’فلا یقتل مسلم... الخ...‘‘ سے مفسرؒ نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مسلک بیان کیا ہے، امام شافعی کا مسلک یہی ہے کہ مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، اپنے اس مسلک پر حضور علیہ السلام کے ارشاد ’’لا یقتل مؤ من بکافر ‘‘ سے استدلال کرتے ہیں، اس کے برخلاف احناف کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کو ذمی کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور دلیل حضور علیہ السلام کا عمل ہے حدیث میں آتا ہے ’’ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قتل مسلمابذ می ‘‘ اللہ کے نبی علیہ السلام نے مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا ہے۔

واضح رہے کہ قتل کے اس مسئلہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنے مسلک پر جس حدیث سے استدلال کیا ہے احناف کے نزدیک یہ حدیث کافر حربی کے متعلق ہے اور کافر حربی کے سلسلے میں احناف کا مسلک بھی شوافع ہی کی طرح ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۵﴾

(یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ) اَلْمُمَاثَلَةُ (فِی الْقَتْلٰى) وَصْفًا وَفِعْلًا (اَلْحُرُّ) یُقْتَلُ (بِالْحُرِّ) وَلَا یُقْتَلُ بِالْعَبْدِ (وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى) وَبَیَّنَتِ السُّنَّةُ

أنَّ الذَّكَرَ يُقتَلُ بِهَا وَأنَّهُ تُعتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الدِّينِ فَلَا يُقتَلُ مُسلِمٌ وَلَوْعَبدًا بِكَافِرٍ وَلَوْحُرًّا (**فَمَنْ عُفِيَ لَهُ**) مِنَ الْقَاتِلِينَ (**مِنْ**) دَمِ (**أَخِيهِ**) الْمَقتُولِ (**شَيْءٌ**) بِأنْ تَرَكَ الْقِصَاصَ مِنهُ وَتَنكِيرِ شَيءٍ يُفِيدُ سُقُوطَ الْقِصَاصِ بِالْعَفْوِ عَنْ بَعْضِه وَمِنْ بَعْضِ الْوَرَثَةِوَفِي ذِكْرِ أَخِيهِ تَعَطُّفٌ دَاعٍ إِلَى الْعَفْوِ وَمَنْ مُبتَدَأٌ شَرْطِيَّةٌ أَوْ مَوْصُولَةٌ وَالْخَبَرُ (**فَاتِّبَاعٌ**) أَيْ فِعلُ الْعَافِي اتِّبَاعٌ لِلْقَاتِلِ (**بِالْمَعْرُوفِ**) بِأنْ يُطَالِبَهُ بِالدِّيَةِ بِلَاعُنفٍ وَتَرْتِيبُ الِاتِّبَاعِ عَلَى الْعَفْوِ يُفِيدُ أنَّ الْوَاجِبَ أَحَدُهُمَا وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کرترجمہ کریں (ب) "کتب" اور "وصفاً فعلاً" سے کیا مراد ہے "مماثلۃ فی الدین" کی مثال بیان کرتے ہوئے "اخیہ" کی مراد واضح کریں اور "ولو حراً" کیوں منصوب ہے تحریر کریں (ج) "وترتیب الاتباع" سے مفسر کیا فرمانا چاہتے ہیں اور "فاتباع" ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں فعل اور وصف دونوں اعتبار سے مماثلت اختیار کرنا فرض کیا گیا ہے لہذا آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو قتل کیا جائے البتہ غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہ کیا جائے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کر دیا جائے، اور (قصاص میں) مماثلت کا اعتبار دین کے اعتبار سے کیا جائے گا، لہذا مسلمان اگرچہ غلام ہی کیوں نہ ہو کسی کافر غلام یا آزاد شخص کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، پس جس قاتل کیلئے اس کے بھائی کے خون یعنی قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے اس طرح کے مقتول کے (ورثا) کی جانب سے قصاص ہی معاف کر دیا جائے، اور یہاں "شئی" کی تنوین تنکیر کیلئے ہے اور "شئی" کا نکرہ لانا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ بعض قصاص کے معاف کرنے یا (مقتول کے) بعض ورثا کے معاف کرنے سے قصاص بالکلیہ ختم

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ہو جاتا ہے، اور لفظ ''اخیـــہ'' کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں شفقت ہے جو معافی کی جانب داعی ہوتی ہے اور اس سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ قتل کرنے سے اخوت ایمانی بالکلیہ ختم نہیں ہوتی ہے (پس قصاص معاف کرنے کی صورت میں معاف کرنے والے پر دیت وصول کرنے کیلئے) قاتل کا معروف طریقہ پر تعاقب کرنا اور قاتل پر (مقتول کے وارثین کو) بحسن وخوبی دیت ادا کرنا لازم ہے، اور آیت میں ''مَن'' مبتداء شرطیہ یا موصولہ ہے اور ''فاتباع'' اس کی خبر ہے۔

جواب (ب)

''کتب'' اور ''وصفاً فعلاً'' سے کیا مراد ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ''کتب'' بمعنیٰ ''فرض'' ہے اور مراد یہ ہے کہ ایمان والوں پر قتل کے سلسلے میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔

اور مفسرؒ کی عبارت میں مذکور'' وصفاً فعلاً '' سے مراد قصاص کے اندر مماثلت فی الوصف اور مماثلت فی الفعل ہے ،مماثلت فی الوصف کا بیان تو اسی آیت کریمہ میں موجود ہے یعنی ''الحر بالحر .... الخ....'' اور مماثلت فی الفعل کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہے اسی طرح قاتل کو بھی قتل کیا جائے پس اگر اس نے تلوار سے مارا ہے تو اس کو بھی تلوار سے مارا جائے اور اگر اس نے قتل میں کسی اور آلے کو استعمال کیا ہے تو اسی آلے سے اس کو بھی ختم کیا جائے۔ (تسہیل الجلالین ۱/ ۱۹۷)

''مماثلة فی الدین'' کی مثال:

واضح رہے کہ اسلام میں قصاص کے سلسلے میں جس طرح مماثلت فی الوصف اور مماثلت فی الفعل کا اعتبار ہے اسی طرح مماثلت الدین کا بھی اعتبار ہے، پس کسی بھی قاتل کو اس وقت قتل کیا جائے گا جب کہ وہ مقتول کا ہم مذہب ہو گا لیکن اگر وہ مقتول کے مذہب سے اعلیٰ مذہب کا ماننے والا ہو تو پھر اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، مثال کے طور پر اگر کسی مسلمان نے کسی کافر حربی کو قتل کر دیا تو کافر خواہ آزاد ہی کیوں نہ ہو اور قاتل مسلمان غلام کیوں نہ ہو مسلمان کو اس کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (تسہیل الجلالین ۱/ ۱۹۷)

''اخیہ'' کی مراد''ولو حراً'' کیوں منصوب ہے اس کی وضاحت:

واضح رہے آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے''اخیــــــــہ''ارشاد فرمایا ہے، اس میں لفظ''اخ'' سے مراد مقتول ہے اور''ہ''ضمیر مقتول کے وارث کی جانب راجع ہے، اور قصاص کے بیان میں خاص کر اس لفظ کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قاتل کے متعلق مقتول کے ورثا کے دل میں محبت کا جذبہ ابھرے گا جس سے وہ قاتل کو معاف کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں........اور''ولو حراً''.....''کان''محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

جواب (ج)

''وترتیب الاتباع'' سے مفسرؒ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟ اور''فاتباع''ترکیب میں.....

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے قصاص کے مسئلہ میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مسلک کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ قتل عمد میں قصاص اور دیت میں سے کوئی ایک واجب ہے، وارث جس کو چاہے اختیار کر سکتا ہے اور جسے چاہے چھوڑ سکتا ہے، پس اگر کوئی قصاص کو اختیار کرے گا تو اس کی دیت ختم ہو جائے گی اور اگر قصاص معاف کر کے دیت لے گا تو قصاص کا حق ختم ہو جائے گا، لیکن یہ آپ علیہ الرحمۃ کا پہلا قول ہے، جبکہ آپؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ قتل میں اصل موجب قصاص ہے البتہ اگر کوئی قصاص معاف کر کے دیت وصول کرتا ہے تو اسے اختیار ہے مگر دیت اسی صورت میں ملے گی جب کہ قصاص معاف کرتے ہوئے دیت لینے کا ذکر کرے گا اور اگر کسی نے صرف قصاص معاف کر دیا اور دیت لینے کا کوئی ذکر نہیں کیا تو اس کو دیت نہیں ملے گی اسلئے کہ یہ قتل عمد کا اصل موجب نہیں ہے، اور بقول صاحب تسہیل مذکورہ مسئلہ میں احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ (تسہیل الجلالین ۱/۱۹۸)

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور''فاتباعٌ''....''من''مبتداء کی خبر واقع ہو رہا ہے جیسا کہ خود مفسرؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۰﴾
﴿جلالین شریف صفحہ ۲۶﴾

(كُتِبَ)فُرِضَ(عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ)أَیْ أَسْبَابُهُ(إِنْ تَرَكَ خَيْرا) مَالًا (اِلْوَصِيَّةُ)مَرْفُوع بِكُتِبَ وَمُتَعَلِّق بِاِذَا إِنْ كَانَتْ ظَرْفِيَّة وَدَالّ عَلَى جَوَابِهَا إِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّة وَجَوَاب إِنْ مَحْذُوفٌ أَیْ فَلْيُوصِ (لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ) بِالْعَدْلِ بِأَنْ لَا يَزِيد عَلَى الثُّلُث وَلَا يَفْضُل الْغَنِیّ (حَقًّا)مَصْدَر مُؤَكِّد لِمَضْمُونِ الْجُمْلَة قَبْله(عَلَى الْمُتَّقِيْنَ)اللَّهُ وَهَذَا مَنْسُوخ بِآيَةِ الْمِيرَاث وَبِحَدِيثِ لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ،رَوَاهُ التِّرْمِذِیّ۔

(الف)عبارت بااعراب لکھ کرترجمہ کریں(ب) آیت میں مذکورمسئلہ کی وضاحت تحریر کریں(ج)''الوصیۃ''اور''حقا''ترکیب میں کیاواقع ہیں اورآیت میراث کونسی آیت ہےتحریر کریں(د)حدیث کتاب اللہ کیلئے ناسخ بن سکتی ہے یانہیں تحریرکریں۔

جواب(الف)

ترجمۃ العبارۃ:

تم پرفرض کیاگیاہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کاوقت آجائے یعنی موت کی علامات ظاہرہوں اوروہ کچھ مال چھوڑے تووالدین اوررشتہ داروں کیلئے وصیت کردے''الوصیۃ''...''کتب''کانائب فاعل ہونے کی وجہ سےمرفوع ہےاوراگر''اِذا'' ظرفیہ ہےتواس سے متعلق ہے،اوراگر''اذا''شرطیہ ہےتودال علی الجزاء ہے،اور اِن کاجواب ''فلیوص''محذوف ہے،اس طریقہ پرکہ انصاف کےساتھ ایک ثلث سےزیادہ کی وصیت نہ کرے،اور مالدارکوترجیح نہ دے،اور یہ اللہ کاخوف رکھنےوالوں پرحق ہے،''حقا''اپنے سابقہ جملہ کے مضمون کے لئے مصدر موکد ہے، اور یہ وصیت کا حکم آیت میراث اور ترمذی کی روایت''لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ''سےمنسوخ ہے۔

جواب (ب)

آیت میں مذکور مسئلہ کی وضاحت:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے وصیت کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تو اس پر اپنے والدین اور دیگر ورثاء کیلئے اپنے مال کی وصیت کرنا لازم ہے، مفسرینؒ نے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر موت سے قبل وصیت کرنا اسلام کے اس زمانے میں جبکہ میراث کے حصہ مقرر نہیں ہوئے تھے فرض تھا لیکن آیت میراث نازل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، اب واضح رہے کہ کسی بھی شخص کو اپنے تمام ورثاء کیلئے خواہ والدین ہوں یا ان کے علاوہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے، الّا یہ کہ دیگر ورثاء وصیت کی اجازت دے دیں تو پھر وصیت کرنا جائز ہے۔

واضح رہے کہ وصیت کی فرضیت کا یہ حکم جہاں ایک جانب آیت میراث سے منسوخ ہے وہیں اس کا دوسرا ناسخ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، ترمذی شریف میں آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے "لا وصية لوارث" کسی وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے میت کا جو کچھ متروکہ مال ہوتا ہے وہ تمام کا تمام حقوق لازمہ کی ادائیگی کے بعد میت کے وارثین میں تقسیم ہوگا۔

واضح رہے کہ ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت جائز نہ ہونے کا یہ حکم صرف ورثین کے حق میں ہے، رہے غیر وارث رشتہ دار تو ان کیلئے وصیت کرنا جائز بلکہ مستحب ہے لیکن وصیت کا اصول یہ ہے کہ وہ صرف تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے اس سے زائد میں وصیت نافذ نہیں ہوتی پس اگر کسی غیر وارث کیلئے وصیت کرنی ہے تو صرف تہائی مال ہی میں کی جا سکتی ہے۔

(انوار البیان ۱/۲۴۶ تا ۲۴۸)

جواب (ج)

"الوصیة" اور "حقاً" ترکیب میں کیا واقع ہیں؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کا جملہ "الوصية" ترکیب میں "کتب" کا نائب فاعل ہے

اور ''حقاً'' پورے جملے ''کتب علیکم'' کا مصدر مؤکد ہے۔

آیت میراث کی تعیین:

واضح رہے جس آیت میراث کا حوالہ عبارت مذکورہ میں مفسر علام علیہ الرحمۃ نے دیا ہے اس سے مراد قرآن کریم کی آیت ''یو صیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین'' ہے۔

جواب (د)

کیا حدیث کتاب اللہ کیلئے ناسخ بن سکتی ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیثِ نبی کتابُ اللہ کیلئے ناسخ بن سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حدیثِ نبی خبر واحد نہیں ہے تو وہ کتاب اللہ کیلئے ناسخ بن سکتی ہے، اور اس کے ذریعہ کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی کرنا جائز ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۶﴾

(يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) الْمَعَاصِيَ فَإِنَّهُ يَكْسِر الشَّهْوَةَ التى هى مبدؤها (اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ)أَىْ قَلَائِل اى مُؤَقَّتَات بِعَدَدٍ مَعْلُوم وَهِىَ رَمَضَان كَمَا سَيَأْتِى وَقَلَّلَهُ تَسْهِيلًا عَلَى الْمُكَلَّفِينَ (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ) حِين شُهُودِه (مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ) أَىْ مُسَافِرًا سَفر الْقَصْر وَأَجْهَدَهُ الصَّوْمُ فِى الْحَالَيْنِ فَأَفْطَرَ (فَعِدَّةٌ) فَعَلَيْهِ عِدَّة مَا أَفْطَرَ (مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ) يَصُومهَا بَدَله (وَعَلَى الَّذِيْنَ) لَا (يُطِيْقُوْنَهٗ) لِكِبَرٍ أَوْ مَرَض لَا يُرْجَى بُرْؤُهُ (فِدْيَةٌ) هِىَ (طَعَامُ مِسْكِيْنٍ) أَىْ قَدْر مَا يَأْكُلهُ فِى يَوْم وَهُوَ مُدّ مِنْ غَالِب قُوت الْبَلَد لِكُلِّ يَوْم۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) تفسیر مع فوائد تفسیر تحریر کریں

(ج) ''ایاما'' کیوں منصوب ہے اور فدیہ کی مقدار احناف کے نزدیک کتنی ہے تحریر کریں

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(د) روزہ رکھنے اور فدیہ ادا کرنے کے مابین آیت میں بیان کردہ اختیار اب بھی موجود ہے یا منسوخ ہو چکا ہے مع ناسخ تحریر کریں (ھ) حاملہ اور مرضعہ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی کیا رائے ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم معاصی سے بچو بلاشبہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو کہ معصیت کا سرچشمہ ہے "ایاماً"... "صِیَاماً" کی وجہ سے یا "یَصُومُوا" مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، جو چند روزے ہیں جن کی تعداد معلوم ہے اور وہ رمضان کے روزے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا، ماہ رمضان کے روزوں کو مکلفین پر سہولت کے لئے قلیل قرار دیا ہے، پس تم میں سے جو ماہ رمضان کی آمد کے وقت مریض یا مسافر ہو یعنی قصر کی مسافت کا مسافر ہو اور دونوں صورتوں میں اس کو روزے سے مشقت ہو تو وہ افطار کر سکتا ہے، اس پر چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد کے مساوی دوسرے دنوں میں تعداد کو پورا کرنا لازم ہے، یعنی ان دنوں کے بدلے روزہ رکھ لے اور جو لوگ کبرسنی کی وجہ سے یا ایسے مرض کی وجہ سے جس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو روزہ نہ رکھ سکیں تو ان پر فدیہ واجب ہے اور وہ (فدیہ) ایک مسکین کی خوراک کے بقدر یعنی ایک روز کی خوراک کے برابر ہے اور یہ، خوراک روزمرہ شہر کی عام خوراک سے ایک مُد کے بقدر ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا ہے، واضح رہے کہ اسلام کی بنیاد جن چیزوں پر ہے ان میں سے ایک رمضان شریف کے روزے بھی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا

کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے بندے اور اس کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان شریف کے روزہ رکھنا۔ (بخاری)

واضح رہے کہ رمضان شریف کے روزے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض ہوئے ہیں، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح پہلی امتوں پر روزے فرض تھے اسی طرح یہ تمہارے اوپر بھی فرض کئے گئے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہیں اس لئے ان کی فرضیت کے بعد تم پر روزے رکھنا لازم اور ضروری ہے۔

قولہ: لعلکم تتقون.....

اس جملہ سے اللہ رب العزت نے روزہ کی حکمت اور فائدہ بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لیے ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ روزہ رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زد پڑتی ہے اور قوت شہوانیہ میں ضعف آتا ہے جس کی وجہ سے صغیرہ وکبیرہ ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنے میں مدد حاصل ہوتی ہے، واضح رہے کہ اہل اسلام پر رمضان شریف کے روزے رکھنا فرض ہے اور روزوں کی فرضیت ہر عاقل بالغ مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔

(انوار البیان ۱/۲۵۰ تا ۲۵۴)

قولہ: فمنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا....

یہاں سے اللہ رب العزت نے مریض کیلئے روزہ کا حکم بیان کیا ہے، یہاں مریض سے وہ مریض ہے مراد جس کو روزہ رکھنے سے نا قابل برداشت تکلیف پہنچنے یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے ایسے مریض کیلئے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ روزوں کو ترک کر کے صحت یابی کے بعد ان کی قضاء کرسکتا ہے۔

قولہ: أَوْ عَلٰى سَفَر....

اس جملہ سے مسافر کیلئے روزوں کا حکم بیان کیا ہے، یہاں اللہ رب العزت لفظ ”مسافر“ کے بجائے لفظ ”علیٰ سفر“ ارشاد فرمایا ہے، فقہاء کرام نے اللہ رب العزت کے اس جملہ سے روزوں کے متعلق کئی قسم کے مسائل کا استنباط کیا ہے، چنانچہ پہلا مسئلہ یہ نکالا ہے کہ

مطلقاً کسی بھی سفر میں روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہے بلکہ صرف اسی سفر میں جائز ہے جو سواری پر سوار ہو کر ہوتا ہے اور اس کی مقدار حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور بہت سے فقہاء کے نزدیک تین منزل یعنی تقریباً اڑتالیس میل ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ نکالا ہے کہ مسافر اس رخصت کا صرف حالت سفر میں مستحق ہے یعنی جب تک وہ سفر کا سلسلہ جاری رکھتا ہے جبھی تک اسے روزہ ترک کرنے کی اجازت ہے اور اگر وہ کہیں کچھ دن کیلئے قیام کر لیتا ہے تو پھر اس کیلئے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

قولہ: فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَر ....

اس جملہ سے اللہ رب العزت نے مریض اور مسافر کیلئے حالت مرض اور سفر میں ترک ہونے والے روزوں کی قضا کا حکم بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ جو روزے حالت مرض اور سفر میں ترک ہو جائیں وہ بعد میں ادا کر لئے جائیں، لیکن واضح رہے کہ مریض و مسافر پر فوت شدہ روزوں کی قضاء صرف اس صورت میں واجب ہے جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے کہ ان روزوں کی قضاء کر سکے اور اگر کوئی شخص اتنے دن کی مہلت پانے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضاء یا ان روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا لازم نہیں ہے۔

قولہ: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَه.......

اس جملہ سے اللہ رب العزت نے فدیہ کا حکم بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مریض یا مسافر کی طرح روزہ رکھنے سے مجبور نہیں ہے بلکہ روزے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ وہ روزے کے بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کر دیں۔

واضح رہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ ادا کرنے کا یہ حکم شروع اسلام میں تھا لیکن جب لوگ روزہ رکھنے کے عادی ہو گئے تو پھر آیت کریمہ "مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْه" سے اس حکم کو عام لوگوں کے حق میں منسوخ کر دیا گیا ہے اور اب یہ حکم صرف انتہائی ضعیف العمر اور صحت سے ناامید بیمار لوگوں کے حق میں باقی ہے۔

حضرت امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ترمذیؒ، امام طبرانیؒ وغیرہ تمام ائمہ حدیث نے حضرت سلمۃؓ بن الاکوع سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَه'' نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دے دیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے رکھے جس کا جی چاہے روزے کا فدیہ دیدے پھر جب دوسری آیت ''مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْه'' نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت والوں پر صرف روزہ رکھنے کو لازم کر دیا گیا۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانی ۱/۴۴۵)

فوائد تفسیر:

قوله: ای قلائل.....

اس جملہ سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ''معدودات'' کی تفسیر بیان کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ ''معدودات'' سے مراد مقدار قلیل ہے۔

واضح رہے کہ اہل عرب کا عمومی دستور یہ ہے کہ وہ چالیس سے کم مقدار کو معدود اور چالیس سے زیادہ مقدار کو موزون سے تعبیر کرتے ہیں، **قوله: ای موقتات بعدد ....** مفسر کا یہ جملہ ''قلائل'' کی توضیح ہے، اس کے معنی ہیں معدودِ چند۔ (انوار الزجاجین ۶۶)

قوله: قللهٗ تَسْهِيلاً......

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے یہ بیان کیا ہے کہ رمضان شریف کے روزے اگر چہ فی نفسہٖ کثیر ہیں لیکن قرآن کریم میں ان کو قلیل اس لئے بیان کیا گیا ہے تا کہ یہ رکھنے والوں پر شاق نہ ہوں بلکہ وہ ان کو تھوڑے سمجھ کر آسانی کے ساتھ مکمل ادا کر سکیں، واضح رہے کہ اس طرح کے اسلوب بیان کو تشجیع کہا جاتا ہے اور یہ اسلوب مخاطب کو نفسیاتی طور پر متأثر کرنے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔

جواب (ج)

''ایاماً'' کیوں منصوب ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ''ایاماً'' کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں (۱) یہ لفظ

یا تو ماقبل میں مذکور "صیاماً" کی وجہ سے منصوب ہے (۲) یا اس سے پہلے "صوموا" فعل امر محذوف ہے اور یہ اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

احناف کے نزدیک فدیہ کیا مقدار ہے؟:

واضح رہے کہ احناف کے نزدیک اگر فدیہ گیہوں سے ادا کیا جاتا ہے تو اس کی مقدار آدھا صاع ہے اور اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ادا کیا جاتا ہے تو ایک صاع ہے۔

جواب (د)

کیا روزہ رکھنے اور فدیہ دینے کے مابین اختیار اب بھی باقی ہے؟:

واضح رہے کہ روزہ رکھنے اور فدیہ ادا کرنے کے مابین آیت مذکورہ میں بیان کردہ اختیار اب عام لوگوں کے حق میں باقی نہیں ہے بلکہ آیت کریمہ "مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" منسوخ ہو چکا ہے۔

حاملہ اور مرضعہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی کیا رائے ہے؟:

واضح رہے کہ حاملہ اور مرضعہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ ان کے حق میں روزہ رکھنے اور فدیہ ادا کرنے کا مذکورہ اختیار اب بھی باقی ہے، اور ان دونوں کو اگر روزہ رکھنے کی صورت میں بچے پر خطرہ کا اندیشہ ہو تو یہ اپنا روزہ ترک کر کے اس کا فدیہ ادا کر سکتی ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۶﴾

(وَعَلَى الَّذِيْنَ) لَا (يُطِيْقُوْنَهُ) لِكِبَرٍ أَوْ مَرَضٍ لَا يُرْجَى بُرْؤُهُ (فِدْيَةٌ) هِيَ (طَعَامُ مِسْكِيْنٍ) أَيْ قَدْرَ مَا يَأْكُلُهُ فِي يَوْمٍ وَهُوَ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ لِكُلِّ يَوْمٍ وَفِي قِرَاءَةٍ بِإِضَافَةِ فِدْيَةٍ وَهِيَ لِلْبَيَانِ وَقِيْلَ لَا غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ وَكَانُوا مُخَيَّرِيْنَ فِي صَدْرِ الْإِسْلَامِ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

بَيْنَ الصَّوْمِ وَالْفِدْيَةِ ثُمَّ نُسِخَ بِتَعْيِينِ الصَّوْمِ بِقَوْلِهِ مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ إِلَّا الْحَامِلَ وَالْمُرْضِعَ إِذَا أَفْطَرَتَا خَوْفًا عَلَى الْوَلَدِ فَإِنَّهَا بَاقِيَةٌ بِلَا نَسْخٍ فِي حَقِّهِمَا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ''یطیقونه'' سے پہلے ''لا'' مقدر ماننے کی وجہ اور نہ ماننے کی صورت میں آیت کا کیا مطلب ہوگا تحریر کریں (ج) حاملہ اور مرضعہ کے متعلق احناف کا عمل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر ہے یا ان کے نزدیک حامل و مرضعہ کا کوئی اور حکم ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور ان لوگوں پر جو بڑھاپے کی وجہ یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے جس سے شفا کی امید نہیں ہے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں فدیہ ادا کرنا ہے، اور یہ فدیہ ایک مسکین کے کھانے کی مقدار ہے یعنی اتنی مقدار ہے جس کو مسکین ایک دن میں کھاتا ہے اور یہ مقدار شہر کی عام غذا سے ایک مد ہے، اور ایک قرأت میں ''فدية'' کی اضافت ''طعام'' کی جانب ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ (......''یطیقونه.....'' سے پہلے)...''لا'' مقدر نہیں ہے، لوگوں کو شروع میں اختیار تھا کہ وہ روزہ رکھیں یا فدیہ ادا کردیں، پھر جب اللہ رب العزت کے ارشاد ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' کی بنیاد پر روزہ رکھنا متعین ہوگیا تو یہ اختیار منسوخ ہوگیا، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ کے حق میں یہ اختیار اب بھی باقی ہے، پس اگر ان کو بچہ پر خوف ہو تو یہ روزہ ترک کرکے فدیہ ادا کرسکتی ہیں۔

جواب (ب)

''یطیقونه'' سے پہلے ''لا'' مقدر ماننے کی وجہ اور نہ ماننے کی صورت میں....

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''یطیقونه'' کے

بعد ''لا'' کو مقدر مانا ہے، یہاں ''لا'' کو مقدر ماننے سے اس آیت کریمہ کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے اور اسی لئے مفسرؒ نے اس کو مقدر مانا ہے، اس صورت میں آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوتا ہے جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ روزہ کا فدیہ ادا کردیں۔

اور اگر یہاں ''لا'' کو مقدر نہیں مانتے تو پھر اس آیت کو ارشاد باری ''فمن شهد منكم الشهر .... الخ....'' سے منسوخ ماننا پڑے گا، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اول اسلام میں لوگوں کو اختیار تھا کہ چاہیں تو روزہ رکھیں اور اگر چاہیں تو فدیہ ادا کردیں لیکن آیت کریمہ ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' نازل ہونے کے بعد یہ اختیار ختم ہوگیا اور اب ہر تندرست، بالغ وباہوش مسلمان مرد وعورت پر روزہ رکھنا ضروری ہے۔ (کمالین ۱/ ۲۰۸)

جواب (ج)

حامل ومرضعہ کے متعلق احناف کا عمل کس کے قول پر ہے؟:

واضح رہے کہ روزہ کے سلسلے میں حاملہ اور مرضعہ عورت کے متعلق احناف کا عمل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی کے قول پر ہے، پس احناف کے نزدیک اگر مذکورہ دونوں عورتیں بچہ پر خوف کریں تو روزہ کو ترک کرسکتی ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۷﴾

(وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ) مِنهُم بِعِلمِی فَأخبِرهُم بِذٰلِكَ (اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ) بِإنَالَتِهِ مَا سَأَلَ (فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ) دُعَائِی بِالطَّاعَةِ (وَلْیُؤْمِنُوْا) يديموا عَلَى الإيْمَانِ (بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ)۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) آیت کریمہ میں ''قریب'' سے کونسا قرب مراد ہے؟ اور قرب مکانی مراد لینے میں کیا خرابی

لازم آئے گی تحریر کریں (د) ''ولیؤ منوا'' کی تفسیر ''یدیموا'' سے کیوں کی گئی ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور (اے نبیؐ!) جب میرے بندے آپؐ سے میرے متعلق معلوم کریں تو آپؐ انہیں بتادیں کہ میں علم کے اعتبار سے ان کے قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کو جب وہ پکارتا ہے قبول کرتا ہوں اور وہ جو کچھ مانگتا ہے اس کو عطاء کرتا ہوں، پس لوگوں کو چاہیئے کہ میری بات کو اطاعت کے ساتھ قبول کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں یعنی ایمان پر دائم رہیں، شائد کہ وہ ہدایت پاجائیں۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول جیسا کہ خود مفسرؒ بیان کیا ہے یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور علیہ السلام سے معلوم کیا کہ ہمارا رب ہم سے قریب ہے یا دور ہے؟ اگر قریب ہے تو ہمارے لئے اس سے مناجات کرنا کافی ہے اور اگر دور ہے تو پھر ہم اس کو پکاریں گے، اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور حضور علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپؐ میرے بندوں کو باخبر کردیں کہ میں (علم کے اعتبار سے) ان کے قریب ہی موجود ہوں۔

جواب (ج)

آیت کریمہ میں ''قریب'' سے کونسا قرب مراد ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ''قریب'' سے قرب علمی مراد ہے، اگرچہ قرب کا اطلاق عموماً قرب مکانی کیلئے کیا جاتا ہے لیکن یہاں قرب مکانی مراد لینے میں اللہ رب العزت کیلئے مکان وزمان کا ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اللہ رب العزت مکان وزمان کی قیودات سے پاک ہیں، پس اس خرابی سے بچنے کیلئے آیت کریمہ میں لفظ ''قریب'' سے قرب علمی مراد لیا گیا ہے۔

جواب (د)

"ولیؤ منوا" کی تفسیر "ید یموا" سے کیوں کی گئی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے "ولیؤ منوا" کی تفسیر "ید یموا" سے کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ "ولیؤ منوا" میں احداثِ ایمان مراد نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو پہلے ہی سے موجود ہے بایں دلیل کہ آیت کریمہ "اذا سألک عبادی عنی" میں "عبادی" سے اہل ایمان ہی مراد ہیں، معلوم ہوا کہ ایمان تو پہلے سے ہے اب "ولیؤ منوا" سے ایمان پر قائم ودائم رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے پس اس حکم کو واضح کرنے کیلئے مفسرؒ نے اس کی تفسیر "ید یموا" سے کی ہے۔ (تسہیل الجلالین ۱/ ۲۰۷)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

❀❀❀❀❀

﴿سوال ۴۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۷﴾

(**أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ**) بِمَعْنَى الْإِفْضَاء (**إِلَى نِسَآئِكُمْ**) بِالْجِمَاعِ نَزَلَ نَسْخًا لِمَا كَانَ فِي صَدْرِ الْإِسْلَامِ مِنْ تَحْرِيمه وَتَحْرِيم الْأَكْل وَالشُّرْب بَعْدَ الْعِشَاءِ (**هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ**) كِنَايَة عَنْ تَعَانُقهمَا أَوْ احْتِيَاج كُلّ مِنْهُمَا إِلَى صَاحِبه (**عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ**) تَخُونُونَ (**اَنْفُسَكُمْ**) بِالْجِمَاعِ لَيْلَة الصِّيَام وَقَعَ ذَلِكَ لِعُمَرَ وَغَيْرهؓ وَاعْتَذَرُوا إِلَى النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (**فَتَابَ عَلَيْكُمْ**) قَبْل تَوْبَتكُمْ (**وَعَفَا عَنْكُمْ**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) تفسیر تحریر کریں (د) "رفث" کے معنی تحریر کریں اور بتائیں کہ "بالافضاء" سے مفسر کیا بیان کرنا چاہتے ہیں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تمہارے لئے روزہ کی رات میں عورتوں سے جماع کرنا حلال کر دیا گیا ہے یہ حکم ابتداء اسلام میں عورتوں سے رمضان شریف کی راتوں میں جماع کرنے اور عشاء کے بعد کھانے پینے کی حرمت کو منسوخ کرنے کے لئے نازل ہوا ہے، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، یہ کنایہ ہے باہمی معانقہ سے یا ایک دوسرے کے حاجتمند ہونے سے، اللہ کو معلوم ہے کہ تم روزہ کی رات میں جماع کر کے اپنے ہی ساتھ خیانت کر رہے ہو، یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو پیش آیا تھا، اور ان لوگوں نے آپ علیہ السلام سے معذرت چاہی تھی، پس اللہ رب العزت نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تم کو معاف فرما دیا۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

آیت کریمہ کا شان نزول بروایتِ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ روزوں کی فرضیت کے ابتدائی زمانہ میں یہ قانون تھا کہ افطار کے بعد رات میں کھانے، پینے اور جماع کرنے کی اجازت صرف سونے سے پہلے پہلے تھی سونے کے بعد بیدار ہونے پر کسی کو بھی اگلے دن شام سے پہلے ان امور کے کرنے کی اجازت نہیں تھی، اسی زمانے میں ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ روزہ کی حالت میں افطار کے وقت اپنی بیوی کے پاس آئے اور ان سے معلوم کیا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے لیکن میں کہیں جا کر تمہارے لیے انتظام کر کے لاتی ہوں، انہوں نے دن بھر کام کیا تھا ابھی ان کی بیوی واپس نہ آئی تھی کہ ان کی آنکھ لگ گئی پس جب وہ آئیں اور دیکھا کہ وہ سو چکے ہیں تو کہنے لگیں ہائے تمہاری محرومی کھانے کا وقت تو ختم ہو گیا اور اب تمہیں کل کو اسی بھوک کی حالت میں روزہ رکھنا ہے چنانچہ حضرت قیسؓ نے اسی طرح بغیر کچھ کھائے پیئے روزہ رکھ لیا جب آدھا دن ہو گیا تو حضور علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا، اس وقت اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

نازل فرمائی اور اہل ایمان کو غروب آفتاب سے لیکر صبح صادق کے طلوع ہونے تک کھانے، پینے اور جماع کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (انوارالبیان ۱/۲۶۱)

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے روزوں کے متعلق اہل ایمان کو ملنے والی ایک آسانی کا ذکر فرمایا ہے، ابتداء اسلام میں رمضان شریف میں صرف رات کو سونے سے پہلے پہلے کھانے، پینے اور جماع کرنے کی اجازت تھی لیکن سو جانے کے بعد اگر آنکھ کھلے تو پھر ان کاموں کی اجازت نہیں تھی اسی زمانے میں بعض صحابہ مثلاً حضرت قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ افطار کے بعد کچھ کھائے پیئے بغیر سو گئے اور قانون کے مطابق انہیں اسی حالت میں اگلے دن کا روزہ بھی رکھنا پڑا جس میں بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی، اسی طرح بعض صحابہؓ سونے کے بعد عورتوں سے صحبت کر بیٹھے اور بعد میں سخت نادم اور پشیمان ہوئے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے تو اس وقت اللہ رب العزت نے اس آیت کو نازل فرمایا اور سابقہ حکم کو منسوخ کر کے رمضان شریف کی راتوں میں کھانے پینے اور عورتوں سے جماع کرنے کی اجازت کا حکم عطا فرمادیا۔ (معارف القرآن، ادریس کاندھلویؒ ۱/۳۷۵ تا ۳۷۶)

جواب (د)

"رفث" کے معنی:

واضح رہے کہ "رفث" عربی زبان میں اس گفتگو کو کہتے ہیں جو عورت اور مرد کے مابین خاص جماع کے وقت ہوتی ہے اور دیگر اوقات میں اس گفتگو کو ناپسند کیا جاتا ہے۔

"بالافضاء" سے مفسر علیہ الرحمۃ نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے مفسر علیہ الرحمۃ نے اپنی اس تفسیری عبارت سے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربی میں "رفث" کا صلہ عموماً "فی" یا "ب" آتا ہے لیکن

آیت کریمہ میں اس کا صلہ "الی" استعمال ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مفسرؒ فرماتے ہیں کہ جناب! یہاں "رفث"...."افضاء" کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور "افضاء" کا صلہ "الی" آتا ہے بایں وجہ یہاں اس کا صلہ "الی" استعمال ہوا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۸﴾

(وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا)فِى الْإِحْرَامِ بِأَنْ تَنْقُبُوا فِيهَا نَقْبًا تَدْخُلُونَ مِنْهُ وَتَخْرُجُونَ وَتَتْرُكُوا الْبَابَ وَكَانُوا يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ وَيَزْعُمُونَهُ بِرًّا (وَلٰكِنَّ الْبِرَّ)أَىْ ذَاالْبِرِّ (مَنِ اتَّقٰى) اللّٰهَ بِتَرْكِ مُخَالَفَتِهِ (وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا) فِى الْإِحْرَامِ كَغَيْرِهِ (وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)تَفُوزُونَ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) تفسیر تحریر کریں (د) یہاں اس آیت کریمہ کو ذکر کرنے کی وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور حالت احرام میں گھروں کے پیچھے سے آنا کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں کی دیواروں میں نقب لگاؤ، تاکہ اس نقب سے گھر میں آنا جانا کرو، اور دروازہ سے نکلنا چھوڑ دو مشرکین عرب ایسا کرتے تھے اور اس کو نیکی سمجھتے تھے بلکہ نیکی اللہ کی مخالفت کو ترک کر کے اللہ رب العزت سے ڈرنا ہے، پس حالت احرام میں بھی غیر احرام کی طرح گھروں کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول کیا ہے اس کے متعلق بخاری شریف میں حضرت براء

NEW MADARSA

ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب احرام باندھ لیتے تھے تو گھر میں گھر کی پشت سے داخل ہوتے تھے (اور اس کو نیکی گمان کرتے تھے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ حالت احرام میں گھروں کے اندر ان کی پشت سے آنا کوئی نیکی نہیں ہے اصل نیکی انسان کا اللہ رب العزت کی مخالفت کو ترک کر کے اس کا فرماں بردار ہونا ہے۔ (انوار البیان ۱/۱۷۲..... معارف القرآن، ادریس کاندھلویؒ ۱/۳۸۱)

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حج کے متعلق زمانۂ جاہلیت میں جاری ایک فضول رسم کی تردید کی ہے، زمانۂ جاہلیت میں کفار کا دستور یہ تھا کہ وہ احرام باندھنے کے بعد گھروں میں داخل نہیں ہوتے تھے اور کسی ضرورت کی وجہ سے گھر میں جانا پڑتا تو پھر دروازے سے نہیں جاتے تھے بلکہ گھر کی پشت پر نقب لگا کر اندر داخل ہوتے تھے اور اس کو ایک نیک عمل گمان کرتے تھے، اللہ رب العزت نے اس آیت میں ان کے اس عمل کی تردید کی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ حالت احرام میں گھروں کے اندر ان کی پشتوں سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے اصل نیکی انسان کا اللہ رب العزت کا مطیع اور فرماں بردار بندہ ہونا ہے۔

جواب (د)

یہاں اس آیت کو ذکر کرنے کی حکمت:

واضح رہے کہ یہاں اس آیت کریمہ کو ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ماقبل میں کفار نے حضور علیہ السلام سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق سوال کیا تھا اور گھروں میں ان کی پشت سے داخل ہونا بھی وہ حج کا چاند دیکھنے ہی کے بعد شروع کرتے تھے پس ان کے سوال کا جواب دینے کے بعد اللہ رب العزت نے اس آیت میں ان کے اس باطل طریقہ کو بھی رد کیا ہے اور اسی تردید کیلئے اس آیت کو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (انوار الزجاجین ۷۰)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۸﴾

(اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ) اَلۡمُحَرَّم مُقَابَل (بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ) فَكَمَا قَاتَلُوۡكُمۡ فِيۡهِ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ فِی مِثۡلِه رَدٌّ لِاسۡتِعۡظَامِ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ذٰلِكَ (وَالۡحُرُمٰتُ) جَمۡعُ حُرۡمَةٍ مَا يَجِبُ احۡتِرَامه (قِصَاصٌ) أَیۡ يَقۡتَصّ بِمِثۡلِهَا إِذَا انۡتُهِكَتۡ (فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ) بِالۡقِتَالِ فِی الۡحَرَم أَوِ الۡإِحۡرَام أَوِ الشَّهۡر الۡحَرَام (فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَااعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ) سَمَّى مُقَابَلَته اعۡتِدَاء لِشَبۡهِهَا بِالۡمُقَابِلِ بِهٖ فِی الصُّوۡرَة (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) فِی الۡاِنۡتِصَار وَتَرۡك الۡاِعۡتِدَاء (وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ) بِالۡعَوۡنِ وَالنَّصۡرِ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) تفسیر تحریر کریں (د) اشہر حرم کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں اور ''سمی مقابلته اعتداء'' سے مفسر علیہ الرحمۃ کس بات کی وضاحت کر رہے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کا عوض ہیں لہٰذا جس طرح کفار نے اس میں تم سے قتال کیا تو تم بھی اس جیسے مہینہ میں قتال کرو اور یہ مسلمانوں کے اس مہینہ کو باعظمت سمجھنے کا رد ہے، اور یہ حرمتیں ادلہ بدلہ ہیں ''حُرمٰتُ''.... ''حرمة'' کی جمع ہے، یعنی جو ان کو توڑے گا اس کو ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا لہٰذا حرم میں یا احرام میں یا ماہ محرم میں قتال کے ذریعہ جو شخص تمہارے اوپر ظلم کرے تو تم بھی اس پر اتنا ہی ظلم کر سکتے ہو جتنا اس نے تم پر کیا ہے ظلم کی جزاء کو ظلم صورتاً مشابہت کی وجہ سے مقابلہ کے طور پر کہا گیا ہے، اور بدلہ لینے میں اور زیادتی کو ترک کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی شرطوں کے مطابق جب حضور علیہ السلام سن سات ہجری میں چودہ سو صحابۂ کرام کے ہمراہ عمرۃ القضا کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا، مشرکین مکہ سے مسلمانوں کو خطرہ تھا کہ کہیں معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کریں اور حملہ کردیں اگر انہوں نے حملہ کیا تو حرمت والے مہینہ میں اور حرم میں جنگ کرنی پڑے گی اور اس سے مکان وزمان دونوں کی حرمت میں فرق آئے گا، اس وقت اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا اور اہل اسلام کو حکم دیا اگر تمہیں حرم اور حرمت کے مہینہ میں جنگ کرنی پڑے تو جنگ کرلینا اس طرح حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے عوض ہو جائے گا یعنی مشرکین حرمت والے مہینہ کا احترام کریں تو تم بھی احترام کرو اور خود سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ بے حرمتی کر بیٹھیں تو تم بھی جوابی کارروائی کرو۔

واضح رہے کہ اللہ رب العزت کے ارشاد ’’ والحرمت قصاص ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ حرمت عوض اور معاوضہ کی چیزیں ہیں جو لوگ تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کریں تم بھی ان کی رعایت کرو اور اگر وہ رعایت نہیں کرتے ہیں اور آمادۂ جنگ ہوتے ہیں تو پھر تم بھی جنگ کرسکتے ہو تمہیں بھی اللہ رب العزت کی جانب سے جنگ کرنے اور لڑنے کی اجازت ہے۔

(انوار البیان ۱/ ۲۷۶ تا ۲۷۷)

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے بوقت ضرورت حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کے حکم بیان کیا ہے، یہ آیت جیسا کہ شان نزول کے تحت بیان کیا گیا عمرۃ القضاء کے موقع پر نازل ہوئی ہے ۷ھ میں حضور علیہ السلام جب عمرۃ القضاء کیلئے تشریف لے گئے تو ذیقعدہ کا مہینہ تھا یہ مہینہ حرمت والے مہینوں میں سے ہے اس لئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ تردد تھا کہ

اگر کفار سے لڑائی کی نوبت آئی جیسا کہ یہی غالب گمان تھا تو کیا ہوگا، اس پر اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانوں ! تم کو حرمت کے مہینہ میں جنگ وجدال کے متعلق جو تردد ہے تو جان لو کہ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلہ اور عوض میں ہے اب اگر کفار اس مہینہ کی حرمت کا لحاظ اور ادب رکھیں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی اس مہینہ کی حرمت کا ادب اور لحاظ کر کے ان سے نہ لڑو اور اگر وہ اس کا احترام نہیں کرتے ہیں تو تم بھی احترام نہ کرو اور اللہ کا نام لیکر جنگ شروع کردو البتہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے کسی پر زیادتی نہ کرو اور نہ اپنی جانب سے قتال کی ابتداء کرو بلکہ اگر کفار تم سے جنگ کرتے ہیں تو پھر تمہیں دفع میں جنگ کرنے کی اجازت ہے۔

واضح رہے کہ جمہور ائمہ دین کا مسلک یہی ہے کہ اشہر حرام میں قتل وقتال ابتداء میں ممنوع تھا لیکن بعد میں اس کی اجازت ہوگئی تھی مگر اب بھی بہتر یہی ہے کہ اشہر حرم میں ابتداء بالقتال نہ کی جائے، اور بعض علماء کا قول ہے کہ آیت کا حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہے اور اب بھی اشہر حرم میں ابتداء بالقتال حرام ہے اور یہی مشہور مفسر حضرت مجاہدؒ کا قول ہے، نیز صحیح بخاری اور مسلم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ان دونوں کتابوں میں حضور علیہ السلام کا ارشاد منقول ہے کہ یہ شہر یعنی مکہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے صرف میرے لیے ایک ساعت کے واسطے حلال کیا گیا تھا باقی قیامت تک حرام ہے یہاں کا گھانس اور تنکا بھی نہ کاٹا جائے اور نہ یہاں کا شکار بدکایا جائے، اور جو لوگ نسخ کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل مسجد حرام میں قتل کیا گیا تھا حالانکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل اس ساعت میں ہوا تھا جس ساعت میں مکہ میں قتل وقتال آپ علیہ السلام کے لیے حلال کردیا گیا تھا۔ (معارف القرآن، ادریس کاندھلویؒ ۱/۳۸۳ تا ۳۸۶)

جواب (د)

اشہر حرم کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں؟:

واضح رہے کہ اشہر حرم چار مہنے ہیں (۱) ذیقعدہ (۲) ذی الحجہ (۳) محرم (۴) رجب۔
ان چار مہینوں میں بلا ضرورت قتل قتال کرنا ممنوع ہے۔

''سمی مقابلته اعتداء'' سے مفسرؒ نے کس بات کی وضاحت کی ہے؟:

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ظلم کے مقابلہ میں اپنا دفع کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا ہے تو کیا ظالم سے اپنا دفع کرنا بھی ظلم ہے؟ مفسر علیہ الرحمۃ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں جناب! ظالم سے اپنا دفاع کرنا ظلم نہیں ہے رہا باری تعالیٰ کا اس آیت میں اس کو ظلم ارشاد فرمانا تو یہ صورتاً مشابہت کی وجہ سے ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۹﴾

(وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ) أَدُّوهُمَا بِحُقُوقِهِمَا (فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ) مُنِعْتُمْ عَنْ إِتْمَامِهَا بِعَدُوٍّ (فَمَا اسْتَيْسَرَ) تَيَسَّرَ (مِنَ الْهَدْيِ) عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاة (وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ) الْمَذْكُور (مَحِلَّهُ) حَيْثُ يَحِلّ ذَبْحه وَهُوَ مَكَان الْإِحْصَار عِنْدَ الشَّافِعِيّ فَيُذْبَح فِيهِ بِنِيَّةِ التَّحَلُّل وَيُفَرِّق على مساكينه ويحلق به يَحْصُل التَّحَلُّل۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) تفسیر تحریر کریں (ج) احناف کے نزدیک عمرہ واجب ہے یا سنت؟ اگر سنت ہے تو ''اتموا'' فعل امر حج اور عمرہ دونوں کے متعلق ہے اس سے یا تو دونوں کا سنت ہونا یا دونوں کا واجب ہونا سمجھ میں آتا ہے اس کا حل تحریر کریں (د) محصر اپنی ہدیٔ تحلل کہاں ذبح کرے گا؟ جائے احصار میں یا حرم میں؟ اس سلسلے میں احناف اور شوافع کا مذہب مع دلیل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو، یعنی ان دونوں کو ان کے حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا

کرو، پس اگر تم حج اور عمرہ کو پورا کرنے سے دشمن یا اس جیسی کسی اور چیز کے ذریعہ روک دیئے جاؤ تو تم پر ہدی یعنی قربانی کا جانور بکری وغیرہ جو بھی تمہیں میسر ہو (قربان کرنا) لازم ہے، اور جب تک ہدی اپنے مقام پر یعنی اس جگہ جہاں اس کو ذبح کرنا جائز ہے نہ پہنچ جائے اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ، اور وہ جگہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احصار کی جگہ ہے لہٰذا حلال ہونے کی نیت سے اسی جگہ ہدی ذبح کر دی جائے اور اس مقام کے مساکین پر اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے، اور حلق کرالیا جائے، اس سے حلت حاصل ہو جائے گی۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حج اور عمرہ کے متعلق حکم نازل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حج اور عمرہ کو خالص اللہ کے لیے پورا کرو نہ تو شروع کر کے درمیان میں چھوڑ و اور نہ حج کا احرام باندھ کر اس کو فسخ کر کے عمرہ بناؤ جو شروع کیا ہے اسی کو پورا کرو اور حج اور عمرہ کے آداب وسنن کو پورا پورا ملحوظ رکھو بغیر اس کے حج اور عمرہ ناتمام رہے گا اور حج اور عمرہ کا تمام سفر خالص اللہ کے لیے کرو اس لئے کہ بغیر اخلاص کے عبادت میں حسن پیدا نہیں ہوتا ہے اور سفر حج میں انفاق فی سبیل اللہ اور احسان سے دریغ نہ کرو، سفر حج وعمرہ میں خیرات کرنے سے دوگنا اجر ملتا ہے پس اگر احرام باندھنے کے بعد تم حج اور عمرہ کے پورا کرنے سے دشمن یا مرض یا خرچ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے یا کسی اور عذر کے پیش آجانے کی وجہ سے روک دیئے جاؤ اور پھر تم بیت اللہ تک نہ پہنچ سکو تو ایسی حالت میں حکم یہ ہے کہ فی الحال حج اور عمرہ کو ملتوی کر دو اور احرام سے حلال ہونے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرو کہ قربانی کرنے کیلئے جو جانور بھی تم کو میسر ہو خواہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری ہو اس کو حرم کی سرزمین پر بھیج دو تا کہ وہ قربانی حرم میں ذبح کر دی جائے اور سر منڈا کر اس وقت تک احرام کھول کے حلال نہ ہو جب تک کہ وہ قربانی کا جانور اپنے خاص موقع محل پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے اور ہدی کے ذبح کا محل اور موقع حرم ہے وہاں اس کے ذبح ہو جانے کے بعد سر سے بال اتروا کر حلال ہو جاؤ۔ (معارف القرآن، ادریس کاندھلویؒ ۱/۳۸۹ تا ۳۹۰)

جواب (ج)

احناف کے نزدیک عمرہ کرنا واجب ہے یا سنت ہے؟:

واضح رہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک عمرہ کرنا سنت ہے اور اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سے معلوم کیا کہ عمرہ کرنا واجب ہے؟ تو آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں واجب تو نہیں ہے لیکن کرلو تو بہتر اور افضل ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے عمرہ کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

اب اگر کوئی یہ اعتراض کرتا ہے کہ آیت کریمہ میں ''اتموا''، فعل امر حج اور عمرہ دونوں سے متعلق ہے اگر عمرہ کو سنت قرار دیا جائے گا تو حج کا بھی سنت ہونا لازم آئے گا حالانکہ حج کرنا فرض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! آپ کی بات صحیح ہے یہاں ''اتموا''، فعل امر ہے اور اس کا تعلق حج اور عمرہ دونوں ہی سے ہے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ امر ابتداء اسلام کا ہے اور ابتداء اسلام میں حج اور عمرہ دونوں کا کرنا سنت ہی تھا، حج کو اللہ رب العزت نے بعد میں فرض کیا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (د)

محصر اپنی ہدی کہاں ذبح کرے گا؟:

واضح رہے کہ وہ شخص جو حج یا عمرہ کا احرام باندھے اور پھر کسی وجہ سے بیت اللہ تک نہ پہنچ سکے اسکو شریعت کی اصطلاح میں محصر کہا جاتا ہے، احناف کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ یہ جائے احصار سے اپنی ہدی کو حرم روانہ کرے گا اور حرم میں اس کے جانور کو ذبح کیا جائے گا، اس کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ کا فرمایا یہ ہے کہ محصر جائے احصار ہی پر اپنی قربانی کو ذبح کرے گا اور وہیں اس کے گوشت کو غرباء میں تقسیم کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ میں احناف اور شوافع دونوں نے صلح حدیبیہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، صلح حدیبیہ میں جب حضور علیہ السلام کو کفار نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا تو آپ علیہ السلام نے وہی اپنی قربانی کو ذبح کیا تھا، شوافع حضور علیہ السلام کے اس عمل سے

استدلال کرتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ محصر اپنی قربانی جائے احصار ہی پر ذبح کرے گا، جبکہ احناف کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے اور حضور علیہ السلام نے اسی حصہ میں اپنی قربانی کو قربان کیا تھا پس اس سے ثابت ہوتا ہے محصر اپنی قربانی کو حرم بھیجے گا اور حرم ہی میں قربان کیا جائے گا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۹﴾

(وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ) أَدُّوهُمَا بِحُقُوقِهِمَا (فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ) مُنِعْتُمْ عَنْ إِتْمَامِهَا بِعَدُوٍّ (فَمَا اسْتَيْسَرَ) تَيَسَّرَ (مِنَ الْهَدْيِ) عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاة (وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ) أي لاتحللوا (حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ) حَيْثُ يَحِلّ ذَبْحه وَهُوَ مَكَان الْإِحْصَار عِنْد الشَّافِعِيّ رحمه الله۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ''اتموا'' فعل امر وجوب کے لئے ہے یا ندب کیلئے؟ تحریر کریں (ج) احصار کسے کہتے ہیں؟ تحریر کریں (د) ''محلہ'' کی تفسیر احناف کیا کرتے ہیں اور ''استیسر'' کی تفسیر ''تیسر'' سے کیوں کی گئی ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو، یعنی ان دونوں کو ان کے حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرو، پس اگر تم حج اور عمرہ کو پورا کرنے سے دشمن یا اس جیسی کسی اور چیز کے ذریعہ روک دئے جاؤ تو تم پر ہدی یعنی قربانی کا جانور بکری وغیرہ جو بھی تمہیں میسر ہو (قربان کرنا) لازم ہے، اور جب تک ہدی اپنے مقام پر یعنی اس جگہ جہاں اس کو ذبح کرنا جائز ہے نہ پہنچ جائے اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ، یعنی احرام سے حلال مت ہوؤ، اور وہ جگہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احصار کی جگہ ہے۔

جواب (ب)

''اتموا''فعل امر وجوب کے لئے ہے یا ندب کیلئے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ''اتموا''فعل امر برائے ندب ہے برائے وجوب نہیں ہے، اوراس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اس فعل امر کا تعلق حج اور عمرہ دونوں سے ہے اب اگر اس کو برائے وجوب مانیں تو حج کی طرح عمرہ کا بھی فرض ہونا لازم آتا ہے حالانکہ عمرہ کرنا فرض نہیں ہے، اس لئے علماء نے اس کو برائے ندب قرار دیا ہے، اب اگر یہاں کوئی یہ اعتراض کرتا ہے کہ اس فعل امر کو بارئے ندب قرار دینے میں حج کا بھی سنت ہونا لازم آتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے جناب! آیت کریمہ میں مذکور یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے، شروع اسلام میں حج اور عمرہ دونوں ہی سنت تھے پھر بعد میں اللہ رب العزت نے حج کو فرض کردیا اور عمرہ اپنی سابقہ حالت پر باقی رہا، پس ''اتموا'' فعل امر کا تعلق اس وقت صرف عمرہ سے ہے اور یہ برائے ندب ہی ہے۔

(حاشیہ جلالین شریف ۱/۲۹)

جواب (ج)

احصار کسے کہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر حرم جانے والا شخص اگر کسی وجہ سے حرم نہ پہنچ سکے تو شریعت کی اصطلاح میں اس کے رک جانے کو احصار اور اس کو محصر کہا جاتا ہے، احناف کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ یہ جائے احصار سے اپنی ہدی کو حرم روانہ کرے گا اور حرم میں اس کے قربانی کے جانور کو ذبح کیا جائے گا، اس کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ کا فرمایا یہ ہے کہ محصر جائے احصار ہی پر اپنی قربانی کو ذبح کرے گا اور وہیں اس کے گوشت کو غرباء میں تقسیم کیا جائے گا۔ کمامر۔

جواب (د)

''محلہ'' کی تفسیر احناف کیا کرتے ہیں؟:

واضح رہے کہ مفسر علام الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لفظ ''محلہ'' کی

تفسیر مکان احصار سے کی ہے، جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے کہ شوافع کے نزدیک یہی حکم ہے کہ محصر اپنی ہدی کو مقام احصار ہی پر ذبح کرے گا، لیکن احناف ''محله'' کی تفسیر حرم سے کرتے ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک محصر کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنی ہدی کو حرم روانہ کردے اور جب وہ ہدی وہاں جا کر قربان ہو جائے تب احرام سے باہر آئے۔

''والمعنی عند ابی حنیفۃ لا تحلوا حتی تعلموا ان الھدی الذی بعثت، وھا الی الحرم بلغ محله ای مکانه الذی یجب ان ینحر فیه وھو الحرم''..........(حاشیہ جلالین شریف ۱/ ۲۹)

''استیسر'' کی تفسیر ''تیسر'' سے کیوں کی گئی ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کی تفسیر میں لفظ ''استیسر'' کی تفسیر ''تیسر'' سے کیوں کی گئی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! ''استیسر'' کی تفسیر ''تیسر'' سے یہ بتانے کیلئے کی گئی ہے کہ ''استیسر'' میں جو سین ہے یہ کسی زائد معنی کیلئے نہیں ہے بلکہ یہاں یہ لفظ ''تیسر'' کے معنی میں ہے۔ (حاشیۃ الصاوی ۱/ ۱۵۰)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۹﴾

(اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ) عَلَى نَفْسه (فِيهِنَّ الْحَجَّ) بِالْإِحْرَامِ بِهِ (فَلَا رَفَثَ) جِمَاعَ فِيهِ (وَلَا فُسُوْقَ) مَعَاصٍ (وَلَا جِدَالَ) خِصَام (فِي الْحَجِّ) وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ الْأَوَّلَيْنِ وَالْمُرَاد فِي الثَّلَاثَة النَّهْي (وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ) كَصَدَقَةٍ (يَعْلَمْهُ اللّٰهُ) فَيُجَازِيكُمْ بِهِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) ''اشھر معلومات'' کی تعیین کرتے ہوئے ائمہ کرام کا اختلاف تحریر کریں

(د) ''وقته وفی قراءة بفتح الاولین والمراد فی الثلثة'' کی وضاحت تحریر کریں
(ھ) ''رفث، فسوق ''اور'' جدال'' کی لغوی اور صرفی تحقیق کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

حج کا وقت متعین مہینے ہیں پس جس نے ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ کر اپنے او پر حج لازم کرلیا تو اس کے لئے نہ تو احرام کی حالت میں فحش بات یعنی جماع کرنا جائز ہے اور نہ معاصی کا ارتکاب کرنا جائز ہے اور حج میں لڑائی جھگڑا نہیں ہے اور ایک قرأت میں پہلے دونوں الفاظ یعنی ''رَفَثَ ''اور''فُسُوْق ''میں فتحہ ہے اور تینوں صیغوں سے نہی مراد ہے اور تم جو بھی کار خیر صدقہ وغیرہ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے پس اللہ تم کو اس کا بدلہ عطاء کرے گا۔

جوب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ شان نزول حضرت امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اسباب النزول میں بحوالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ یمن کے لوگ جب حج کرنے آتے تھے تو سفر کے لیے انتظام نہیں کرتے تھے ان کے پاس کسی طرح کا زادِ راہ نہیں ہوتا تھا اور یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم توکل والے لوگ ہیں لیکن جب مکہ معظّمہ پہنچ جاتے تھے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے، اس لئے اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور حج کے لئے آنے والے لوگوں کو حکم دیا کہ زادِ راہ ساتھ لیکر چلا کریں تاکہ کسی سے سوال کرنے کی نوبت نہ آئے۔

(انوار البیان ۱/ ۲۸۸)

جواب (ج)

''اشهر معلومات'' کی تعیین اور ائمہ کرام کے اختلاف کی وضاحت:

آیت کریمہ میں ''اشهر معلومات '' سے کون کون سے مہینے مراد ہیں اس سلسلے میں

حضرات ائمہ کرام کا اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ''اشهر معلومات'' سے شوال ، ذی قعدہ کا مکمل مہینہ اور ذی الحجہ کے اول دس دن مراد ہیں ،جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ''اشهر معلومات'' سے مراد شوال اور ذی قعدہ کے مکمل مہینے اور ذی الحجہ کی اولین دس راتیں ہیں اور دسواں دن اس میں داخل نہیں ہے ،اس کے برخلاف حضرت امام مالک کے نزدیک اس سے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحج کے تمام مہینے مراد ہیں۔ (کمالین ۱/۲۳۳)

جواب (د)

''وقته وفي قراءة بفتح الاولين'' کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے اپنی اس تفسیری عبارت سے چند مختلف باتوں کو بیان کیا ہے.... چنانچہ ''وقته'' سے اس بات کو بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ''الحج'' کا مضاف الیہ محذوف ہے،اس کی اصل عبارت ''وقت الحج اشهر معلومات'' ہے،اور ''وفي قراءة'' سے مفسرؒ نے اس بات کو بیان کیا ہے آیت کریمہ میں ''فلا رفث ولا فسوق ولا جدال'' چار طرح سے پڑھا جا سکتا ہے (۱) تینوں جملوں پر نصب پڑھا جائے (۲) تینوں جملوں پر رفع پڑھا جائے (۳) پہلے دو جملوں پر رفع اور تیسرے پر نصب پڑھا جائے (۴) پہلے دو جملوں پر نصب اور تیسرے پر نصب پڑھا جائے۔

''والمراد في الثلثة'' کی وضاحت:

مفسر علیہ الرحمۃ نے اپنی اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے قول ''فلا رفث ولا فسوق ولا جدال'' سے یہ بیان کیا ہے حج میں یہ تینوں کام نہیں ہیں لیکن مشاہدہ یہ ہے حج میں یہ تینوں کام ہوتے ہیں تو پھر اللہ رب العزت کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب! آیت کریمہ میں مذکور تینوں جملے برائے نفی نہیں ہیں بلکہ برائے نہی ہیں اور مطلب یہ ہے حج میں مذکور تینوں کام نہیں کرنے چاہئے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ھ)

”رفث، فسوق “اور”جدال “ کی لغوی اور صرفی تحقیق:

رفث: باب سمع کا مصدر ہے، بمعنی فحش گوئی کرنا، یہاں اس سے کنایۃً جماع مراد ہے۔

فسوق: باب نصر کا مصدر ہے، بمعنی حق کی راہ سے انحراف کرنا۔

جدال: باب مفاعلت کا مصدر ہے، بمعنی بحث ومباحثہ کرنا، جھگڑا کرنا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۰﴾

(وَإِذَا تَوَلّٰی) انْصَرَفَ عَنْكَ (سَعٰی) مَشَى (فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ) مِنْ جُمْلَةِ الْفَسَادِ (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ) أَيْ لَا يَرْضَى بِهِ (وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ) فِي فِعْلِكَ (أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ) حَمَلَتْهُ الْأَنَفَةُ وَالْحَمِيَّةُ عَلَى الْعَمَلِ (بِالْإِثْمِ) الَّذِي أُمِرَ بِاتِّقَائِهِ (فَحَسْبُهُ) كَافِيهِ (جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ) الْفِرَاشُ هِيَ لَهُ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کرترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج)”لہ“اور”ھی“ کا مرجع متعین کرتے ہوئے جس کے متعلق مذکورہ آیت نازل ہوئی ہے اس کا نام تحریر کریں (د) مفسرؒ نے ”من جملة الفساد “اور” لا یرضی “ لکھ کر کیا بیان کیا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور جب وہ آپ علیہ السلام کی مجلس سے واپس جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کرتا ہے اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرتا ہے اور اللہ رب العزت فاسد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں یعنی اس سے راضی نہیں ہوتے ہیں، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے اعمال میں

اللہ رب العزت سے ڈر تو اس کو اس کا تکبر اور جہالت اسی گناہ پر آمادہ کرتا ہے جس بچنے کی اس کو تاکید کی جاتی ہے پس اس کیلئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا بچھونا ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی یہ ایک باوجیہ شخص تھا اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں آتا تھا اور بہت میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا، اور آپ کے پاس بیٹھ کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس پر قسمیں کھاتا تھا لیکن اندر سے سخت منافق تھا حضور علیہ السلام اس کو اس کی ظاہری باتوں کی وجہ سے قریب بٹھاتے تھے، ایک دن یہ آپ علیہ السلام کے پاس آیا اور جب واپس ہوا تو اس کا گذر مسلمانوں کی کھیتیوں سے ہوا جہاں گدھے بھی چر رہے تھے اس نے کھیتیوں کو آگ لگادی اور گدھوں کے پاؤں کاٹ کر چلا گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے اس منافق کی حرکات سے اپنے پاک نبی اور تمام مسلمانوں کو مطلع فرمادیا۔ (انوار البیان ۱/ ۲۹۵ تا ۲۹۶)

جواب (ج)

”لہ“ اور ”ھی“ کا مرجع اور جس کے متعلق یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی ہے اس کا نام؟:

واضح رہے کہ عبارت مذکورہ میں ”لہ“ کا مرجع اس شخص کی ذات ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور ”ھی“ کا مرجع جہنم ہے۔

اور جس شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کا نام اُبی ہے اور یہ اخنس بن شریق منافق کے نام سے مشہور ہے۔

جواب (د)

مفسرؒ نے ”من جملۃ الفساد“ اور ”لا یرضیٰ“ لکھ کر کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے اپنی عبارت ”من جملۃ الفساد“ سے اس بات کو

بیان کیا ہے کہ یہاں مبتداء کی خبر محذوف ہے اور اس کی اصل عبارت ''هذا من جملة الفساد'' ہے۔اور''لایرضیٰ'' سے مفسرؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کی محبت سے مراد اس کی مرضی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۵۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۲﴾

(**يَسْئَلُونَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ**) الْمُحَرَّمِ (**قِتَالٍ فِيهِ**) بَدَل اشْتِمَال (**قُلْ**) **لَهُمْ** (**قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ**) عَظِيم وِزْرًا مُبْتَدَأ وَخَبَر (**وَصَدٌّ**) مُبْتَدَأ مَنع لِلنَّاسِ (**عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ**) دِينه (**وَكُفْرٌ بِهِ**) بالله (وَ) صَدٌّ عن (**الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**) أَیْ مَکَّة (**وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ**) وَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَخَبَر الْمُبْتَدَأ (**أَكْبَرُ**) أَعْظَم وِزْرًا (**عِنْدَ اللّٰهِ**) مِنَ الْقِتَال فِيهِ (**وَالْفِتْنَةُ**) الشِّرْك مِنْكُمْ (**أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) تفسیر مع فوائد تحریر کریں (د) اشہر حرم کون کون سے مہینے ہیں اور ان میں قتال کا کیا حکم ہے؟ تحریر کریں اور آیت کریمہ کی نحوی ترکیب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

لوگ آپ سے ماہ حرام کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان میں لڑنا کیسا ہے''قِتَال فیه''.... ''عن الشهر الحرام'' سے بدل الاشتمال ہے آپ ان کو بتا دیجئے کہ ان میں قتال کرنا بہت بڑا یعنی گناہ کے اعتبار سے بڑا جرم ہے''قتال فيه'' مبتداء اور خبر ہیں، اور لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی اس کے دین سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی مکہ سے روکنا اور اہل حرم یعنی نبی اور مؤمنین کو حرم سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس میں قتال کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے''صَدٌّ'' مبتداء ہے اور''اکبر عند الله'' اس کی خبر ہے، اور فتنہ یعنی تمہارا شرک کرنا قتال کرنے

سے (بھی) بڑا (جرم) ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

یہ آیت ایک اہم واقعہ کے ضمن میں نازل ہوئی ہے واقعہ یہ ہے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی امارت میں چند مہاجر صحابہؓ کا سریہ روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ مقام بطن نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) میں پہنچ کر قریش کے قافلہ کا انتظار کرنا، ممکن ہے کہ کوئی خیر کی خبر لے آؤ، یہ حضرات وہاں پہنچے تو قریش کا قافلہ گزرتا ہوا نظر آیا جو طائف سے سامان تجارت کشمش وغیرہ لے کر آ رہا تھا، یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور نوفل بن عبداللہ پر مشتمل تھا، ان لوگوں نے حضرات صحابۂ کرامؓ کو دیکھا تو ڈر گئے، امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو گئے ہیں لہٰذا ان پر حملہ کر دینا چاہئے جب مشورہ سے یہ بات طے ہو گئی تو حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا، یہ پہلا مشرک تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا، نیز حضرات صحابہؓ نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا، یہ دونوں سب سے پہلے قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا تھا، قافلہ کا ایک فرد نوفل بن عبداللہ قابو میں نہ آیا اور فرار ہو گیا، حضرات صحابہؓ اس قافلہ کے سامان اور دونوں قیدیوں کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرات صحابہ نے یہ حملہ جمادی الاخریٰ کی انتیس تاریخ کے بعد آنے والے دن میں کیا تھا اور اس سے اگلا مہینہ رجب کا تھا اور رجب کا مہینہ ان چاروں مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں جنگ کرنا ممنوع تھا زمانہ جاہلیت میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں قتال نہیں کرتے تھے اور ابتدائے اسلام میں بھی ان میں قتال کرنے کی ممانعت تھی اگرچہ صحابہ کرامؓ کے مذکورہ حملہ کے وقت رجب کے مہینے کا شروع ہونا متحقق نہیں تھا لیکن قریش مکہ نے اس کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنا لیا، اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رجب کے مہینے میں قتال حلال کر لیا ہے اس مہینہ میں لوگ امن کے ساتھ چلتے پھرتے تھے اور اپنی روزیوں کے لیے منتشر

ہو جاتے تھے مسلمانوں نے اس کو بھی انتشار کا شکار دیا ہے، اس اعتراض کو انہوں نے بہت اہمیت دی مسلمانوں کی جس جماعت نے حملہ کیا تھا ان کو قریش مکہ نے عار دلائی، خود حضور علیہ السلام کو بھی صحابہؓ کا حملہ آور ہونا پسند نہیں آیا اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو تمہیں اشہر حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، آپ نے یہ سامان اور دونوں قیدیوں کا معاملہ موقوف رکھا اور اس مال میں سے کچھ بھی نہیں لیا، جس جماعت نے یہ کارروائی کی تھی انہیں بڑی ندامت ہوئی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جس دن ہم نے عمرو بن حضرمی کو قتل کیا ہے اس دن شام کو جو چاند نظر آیا تو اس کے اعتبار سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ قتل ہم سے جمادی الاخری میں ہوا ہے یا رجب میں، اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے قافلہ کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا جو مال غنیمت کا اصول ہے، اور باقی مال اسی جماعت پر تقسیم کر دیا جنہوں نے قافلہ سے مال چھینا تھا، اور جو دو قیدی مسلمانوں نے پکڑے تھے ان کو مال دے کر مکہ والوں نے چھڑا لیا، پھر ان دونوں میں سے حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں رہے اور بیر معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے اور دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ مکہ معظمہ واپس جا کر حالت کفر میں مر گیا۔ (انوار البیان ۱/۳۱۳)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

رجب کے مہینے میں قتال کرنے کے سلسلے میں مشرکین نے مسلمانوں پر جو اعتراض کیا تھا اس آیت میں اللہ رب العزت نے اس اعتراض کا جواب ارشاد فرمایا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ اے نبی! آپ ان مشرکین سے فرما دیجیے کہ اشہر حرام میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن مشرکین کو اپنے کرتوت نظر نہیں آتے، اللہ کی راہ سے روکنا دین حق قبول کرنے والوں کو منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام مثلا حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کو وہاں سے نکالنا انہیں وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کرنا اللہ کے نزدیک اشہر حرم میں قتال کرنے سے بھی بڑا گناہ اور جرم ہے۔

فوائد تفسیر:

قوله: المحرم....

اس جملہ سے مفسرؒ نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ''الشهر الحرام ''میں مصدر کا حمل ذات پر ہو رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے، مفسرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ''الحرام'' مصدر ''المحرم'' مفعول کے معنی میں ہے اور جب ایسا ہے تو پھر یہاں آپ کا مذکورہ اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔

قوله: قتال فيه.....

یہ ''الشهر الحرام'' سے بدل الاشتمال ہے اس لئے کہ ''الشهر الحرام'' اداء مقصود کے لئے ناکافی ہے، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے ''قتال فيه'' نکرہ ہے اور ''الشهر الحرام'' معرفہ ہے، اور نکرہ کا معرفہ سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے تو یہاں یہ کیسے بدل واقع ہو رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! معرفہ سے جس نکرہ کا بدل واقع ہونا ممنوع ہے وہ نکرۂ غیر موصوفہ ہے رہا نکرہ موصوفہ تو اس کا معرفہ سے بدل واقع ہونا درست ہے اس کی تقدیر عبارت ''قِتَال كائن فيه'' ہے۔

قوله: مبتداء وخبرٌ....

مفسرؒ نے اس جملہ سے بھی ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ''قتال فيه كبير'' مبتداء اور خبر ہیں اور ''قتال'' نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے تو پھر یہ یہاں کس طرح مبتداء واقع ہو رہا ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نکرہ اگر موصوف ہو تو اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہے اور یہاں ''فيه قتال'' اس کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے ''قتال كائنٍ فيه كبير'' اس لئے یہاں اس کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہے۔

واضح رہے کہ بعض حضرات نے ''قتالٌ فيه كبير'' کو جملہ موصوفہ قرار دیا ہے اور اس کو قول کا مقولہ بنایا ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مقولہ کا جملہ تامہ ہونا ضروری ہے اور ''قتالٌ فيه كبير'' جملہ تامہ نہیں ہے۔

قوله: اَکبر....

اس جملہ سے بھی مفسرؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں ''اکبر'' مبتداء کی خبر واقع ہو رہا ہے حالانکہ ''اکبر'' تو مفرد ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ ''اکبر'' افعل کے وزن پر ہے اور افعل کا وزن واحد تثنیہ جمع مذکر و مؤنث سب میں استعمال ہوتا ہے، بایں وجہ یہاں اس کا خبر واقع ہونا صحیح ہے۔

قوله: وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ.....

یہاں سے بھی مفسرؒ نے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ ''اَلْفِتْنَةُ اکبر'' مبتداء اور خبر کس طرح ہیں ان میں تو مطابقت نہیں ہے؟ مفسرؒ فرماتے ہیں جناب! یہاں ''فتنة'' سے ''شرک'' مراد ہے، اور جب ایسا ہے تو ان کے مابین مطابقت موجود ہے بایں وجہ ان کا مبتداء اور خبر ہونا صحیح ہے۔ (جمالین ۱/۳۶۱)

جواب (د)

اشہر حرم کون کون سے مہینے ہیں اور ان میں قتال کا کیا حکم ہے؟:

واضح رہے کہ اشہر حرم چار مہینے ہیں (۱) ذیقعدہ (۲) ذی الحجہ (۳) محرم (۴) رجب۔

ان چار مہینوں میں ابتداء بالقتال کرنا ممنوع ہے لیکن اگر کفار حملہ آور ہو جائیں تو پھر مدافعانہ قتال کرنے کی اجازت ہے۔ (جمالین ۱/۳۶۴)

آیت کریمہ کی نحوی ترکیب:

آیت کریمہ کی نحوی ترکیب یہ ہے.......

''یسئلونک'' فعل بافاعل ''ک'' ضمیر مفعول ''عن'' حرف جر ''الشهر'' موصوف ''الحرام'' صفت، موصوف اپنی صفت سے ملکر مجرور، جار مجرور سے ملکر ''یسئلونک'' سے متعلق ہوکر مبدل منہ ''قتال'' مصدر ''فیه'' جار مجرور ''قتال'' سے متعلق ہوکر بدل الاشتمال ''قل'' فعل بافاعل ''قتال'' مصدر ''فیه'' جار مجرور اس کے متعلق ہوکر مبتداء ''کبیر'' خبر ''و'' عاطفہ ''صد'' مبتداء مصدر ''عن سبیل الله'' جار مجرور سے ملکر ''صد'' سے متعلق

ہو کر معطوف ''و'' عاطفہ ''کــفــر'' مصدر ''بــــه'' جار مجرور ہو کر اس کے متعلق ''و'' عاطفہ ''الـمسـجـد الـحـرام'' موصوف صفت ''و'' عاطفہ ''اخراج'' مصدر مضاف ''اهله'' مضاف الیہ ''منه''.... ''اخراج'' سے متعلق ''اکبر'' خبر..... ''و'' عاطفہ ''عند'' ظرف مکان مضاف ''اللّٰه'' مضاف الیہ ''و'' عاطفہ ''الفتنة'' مبتداء ''اکبر'' خبر ''من القتل'' اس کے متعلق۔

(اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابراہیم ۳۴)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۲﴾

(وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ) بَطَلَتْ (أَعْمَالُهُمْ) الصَّالِحَة (فِي الدُّنْيَا وَالْأٰخِرَةِ) فَلَا اعْتِدَاد بِهَا وَلَا ثَوَاب عَلَيْهَا وَالتَّقَيُّد بِالْمَوْتِ عَلَيْهِ يُفِيد أَنَّهٗ لَوْ رَجَعَ إِلَى الْإِسْلَام لَمْ يَبْطُل عَمَله فَيُثَاب عَلَيْهِ وَلَا يُعِيدهٗ كَالْحَجِّ مَثَلًا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ (وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ارتداد حبطِ اعمال ہے یا نہیں؟ اور اس کے متعلق فقہاء کا کیا اختلاف ہے؟ مفسرؒ نے اپنے مسلک کی تائید میں آیتِ مذکورہ سے استدلال کیا ہے اس کا احناف کی جانب سے کیا جواب ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا، اور وہ کفر ہی کی حالت میں رہے گا تو اس کے اعمال صالحہ دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے نہ تو ان اعمال کا شمار ہوگا اور نہ ان پر اجر ملے گا اور

کفر ہی پر مرنے کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر یہ شخص اسلام کی طرف واپس آ گیا تو اس کا عمل ضائع نہیں ہوگا، لہٰذا اس پر ثواب عطا کیا جائیگا اور وہ اس عمل کا اعادہ نہیں کرے گا جیسا کہ حج وغیرہ ہیں امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہی مذہب ہے، اور ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مرتد کے احکام بیان کئے ہیں اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دین اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کر لیتا ہے تو چونکہ اسلام کے علاوہ ہر دین کفر ہی ہے اس لئے اس کے زمانۂ اسلام میں کئے ہوئے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور کفر کی وجہ سے ان کا اجر و ثواب ختم ہو جاتا ہے دنیا میں بھی ان اعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ان کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا، اور دوسرے کافروں کی طرح وہ بھی ہمیشہ کیلئے دوزخ میں جائے گا۔

جواب (ج)

ارتداد محبط اعمال ہے یا نہیں؟:

واضح رہے کہ ارتداد کے محبط اعمال ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک اگر مرتد مرنے سے پہلے پہلے دوبارہ مسلمان ہو جائے اس کا ارتداد محبط اعمال نہیں ہے اور اس کے ماقبل میں کئے ہوئے اعمال اکارت نہیں ہوں گے مثلاً اس نے حج کیا ہے تو اس کے حج کا ثواب اکارت نہیں ہوگا، اور اگر مرتد حالت ارتداد ہی میں انتقال کر جائے تو پھر اس کے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں، اس کے برخلاف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا فرمانا یہ ہے کہ ارتداد مطلقاً محبط اعمال ہے پس اگر کسی نے اسلام کو ترک کر کے کفر کو اختیار کر لیا تو اس کے تمام اعمال خواہ وہ بعد میں ایمان ہی کیوں لے آئے اکارت ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے قول کی تائید میں آیت مذکورہ سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ارتداد کے بعد اعمال کے اکارت ہونے کیلئے حالت ارتداد میں مرنے کی شرط لگائی گئی ہے اس شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت ارتداد میں نہ مرے بلکہ مرتد ہو کر دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کے اعمال اکارت نہیں ہونگے۔

واضح رہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ مفسر علامؒ کی اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں جناب! آیت کریمہ میں ارتداد کے بعد مرنے کی جو قید لگائی گئی ہے یہ خلود فی النار ہونے کیلئے ہے ارتداد کے بعد اعمال اکارت ہونے کیلئے نہیں ہے اعمال تو مطلق ارتداد ہی سے اکارت ہو جاتے ہیں البتہ خلود فی النار ہونے کیلئے حالت ارتداد میں مرنا شرط ہے اگر کوئی مرتد ہونے کے بعد دربارہ ایمان لے آئے تو وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۳﴾

(**يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ**) القمار ما حكمها (**قُلْ** لَهُمْ (**فِيهِمَآ**) أَيْ فِي تَعَاطِيهِمَا (**إِثْمٌ كَبِيرٌ**) عَظِيم وَفِي قِرَاءَة بِالْمُثَلَّثَةِ لِمَا يَحْصُلُ بِسَبَبِهِمَا مِنَ الْمُخَاصَمَة وَالْمُشَاتَمَة وَقَوْلِ الْفُحْش (**وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ**) أَيْ مَا يَنْشَأُ عَنْهُمَا مِنَ الْمَفَاسِد (**أَكْبَرُ**) أَعْظَم (**مِنْ نَفْعِهِمَا**) وَلَمَّا نَزَلَتْ شَرِبَهَا قَوْم وَامْتَنَعَ عَنْهَا آخرون إِلَى أَنْ حَرَّمَتْهَا آيَة الْمَائِدَة۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''یسئلونک'' ضمیر کا مرجع متعین کریں (د) خمر اور میسرہ کا حکم تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ ان میں کیا کیا منافع ہیں؟ آج کل لاٹری کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بھی میسرہ میں داخل ہے؟ جواب تحریر کریں، آیت مائدہ کونسی ہے اس کی تعیین کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

لوگ آپؐ سے شراب اور جوئے کا حکم معلوم کرتے ہیں آپؐ ان کو بتا دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور ایک قراءت میں ''کبیر'' ثاء مثلثہ کے ساتھ یعنی ''کثیر'' ہے اس لئے کہ ان دونوں کی وجہ سے عداوت اور گالی گلوچ اور فحش گوئی کی نوبت آتی ہے اور ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ یعنی ان کا وہ مفسدہ جو ان دونوں سے پیدا ہوتا ہے ان کے نفع سے بہت بڑا ہے، اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کچھ لوگ شراب پیتے رہے اور کچھ پینے سے باز آ گئے، حتیٰ کہ سورۂ مائدہ کی آیت نے اس کو حرام کر دیا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے شراب اور جوئے کی مذمت بیان کیا ہے، واضح رہے کہ جس طرح خدا کی راہ میں جان و مال کو خرچ کرنا دین اور دنیا کی عزتوں کا سبب ہے اسی طرح شراب و کباب اور قمار یعنی جوئے میں مال کا خرچ کرنا دینی اور دنیاوی تباہی کا موجب ہے اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اے نبی! یہ لوگ آپ سے شراب اور قمار یعنی جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے استعمال میں فقط ایک گناہ نہیں بلکہ ان کے اندر بہت سے بڑے بڑے گناہ مضمر اور پوشیدہ ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ معمولی فائدے بھی ہیں اس لیے کہ لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا جائے یا نہ کیا جائے فوائد اور منافع کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال جائز ہو اور مفاسد کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال ممنوع ہو آپؐ ان سے یہ فرما دیں کہ شراب اور قمار کا گناہ اور ضرر ان کے نفع اور فائدہ سے کہیں زیادہ ہے شراب اور قمار سے اول تو دنیا ہی میں بہت مضرتیں لاحق ہوتی ہیں مثلاً شراب پی کر عقل جیسی بے مثال نعمت ہاتھ سے کھو دینا اور بدمستیوں اور گالیوں میں مبتلا ہو جانا اور بغض و عداوت میں پڑ جانا ہے غرض یہ کہ شراب عقل کو برباد کر دیتی ہے اور قمار مال کو برباد کرتا ہے اور اگر بالفرض ان چیزوں سے دنیا میں

کوئی نقصان نہ ہوتا تب بھی گناہ اور آخرت کی مضرت کے مقابلہ میں دنیا کے چند روزہ منافع کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ شراب کی حرمت چار مرحلوں میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں پہلے مرحلہ کا بیان ہے یہاں اللہ رب العزت نے صرف شراب کے نقصانات کو بیان کیا ہے لیکن چونکہ اس آیت میں شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے بعض لوگوں نے اس آیت کے بعد بھی شراب کے پینے کو جاری رکھا اور بعض نے یہ سوچ کر کہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں اس کے پینے کو ترک کر دیا اس کے بعد اللہ رب العزت نے چوتھے مرحلہ میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل فرمائی اور اس میں قیامت تک کیلئے امت محمدیہ کیلئے شراب کو حرام قرار دے دیا۔

جواب (ج)

''یسئلونک'' میں ضمیر کا مرجع:

واضح رہے کہ ''یسئلونک'' میں ضمیر کا مرجع حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت معاذؓ بن جبل ورصحابۂ کرام کی ایک جماعت ہے۔

جواب (د)

خمر اور میسرہ اور لاٹری کا حکم اور ان کے منافع کی وضاحت:

واضح رہے کہ خمر اور میسرہ دونوں حرام اور ناجائز ہیں اور آج کل لاٹری کا کھیل بھی میسرہ ہی میں داخل ہے اس لئے اس کا کھیلنا بھی حرام ہے۔

واضح رہے کہ خمر اور میسرہ میں جن منافع کے ہونے کا اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے مفسرینؒ ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان میں منافع یہ ہیں کہ شراب میں انسان کو لذت محسوس ہوتی ہے اگرچہ یہ لذت عارضی ہوتی ہے اور میسرہ میں یہ نفع ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی کو بغیر مشقت کے مال حاصل ہو جاتا ہے۔

آیت مائدہ کونسی ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مائدہ سے مراد سورۂ مائدہ کی وہ آیت ہے جس میں اللہ رب العزت نے

شراب اور جوئے کو حرام قرار دیا ہے اور وہ آیت.....

"یا ایها الذین امنوا انما الخمر و المیسر.. الخ....." ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۵﴾

(وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ)أَیْ لِيُرْضِعْنَ (اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ) عَامَيْنِ (كَامِلَيْنِ) صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ ذٰلِكَ (لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ)وَلَا زِيَادَةَ عَلَيْهِ (وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ) أَیْ الْأَبِ(رِزْقُهُنَّ)إِطْعَامُ الْوَالِدَاتِ (وَكِسْوَتُهُنَّ)عَلَى الْإِرْضَاعِ إِذَا كُنَّ مُطَلَّقَاتٍ (بِالْمَعْرُوْفِ) بِقَدْرِ طَاقَتِهٖ۔

(الف)عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں(ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج)فوائد تفسیر کی وضاحت تحریر کریں(د)مفسر علامؒ نے "ولا زیادۃ علیہ" سے کس امام کا مسلک بیان کیا ہے اور اس مسئلہ میں احناف کا کیا مسلک ہے؟مدلل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور جو والدین اپنی اولاد کو پوری مدت رضاعت تک دودھ پلانا چاہیں نہ کہ اس سے زیادہ تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں اور "کامِلَین"...."حَوْلَین" کی صفت مؤکدہ ہے اس صورت میں بچہ کے باپ کو معروف طریقہ سے گنجائش کے مطابق دودھ پلانے کے عوض بچہ کی ماؤں کو کھانا کپڑا دینا ہوگا جب کہ وہ مطلقات ہوں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت بچہ کو دودھ پلانے کے احکام اور دودھ پلانے والی کیلئے اس پر

اجرت لینے کے حکم کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بچہ کو اس کی ماں سے یا کسی غیر عورت سے دودھ پلوانا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے اور ماں اس بچہ کو دو سال تک دودھ پلا سکتی ہے اور اگر کوئی اس مدت میں کمی کرنا چاہئے تو کمی بھی کر سکتا ہے، اور دودھ پلانے والی اگر مطلقہ ہے تو اس کو اس خدمت کے عوض کھانا اور کپڑا ملے گا اور یہ کھانا اور کپڑا شوہر کے حسب حال ہوگا اگر شوہر مالدار ہے تو اعلیٰ اور اگر غریب ہے تو اپنی وسعت کے مطابق جس حیثیت کا کھانا اور کپڑا میسر ہو عورت کو دے گا، واضح رہے کہ دودھ پلانے کی اجرت میں عورت کو کھانا اور کپڑا دینا صرف مطلقہ کیلئے ہے منکوحہ عورت کیلئے نہیں ہے۔

جواب (ج)

فوائد تفسیر:

قولہ: لیرضعن......

مفسرؒ نے "یرضعن" کی تفسیر "لیرضعن" سے کی ہے، اس سے مفسرؒ نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ آیت میں مذکور خبر بمعنی امر ہے اور یہ امر برائے استحباب اور برائے وجوب دونوں ہے، یعنی اگر تین شرائط موجود ہوں تو یہ امر برائے استحباب ہے ورنہ برائے وجوب ہے، اور وہ تین شرائط یہ ہے (۱) باپ اجرت دے کر دودھ پلوانے پر قادر ہو (۲) ماں کے علاوہ دایا وغیرہ موجود ہو (۳) بچہ دوسری عورت کے دودھ کو پی لیتا ہو، پس اگر یہ تین شرائط موجود ہیں تو ماں کیلئے بچہ کو دودھ پلانا مستحب ہے ورنہ واجب ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۳۵)

قولہ: صفة مؤکدة.....

اس جملہ سے مفسرؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں "کاملین"....."حولین" کی صفت ہے جو برائے تاکید لائی گئی ہے۔

قولہ: ذلک....

اس سے مفسرؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے ک آیت کریمہ کے اگلے جملے "لمن" میں "لام" برائے بیان ہے۔

قوله: الأب....

یہ جملہ "مولود له" کی تفسیر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بچہ کیلئے اصل باپ ہوتا ہے اور بچہ اسی کیلئے جنا جاتا ہے اور نسب میں بھی اسی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

جواب (د)

"ولازیادۃ علیه" سے مفسرؒ نے کس امام کا مسلک بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ "ولا زیادۃ علیه" سے مفسرؒ نے حضرت امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کی جانب اشارہ کیا ہے، مدت رضاعت کے متعلق ان تمام فقہاء کرام کا مسلک یہ ہے کہ یہ دوسال ہے اس سے زیادہ نہیں ہے، یہ حضرات اپنے اس مسلک پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "فمن اراد ان یتم الرضاعة" سے مدت رضاعت کو بیان کیا گیا ہے اور اس سے پہلے دوسال کا ذکر ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت رضاعت دوسال ہے، اس کے برخلاف اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ یہ مدت تیس ماہ یعنی ڈھائی سال ہے، آپؒ اپنے اس مسلک پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے آیت کریمہ "وحمله وفصاله ثلثون شهرا" میں حمل اور فصال (دودھ پلانے) کی مدت تیس ماہ یعنی کامل ڈھائی سال بیان کی ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمل وفصال دونوں کی مدت ڈھائی سال ہے لیکن حمل کی مدت میں کمی کے متعلق چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موجود ہے اس لئے وہ تو کم ہو کر دوسال ہوگئی لیکن فصال کے متعلق ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے اس لئے یہ اپنی اصل پر باقی ہے اور اس کی مدت ڈھائی سال ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے جمہور فقہاء کرام کی دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ جس آیت سے آپ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ اس میں رضاعت کی مدت کا بیان نہیں ہے بلکہ اس میں رضاعت کی اجرت کا بیان ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

﴿سوال ۵۵﴾
﴿جلالین شریف صفحہ ۳۶﴾

(لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ) وَفِي قِرَاءَةٍ "تُمَاسُّوهُنَّ" أَيْ تُجَامِعُوهُنَّ (أَوْ) لم (تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً) مهرا وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ ظَرْفِيَّةٌ أَيْ لَا تَبِعَةَ عَلَيْكُمْ فِي الطَّلَاقِ زَمَنَ عَدَمِ الْمَسِيسِ وَالْفَرْضِ بِإِثْمٍ ولا مهر فطلقوهن (وَمَتِّعُوهُنَّ) أَعْطُوهُنَّ مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهِ (عَلَى الْمُوسِعِ) الْغَنِيِّ مِنْكُمْ (قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ) يُفِيدُ أَنَّهُ لَا نَظَرَ إِلَى قَدْرِ الزَّوْجَةِ (مَتَاعًا) تَمْتِيعًا (بِالْمَعْرُوفِ) شَرْعًا صِفَةُ مَتَاعًا (حَقًّا) صفة ثانية أو مصدرية مُؤَكِّدَةٌ (عَلَى الْمُحْسِنِينَ) الْمُطِيعِينَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں اور بتائیں کہ "تمسوھن" اور "تماسوھن" میں معنی کے اعتبار سے کیا فرق ہے اور "أو" کے بعد "لم" کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے اور "متاعاً" کی تفسیر "تمتیعاً" سے کیوں کی گی ہے (ج) متعہ کس کو کہتے ہیں، اس کی کیا مقدار ہے اور یہ کس عورت کیلئے واجب ہوتا ہے؟ تحریر کریں (د) متعہ کی ادائیگی میں مرد وعورت میں کس کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا؟ یہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم نے عورتوں کو اس حال میں طلاق دی کہ تم نے ان کو مس نہیں کیا، اور ایک قراءت میں "تُمَاسُّوهُنَّ" بمعنی "تُجَامِعُوهُنَّ" ہے اور نہ ان کا مہر مقرر کیا، اور "مَا" مصدریہ برائے ظرف ہے یعنی (اگر تم نے عورتوں کو) ہاتھ نہ لگانے اور مہر مقرر نہ کرنے کے زمانہ میں طلاق دی تو اس پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ (اس صورت میں) مہر واجب ہے، البتہ ان عورتوں کو (اس صورت میں) کچھ فائدہ پہنچاؤ یعنی ان کو کچھ عطا کردو جس سے وہ فائدہ حاصل کرلیں، اور تم میں سے خوشحال پر اپنی قدرت کے مطابق اور نادار پر اس کی وسعت کے مطابق قاعدہ کے اعتبار سے فائدہ پہنچانا ہے پس معلوم ہوا کہ اس میں عورتوں کی حیثیت کا اعتبار

نہیں ہے، اور "بالمعروف"... "متاعًا" کی صفت اول ہے، یہ حق ہے خوش اخلاق لوگوں پر یعنی اطاعت گزاروں پر "حقًا"..... "متاعًا" کی صفت ثانیہ ہے یا مصدر مؤکد ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے متعہ کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے عورت سے مہر مقرر کئے بغیر نکاح کیا اور پھر وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے اس کو طلاق دیدی تو اس صورت میں اس پر مہر واجب نہیں ہوگا، البتہ شوہر پر بطور سلوک و احسان اور دلداری کے عورت کو متعہ دینا واجب ہے، اور متعہ کی یہ ادائیگی ہر شخص پر اس کی حیثیت کے اعتبار سے لازم ہے پس اگر آدمی خوش حال ہے تو اس پر اچھا اور اگر تنگ دست ہے تو اس پر اپنی تنگ دستی کے اعتبار سے متعہ ادا کرنا ضروری ہے۔

"تمسوھن" اور "تماسوھن" میں معنی کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟:

مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ایک قرأت میں لفظ "تمسوھن"..... "تماسوھن" وارد ہوا ہے، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں معنی کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ ہے "تمسوھن" میں فعل کی نسبت صرف مرد کی جانب ہے اور "تماسوھن" میں مرد و عورت دونوں کی جانب ہے۔

"أو" کے بعد "لم" کا اضافہ اور "متاعاً" کی تفسیر "تمتیعاً" سے کرنے کی وجہ؟:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں "أو" کے بعد "لم" کا اضافہ کیا ہے، اس اضافہ سے مفسرؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ "او تفرضوا لھن ..... الخ....." کا عطف ماقبل میں مذکور "مالم تمسوھن" پر ہے۔

نیز مفسرؒ نے "متاعاً" کی تفسیر "تمتیعاً" سے کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ "متاعاً" اسم مصدر ہے اور یہ "تمتیعاً" مصدر کے معنی میں ہے۔ (حاشیۃ الصاوی ۱/۱۷۷)

جواب (ج)

متعہ کس کو کہتے ہیں، اس کی کیا مقدار ہے؟:

واضح رہے کہ متعہ عورت کو ملنے والے اس ایک جوڑا کپڑے کو کہتے ہیں جو اسے طلاق قبل الدخول کی صورت میں اس وقت دیا جاتا ہے کہ اس کا مہر مقرر نہیں ہوتا ہے، اس ایک جوڑا کپڑے کی تفصیل علماء نے یہ بیان کی ہے کہ آدمی عورت کو ایک کرتا، ایک دوپٹہ اور ایک خوب چوڑی چادر جو سر سے پاؤں تک آجائے دیدے، متعہ کی کیا مقدار ہے اس سلسلے میں احناف، شوافع اور حنابلہ کے مابین اختلاف ہے، احناف کے نزدیک متعہ کی قیمت پانچ درہم سے کم اور نصف مہر سے زیادہ نہیں ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ اس کو حاکم کی رائے اور اجتہاد پر موقوف کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ متعہ کی قیمت کے متعلق فقہاء کا یہ اختلاف اس لئے ہے کہ قرآن کریم نے اس کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے بلکہ صرف اتنا بیان کیا ہے کہ مالدار اور غریب پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق متعہ ادا کرنا ضروری ہے، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن نے ایسے ہی ایک واقعہ میں مطلقہ عورت کو بیس ہزار کا عطیہ اور قاضی شریح نے پانسو درہم کا عطیہ دیا ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کا فرمانا یہ ہے کہ متعہ کی ادنیٰ مقدار عورت کو ایک جوڑا کپڑے دینا ہے۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۱/ ۵۸۷ تا ۵۸۸)

متعہ کس عورت کیلئے واجب ہوتا ہے؟:

واضح رہے کہ متعہ اس عورت کو دینا واجب ہوتا ہے جس سے مہر مقرر کئے بغیر نکاح کیا جاتا ہے اور پھر اس کو خلوت صحیحہ اور وطی سے پہلے طلاق دیدی جاتی ہے۔

جواب (د)

متعہ کی ادائیگی میں مرد و عورت میں سے کس کی حیثیت کا اعتبار ہے؟:

واضح رہے کہ متعہ کی ادائیگی میں مرد کی حالت کا اعتبار ہوگا، مرد پیسہ والا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست ہے تو اپنے حالات کے مطابق دے دے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵٦﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۷﴾

(وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا) فَلْيُوصُوا (وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ) وَلْيُعْطُوهُنَّ (مَتَاعًا) مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهِ مِنَ النَّفَقَةِ وَالْكِسْوَةِ (إِلَى) تَمام (الْحَوْلِ) من موتهم الواجب عليهن تربصه (غَيْرَ إِخْرَاجٍ) حَال أَىْ غَيرَ مُخْرِجَات مِنْ مَسْكَنِهِنَّ (فَإِنْ خَرَجْنَ) بِأَنْفُسِهِنَّ (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ) يَا أَوْلِيَاء الْمَيِّت (فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ) شَرْعًا كَالتَّزَيُّنِ وَتَرْكِ الْإِحْدَاد وَقَطْع النَّفَقَة عَنْهَا (وَاللّٰهُ عَزِيزٌ) فِي مُلْكِه (حَكِيمٌ) فِي صُنْعِه وَالْوَصِيَّةُ الْمَذْكُورَة مَنْسُوخَة بِآيَةِ الْمِيرَاث وَتَرَبُّص الْحَوْل بِآيَةِ أَرْبَعَة أَشْهُر وَعَشْرًا السَّابِقَة الْمُتَأَخِّرَة فِي النُّزُول ـ

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”وصية“ اور ”متاعا“ ترکیب میں کیا واقع ہیں؟ اور ”وصیت“ اور ”تربص حول“ کس آیات سے منسوخ ہیں؟ تحریر کریں (د) مفسرؒ نے ”السابقة المتأخرة فی النزول“ سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں اور ان کو کوئی کارآمد چیز دے جائیں جس سے ان کی موت کے وقت سے لیکر کامل ایک سال تک جس میں ان پر عدت کے لئے انتظار کرنا واجب ہے نفقہ کا اور لباس کا فائدہ اٹھائیں اور اس حال میں ان عورتوں کو ان کی قیام گاہوں سے نہ نکالا جائے ”غیر اخراج“ حال ہے البتہ اگر وہ ازخود نکل جائیں تو اے اس میت کے اولیاء تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور (سال) گذرنے کے بعد وہ اپنی ذات کے معاملہ میں شرعی دستور کے مطابق جو کچھ کریں

مثلاً سنگار ترک کرنا، سوگ ترک کرنا، اور اپنا نان نفقہ از خود ترک کر دینا تو انہیں اس کا اختیار ہے، اور اللہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور مذکورہ وصیت، آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہے اور ایک سال کی عدت آیت "اربعة اشهر و عشرا" سے منسوخ ہے جو کہ نزول میں مؤخر ہے (اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے)۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے شوہر کی جانب سے عورت کیلئے وصیت کرنے کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، زمانہ جاہلیت میں عورت کو شوہر کے مال میں کسی طرح کا حق حاصل نہیں تھا اور شوہر کے انتقال کی صورت میں اس کی عدت بھی ایک سال ہوتی تھی، وہ ایک سال تک کسی کوٹھڑی میں پڑی رہتی تھی اور ایک سال کے بعد اس کو کوٹھڑی سے نکالتے تھے اور اس کی گود میں اونٹ کی مینگنیاں بھر دیتے تھے پھر اسے باہر گلی کوچے میں نکالتے تھے، وہ لوگوں پر مینگنیاں پھنکتی جاتی تھی اس سے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اس کی عدت ختم ہوگئی جیسا کہ احادیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل مذکور ہے، لیکن اسلام نے ایسی عورت کی عدت صرف چار ماہ دس دن مقرر کی اور اسی کے ساتھ شوہر کو اس بات کا پابند بنایا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنی بیویوں کا خیال رکھے موت سے پہلے اس بات کی وصیت کر دے کہ اس کے ترکہ سے ایک سال تک اس کو نان ونفقہ دیا جائے تاکہ دوران عدت عورت کو کسی طرح کی پریشانی لاحق نہ ہو اور وہ سکون کے ساتھ اپنی عدت کے زمانے کو مکمل کر لے۔

واضح رہے کہ آیت میں مذکور وصیت کا یہ حکم آیت میراث نازل ہونے سے پہلے تھا لیکن جب آیت میراث نازل ہوگئی تو پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور اب یہ حکم ہے کہ عورت شوہر کے مال سے اپنی میراث لے لے اور دوران عدت اسی میں سے خرچہ کرے، البتہ عدت پوری ہونے تک شوہر ہی کے گھر میں رہے، اور عدت مکمل ہونے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے تو شوہر ہی کے گھر میں رہے اور چاہے تو نکاح وغیرہ کر کے اپنا گھر الگ آباد کر لے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ج)

"وصیة" اور "متاعاً" ترکیب میں کیا واقع ہیں؟:

واضح رہے کہ لفظ "وصیة" ترکیب میں مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے، اس کی اصل عبارت "فلیوصوا وصیة" ہے، اور لفظ "متاعا"..... "یعطوهن" کا مفعول بہ ہے۔

"وصیت" اور "تربص حول" کس آیات سے منسوخ ہیں؟:

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ فی السوال آیت میں بیان کردہ وصیت اور تربص حول کے احکام ابتداء اسلام میں رائج تھے لیکن اب یہ احکام منسوخ ہیں، اور ان میں سے وصیت کا ناسخ اللہ رب العزت کا ارشاد "یوصیکم اللہ فی ولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین ...الخ....." اور تربص حول کا ناسخ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجایتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا" ہے۔

مفسرؒ نے "السابقة المتأخرة فی النزول" سے کس سوال کا جواب دیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے اپنی عبارت "السابقة المتأخرة فی النزول" ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وصیت اور تربص حول کو جن آیات سے ناسخ قرار دیا ہے وہ تو وصیت اور تربص حول کی آیت سے مقدم ہیں اور مقدم مؤخر کیلئے ناسخ نہیں ہوتا ہے پھر آپ نے ان کو کیسے ناسخ قرار دیا ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب! جن آیات کو ہم نے وصیت اور تربص حول کیلئے ناسخ بنایا ہے یہ آیات اگر چہ تلاوت کے اعتبار مقدم ہیں لیکن نزول کے اعتبار سے مؤخر ہیں، پس آپ کا یہاں یہ سوال کرنا درست نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۷﴾

(اَلَمْ تَرَ) اِسْتِفْهَام تَعْجِيب وَتَشْوِيق إِلَى اسْتِمَاع مَا بَعْده أَيْ يَنْتَهِ عِلْمك

(إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوا) فَمَاتُوا (ثُمَّ أَحْيَاهُمْ) بعث ثَمَانِيَةِ أَيَّامٍ أَوْ أَكْثَرَ بِدُعَاءِ نَبِيِّهِمْ (إِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ) وَمِنْهُ إِحْيَاءُ هٰؤُلَاءِ (وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ) وَهُمُ الْكُفَّارُ (لَا يَشْكُرُونَ) وَالْقَصْدُ مِنْ ذِكْرِ خَبَرِ هٰؤُلَاءِ تَشْجِيعُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) ''وهم الوف حذر الموت'' ترکیب میں کیاواقع ہو رہا ہے؟ تحریر کریں
(د) مذکورہ واقعہ کس نبی کے زمانے کا اور اس کو یہاں لانے کا کیا مقصد ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

کیا تم کو ان کے بارے میں معلوم نہیں ہے استفہام برائے تعجب ما بعد کو سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے یعنی تم کو ان لوگوں کا علم نہیں ہے جو ہزاروں کی تعداد میں موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، تو اللہ نے ان کو حکم دیا مر جاؤ تو سب کے سب مر گئے، پھر آٹھ یوم یا اس سے زیادہ کے بعد ان کے نبی کی دعاء سے اللہ رب العزت نے ان کو زندہ کر دیا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، اور اسی میں سے ان لوگوں کو زندہ کرنا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں اور وہ کفار ہیں، اور یہاں ان لوگوں کے اس قصہ کو بیان کرنے کا مقصد مومنین کی جہاد پر ہمت افزائی ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل میں واقع ہونے والے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت جن کی تعداد باختلاف روایات دس ہزار یا چار ہزار تھی واسط کے قریب ایک فرسخ کے مسافت پر ذاوران نامی بستی میں رہتی تھی ایک

سال ان کی بستی میں اچانک طاعون کی وبا پھیل گئی اس وبا کو دیکھتے ہوئے ان کی ایک جماعت وہاں سے نکل گئی اور ایک جماعت بستی میں رہ گئی، جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے اور جو لوگ بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ صحیح سلامت رہے اور پھر بستی میں آ گئے، جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارے یہ ساتھی ہم سے زیادہ ہوشیار رہے، آئندہ ایسی صورت میں ہم بھی کسی ایسی زمین کی طرف نکل جائیں گے جہاں وباء نہیں ہوگی چنانچہ آئندہ سال جب طاعون کی وبا پھیلی تو موت کے خوف سے یہ لوگ بستی سے منتقل ہو کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں مقیم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ موت سے کسی کو فرار نہیں ہے دو فرشتے بھیجے جو اس میدان کے بالائی اور زیریں کناروں پر آ کھڑے ہوئے اور ان دونوں نے اللہ کے حکم سے "مُوتُوا" کہا فرشتوں کا یہ کہنا تھا کہ سب کے سب لوگ جو وہاں مقیم تھے مر گئے، اور جب تک اللہ نے چاہا یہ مردہ پڑے رہے پھر چند روز کے بعد بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے ان لوگوں کا واقعہ بتایا، حضرت حزقیل علیہ السلام نے اللہ سے ان لوگوں کو زندہ کرنے کی دعاء کی جس کے نتیجہ میں اللہ رب العزت نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا اور پھر یہ عرصۂ دراز تک زندہ رہے لیکن ان کے جسموں پر مردنی کا اثر ظاہر رہتا تھا اور یہ جو بھی لباس زیب تن کرتے وہ کفن کی مانند ہو جاتا تھا۔

واضح رہے کہ ان لوگوں کے متعلق دوسرا قول جسے علامہ بغویؒ نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ یہ لوگ جہاد سے فرار ہوئے تھے، انہیں بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے دشمن سے جہاد کرنے کا حکم دیا تھا ان لوگوں نے اول تو لشکر تیار کر لیا لیکن پھر ان پر بزدلی سوار ہو گئی اور موت سے جان چھڑانے لگے، لہٰذا انہوں نے ایک حیلہ بنایا اور اپنے بادشاہ سے کہا کہ جس سرزمین میں جہاد کرنے کے لیے ہم کو جانے کا حکم ہوا ہے اس میں وبا پھیلی ہوئی ہے، جب وبا ختم ہو جائے گی تو ہم وہاں پہنچ جائیں گے، نتیجتاً اللہ رب العزت نے ان پر موت کو طاری کر دیا اور بستی ہی میں ان کا انتقال ہونا شروع ہو گیا جب آبادی ہی میں یہ مرنے شروع ہوئے تو وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے، بادشاہ نے یہ منظر دیکھ کر اللہ رب العزت سے دعاء کی کہ اے اللہ! آپ ان کو

کوئی ایسی نشانی دکھا دیجیے جس سے یہ سمجھ لیں کہ موت سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں، چنانچہ اللہ رب العزت نے ان پر اور ان کے جانوروں پر آن واحد میں موت طاری کردی اور یہ آٹھ دن تک اسی طرح پڑے رہے، یہاں تک کہ ان کی نعشیں پھول گئیں، لوگ ان کو دفن کرنے کیلئے نکلے تو اتنی کثیر تعداد کو دفن کرنے سے عاجز آ گئے، لوگوں نے ان کے چاروں طرف ایک احاطہ تعمیر کردیا تاکہ درندہ وغیرہ ان کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائیں اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر واپس آگئے، اس کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان پر گذر ہوا اور اللہ رب العزت نے حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعاء کے نتیجہ میں ان کو دوبارہ زندہ کردیا۔

جواب (ج)

''وهم الوف حذر الموت'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟:

واضح رہے کہ ''وهم الوف حذر الموت'' ترکیب میں تمیز اور ممیّز واقع ہو رہا ہے ''وهم'' ممیّز ہے اور ''الوف'' تمیز ہے، اور ''حذر الموت''.... ''خرجوا من ديارهم'' کا مفعول لہ ہے۔

جواب (د)

مذکورہ واقعہ کس نبی کے زمانے کا اور اس کو یہاں لانے کا کیا مقصد ہے؟:

واضح رہے کہ مذکورہ واقعہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے زمانہ کا ہے اور اس کو یہاں لانے کا مقصد اہل ایمان کو جہاد پر ابھارنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ موت ایک سچی حقیقت ہے جہاد میں نہ جا کر موت سے مفر ممکن نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۰﴾

(وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ) كَيْفَ هُوَ فَرَآهُ مَيِّتًا وَعِظَامه بيض تلوح فعلنا ذلك

لتعلم (وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً) عَلَى الْبَعْث (لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ) مِنْ حِمَارِك (كَيْفَ نُنْشِزُهَا) نُحْيِيهَا بِضَمِّ النون وقرء بفتحها من أنشر ونشر لُغتان وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّهَا وَالزَّاي نُحَرِّكهَا وَنرفعها (ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا)۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) اس آیت کے مخاطب کون سے نبی ہیں ان کا نام تحریر کرتے ہوئے آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''فعلنا ذلک لتعلم '' کی تفسیری عبارت سے مفسرؒ نے کیا بیان کیا ہے تحریر کریں (د) ''انظر الی العظام'' میں لام تعریف کس قسم کا ہے؟ تحریر کریں (ھ) ''کیف ننشزھا'' سے مفسرؒ نے جتنی قراُتیں بیان کی ہیں سب کو الگ الگ لکھ کر ان کے معنی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور آپؑ اپنے گدھے کو دیکھیں اس کی کیا حالت ہے چنانچہ انہوں نے اس کو دیکھا تو اس حال میں مردہ پایا کہ اس کی ہڈیاں سفید چمکدار ہو چکی تھیں، اور یہ سب ہم نے اس لئے کیا ہے تا کہ تم کو (مشاہدہ) کے طور پر معلوم ہو جائے اور تا کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے بعثت پر نشانی بنادیں اور آپ اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھیں کس طرح ہم ان کو زندہ کر کے اٹھاتے ہیں ''ننشزھا'' نون کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس میں ''اَنْشَزَ'' اور ''نَشَزَ'' دو لغت ہیں اور ایک قراءت میں نون کے ضمہ اور زاء کے ساتھ ہے یعنی اس کو حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، اور پھر اس پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے موت کے بعد زندہ ہونے کا مشاہدہ کرنے والے ایک نبی کے واقعہ کو بیان کیا ہے، پس مرگ زندگی کا مشاہدہ کرنے والے یہ کون سے نبی تھے اس سلسلے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

میں حضرات مفسرین کے مابین اختلاف ہے بعض نے ان کا نام حضرت عزیر بن شرخیا علیہ السلام اور بعض نے حضرت ارمیا بن خلقیا علیہ السلام بتایا ہے، بہر حال یہ ان میں سے کوئی سے بھی نبی ہوں واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا گذر ایک ایسی بستی سے ہوا جس کی آبادی ختم ہو چکی تھی، اور اس بستی کے در و دیوار منہدم ہو کر چھتیں گر گئی تھیں، اس بستی کا یہ حال دیکھ کر ان کے منہ سے بطور تعجب یہ نکلا کہ اللہ اس بستی کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ فرمائے گا؟ ان کا مقصد اللہ رب العزت کی قدرت کا انکار نہیں تھا بلکہ صرف تعجب کے ساتھ اس کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا تھا، اللہ رب العزت نے ان کو ان کے سوال کے جواب میں موت دے دی اور سو سال تک اسی حال میں رکھا پھر سو سال کے بعد زندہ کیا اور معلوم کیا کہ تم کتنے وقت اس حالت میں رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس حالت میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ چاشت کے وقت ان کو موت آئی تھی اور سو سال گزرنے کے بعد جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا تو غروب سے کچھ پہلے کا وقت تھا، سورج پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ غروب ہونے والا ہے لہٰذا انہوں نے جواب میں کہا کہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اس حالت میں رہا ہوں، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ تم سو سال تک اسی حالت میں رہے ہو لیکن چونکہ ان کا جسم اسی طرح صحیح وسالم اور تر و تازہ باقی تھا جیسا کہ زندگی میں ہوتا ہے اس لئے مزید تعجب ہوا، اس پر اللہ رب العزت نے ان کو اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور نمونہ دکھایا اور فرمایا کہ آپ اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھیں وہ ابھی گلی سڑی نہیں ہے، پس جس طرح یہ کھانا اور آپؑ کا جسم سو سال تک اپنی حالت پر باقی رہا ہے اسی طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں، واضح رہے کہ اللہ رب العزت نے ان کے سامنے ان کے مردہ گدھے کو زندہ کر کے دکھایا، اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گدھے کو دیکھو اور ہڈیوں پر نظر ڈالو، گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو ہم ان کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، ان کے سامنے وہ ہڈیاں ترتیب کے ساتھ جمع ہوئیں پھر ان پر گوشت چڑھا اور گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا، جب انہوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اٹھے کہ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (انوار البیان ۱/۳۶۷)

جواب (ج)

"فعلنا ذلک لتعلم" سے مفسرؒ نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ اس سے جملے مفسرؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے ارشاد "وَلِنَجۡعَلَکَ" میں حرف "و" کیسا ہے اگر یہ عاطفہ ہے تو اس کا معطوف علیہ کیا ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب! یہاں اس کا معطوف علیہ محذوف ہے اور وہ "لتعلم" ہے جو فعل محذوف "فعلنا" سے متعلق ہے، اور اصل تقدیری عبارت یہ ہے "فَعَلۡنَا ذٰلِکَ لِتَعۡلَمَ قدرتنا علیٰ اِحیاءِ الموتیٰ"۔

واضح رہے کہ بعض حضرات نے یہاں واؤ کو مستانفہ مان کر اس کو لام محذوف کے متعلق کیا ہے۔

جواب (د)

"انظر الی العظام" میں لام تعریف کس قسم کا ہے؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارشاد باری "انظر الی العظام" میں الف لام تعریف کس قسم کا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ الف لام عہد خارجی کا ہے اور تقدیری عبارت "انظر الی عظام حمارک" ہے۔

جواب (ھ)

"کیف ننشزھا" مفسرؒ نے جتنی قرأتیں بیان کی ہیں؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ارشادِ باری) "کیف ننشزھا" کی درج ذیل قرأتیں بیان کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک قرأت میں لفظ "ننشزھا" نون کے ضمہ اور زائے معجمہ کے ساتھ ہے اس صورت میں اس کے معنی ہوتے ہیں "نُحَرِّکُھَا ونرفعھا" یعنی دیکھو ہم کس طرح گدھے کو حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، اور ایک قرأت میں یہ نون کے ضمہ اور راء مہملہ کے ساتھ "نُنشِرُھا" آیا ہے اس صورت میں "اِنشار" باب افعال سے جمع متکلم کا

صیغہ ہے اور ایک قرأت میں یہی لفظ نون کے فتح کے ساتھ ''نَنشُرھا'' باب نصر سے آیا ہے، ان دونوں صورتوں میں اس کے معنی ہیں دیکھو ہم گدھے کو کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۲﴾

(وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مرضا تِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ) بخلاف المنافقين الذين لا يرجون لِإِنْكَارِهِمْ لَهُ (كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ) مِثْلَىْ مَا يُثْمِر غيرها (فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ) مَطَر خفيف يُصِيبها وَيَكْفِيها لِارْتِفَاعِهَا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور ان لوگوں کی مثال جو اللہ رب العزت کی راہ میں محض اس کی رضا کیلئے دل کے ثبات ساتھ ثواب حاصل کرنے کے لئے (مال) کو خرچ کرتے ہیں، بخلاف منافقین کے کہ وہ ثواب کے منکر ہونے کی وجہ سے اس کی امید نہیں رکھتے ہیں، ایسی ہے جیسے ٹیلے پر ایک باغ ہو اور اس پر زوردار بارش ہو جائے جس کی وجہ سے یہ (باغ) دوسرے باغوں کے مقابلے میں دوگنا پھل دے، اور اگر اس پر زوردار بارش نہ ہو تب بھی اس کیلئے ہلکی (سی بارش) کافی ہے۔ یعنی اگر ہلکی بارش بھی اس پر ہو جائے تو اس کے بلند مقام پر ہونے کی وجہ سے وہی اس کیلئے کافی ہو جاتی ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت شریفہ میں مؤمنین صالحین مخلصین کے مال خرچ کرنے کی ایک مثال بیان کی ہے وراس مثال میں ان کے ثواب کی کثرت اور عند اللہ مقبولیت ظاہر فرمائی ہے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ للہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اور اس خرچ کرنے میں ان کی یہ بھی نیت ہے کہ ان کے نفس اس نیکی کرنے میں پختہ ہو جائیں تا کہ نفس خرچ کرنے کے خوگر رہیں اور کنجوسی کو پاس نہ آنے دیں تو ایسے لوگوں کے خرچ کرنے کی مثال ثواب کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے کسی ٹیلے پر ایک باغیچہ ہو پھر اوپر سے زوردار بارش بھی ہو جائے تو زمین کو اور زیادہ قوت وطاقت پہنچ جائے جس کی وجہ سے دوگنے پھل آ جائیں چونکہ یہ باغیچہ اونچے ٹیلہ پر ہے اس لیے زوردار بارش نہ ہو تو تھوڑا بہت چھینٹا بھی اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے جس طرح اس باغیچہ میں پھل خوب کثیر مقدار میں آئیں گے اسی طرح اہل ایمان اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے جو مال خرچ کریں گے اسی طرح ان کے خرچ کرنے کا ثواب بھی بہت زیادہ ملے گا۔

جواب (ج)

خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

''تثبیتاً'' یہ باب تفعیل کا مصدر ہے، بمعنی ثابت کرنا۔

''ربوۃ'' یہ ''ربی'' کی جمع ہے، بمعنی ٹیلہ، اونچی جگہ۔

''وابل'' بمعنی تیز بارش، بڑی بڑی بوندوں والی برسات۔

''اکلھا'' بمعنی پھلوں کا اگانا..... ''ضعفین'' یہ تثنیہ ہے، اس کا واحد ''ضعف'' اور جمع ''اضعاف'' آتی ہے، بمعنی دوگنا ہونا۔

''طل'' بمعنی ہلکی بارش، بارش کی پھوار۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۲﴾

(أَيَوَدُّ) أَيُحِبُّ (أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ) بُسْتَان (مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهٰرُ لَهُ فِيهَا) ثمر (من كلِّ الثَّمَرٰتِ وَ) قَدْ (أَصَابَهُ الْكِبَرُ) فَضَعُفَ مِنَ الْكِبَرِ عَنِ الْكَسْبِ (وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ) أَوْلَادٌ صِغَارٌ لَا يقدرون عليه (فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ) ريح شديدة فيها (فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ) فَفَقَدَهَا أَحْوَجَ مَا كَانَ إِلَيْهَا وَبَقِيَ هُوَ وَأَوْلَادُهُ عَجَزَةً مُتَحَيِّرِينَ لَا حِيلَةَ لَهُمْ وَهٰذَا تَمْثِيلٌ لِنَفَقَةِ الْمُرَائِي وَالْمَانِّ فِي ذَهَابِهَا وَعَدَمِ نَفْعِهَا أَحْوَجَ مَا يَكُونُ إِلَيْهَا فِي الْآخِرَةِ وَالِاسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ وَعَنِ بْنِ عَبَّاسٍ هُوَ الرَّجُلُ عَمِلَ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ بَعَثَ لَهُ الشَّيْطَانُ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِي حَتَّى أَحْرَقَ أَعْمَالَهُ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تحریر کریں (ج) ''وھذا تمثیل'' کی وضاحت تحریر کریں (ج) حضرت ابن عباسؓ نے کیا تفسیر کی ہے تحریر کریں (د) ''اصابه'' سے پہلے ''قد'' کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟ وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو اور اس کے نیچے نہریں جاری ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر طرح کے پھل موجود ہوں اور اس کو بڑھاپا آجائے اور وہ بڑھاپے کی وجہ سے کمانے سے کمزور ہو گیا ہو اور اس کی کمسن آل واولاد ہو اور وہ بھی کمانے پر قادر نہ ہو پھر اس باغ پر سخت آندھی کا ایک ایسا بگولہ آجائے جس میں آگ ہو، اور وہ باغ جل جائے، پس اس نے باغ کو ایسے وقت کھویا جبکہ وہ اس کا سخت محتاج تھے اور وہ اور اس کی اولاد عاجز و متحیر رہ گئے اور ان کیلئے زندگی گذارنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، یہ ریا کار احسان

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جتلانے والے کی ایک مثال ہے اس کے احسان کے ضائع ہونے اور اس کو نفع نہ پہنچانے کے سلسلے میں ایک ایسے وقت میں جبکہ وہ ریاکار آخرت میں اس کا شدید محتاج ہوگا اور استفہام نفی کے معنی میں ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ تمثیل اس شخص کی ہے جس نے نیک اعمال کئے اور پھر شیطان اس پر مسلط کر دیا گیا اور اس نے معصیت کے اعمال شروع کر دئے یہاں تک کے اس نے اپنے اعمال کو غرق کر دیا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ان لوگوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ جو اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں لیکن ان کو ریاکاری یا "مَنّ و اذیٰ" کی وجہ سے یا کسی ایسے عمل کے کرنے سے جو حبط اعمال کا سبب ہو برباد کر دیتے ہیں، اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کے درخت ہوں اور ان کے علاوہ بھی ہر قسم کے پھل موجود ہوں اور ان درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں اور وہ خود بوڑھا ہوگیا ہو اور اس کے اہل و اولاد کمسن ہوں وہ بھی کچھ کرنے کے قابل نہ ہوں اور زندگی گزارنے کا راستہ صرف یہی باغ ہو اور اسی سے وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا خرچ چلاتا ہو اور ایک آگ والی تیز آندھی اس باغ کو جلا کر خاکستر کر دے، پس عین حاجت کے وقت جبکہ اس باغ کی بہت زیادہ ضرورت تھی سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے اور یہ شخص اور اس کی اولاد حیران پریشان کھڑے رہ جائیں پس اس وقت جو حالت اس شخص کی ہوگی اس کو سامنے رکھ کر سمجھ لیں کہ جو لوگ اعمال صالحہ کر کے ان کو برباد کر دیتے ہیں ان کی آخرت میں کیا حالت ہوگی۔

جواب (ج)

"وھذا تمثیل" کی وضاحت:

"وھذا تمثیل" سے مفسر علامؒ نے آیت مذکورہ میں بیان کی گئی مثال کی وضاحت کی ہے،

مفسرؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے اس آیت میں اللہ رب العزت نے ان لوگوں کی مثال بیان کی ہے جو نیک اعمال تو کرتے ہیں لیکن ریاکاری یا احسان جتلا کر ان کو ضائع اور اکارت کر دیتے ہیں پس ان لوگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کا باغ عین اس کی ضرورت کے وقت ہلاک ہو جائے تو وہ حیران و پریشان رہ جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ جنھوں نے دنیا میں نیک اعمال تو کئے تھے لیکن ریاکاری کر کے ان کی نیکی ختم کر دی تھی مثلاً نماز پڑھی تھی مگر دکھاوے کے لیے پڑھی تھی، حج کیا تھا لیکن نام ونمود کے لیے کیا تھا، صدقہ دیا تھا مگر شہرت کے لیے دیا تھا جہاد کیا تھا مگر لوگوں کو بہادری ظاہر کرنے کے لیے کیا تھا، اسی طرح کسی پر احسان کیا تھا لیکن اس کو احسان جتلا یا دیا تھا پس ان امور قبیحہ کے ذریعہ اپنے اعمال کو دنیا ہی میں اکارت کر دیا تو اس کی حالت بھی آخرت میں اس باغ والے ہی کی طرح ہوگی اور اس کو بھی آخرت میں اس کے اعمال کا کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔

جواب (ج)

حضرت ابن عباسؓ نے کیا تفسیر کی ہے؟:

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ رب العزت اس شخص کی مثال بیان کی ہے جو ابتداءً زندگی میں نیک اعمال کرتا ہے لیکن پھر اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ شخص معاصی کے اعمال کرنے لگتا ہے اور اپنے تمام نیک اعمال کو اکارت کر ڈالتا ہے، پس جس طرح آیت کریمہ میں بیان کردہ مثال کا ممثل لہ خسارے میں رہتا ہے اسی طرح نیک اعمال کر کے ان کو برباد کرنے والا انسان بھی قیامت کے دن نقصان اور خسارے رہے گا۔

جواب (د)

''اصابہ'' سے پہلے ''قد'' کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''اصابہ'' سے پہلے ''قد'' کا اضافہ کیوں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے ''قد'' کا اضافہ اس بات کی جانب اشارہ کرنے کیلئے کیا ہے ''واصابہ'' میں حرفِ ''واؤ'' عاطفہ نہیں ہے بلکہ بتقدیر قد حالیہ ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ٦١﴾
﴿جلالین شریف صفحہ ۴۲﴾

(يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَنفِقُوا) أَیْ زَكُوٰة (مِنْ طَيِّبٰتِ ما كسبتم) من المال (ومِنْ) طيبات (مَآ أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ) مِنَ الْحُبُوب وَالثِّمَار (وَلَا تَيَمَّمُوا) تَقْصِدُوا (الْخَبِيثَ) الرَّدِیء (مِنْهُ) أَیْ مِن المذكور (تُنفِقُونَ) فِی الزَّكَاة حَال مِنْ ضَمِير تَيَمَّمُوا (وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ) أَیْ الْخَبِيث لَوْ أُعْطِيتُمُوهُ فِی حُقُوقِكُمْ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسرؒ نے "انفاق" کی تفسیر "زکوٰۃ" سے اور "ما اخرجنا" کی تفسیر "من الحبوب" سے کیوں ہے تحریر کریں (د) زمین کی پیداوار میں احناف اور شوافع کے نزدیک کیا واجب ہوتا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اے ایمان والو! جو مال تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں بطور زکوٰۃ خرچ کرو اور جو عمدہ چیزیں ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں (مثلاً) غلہ اور پھل وغیرہ (ان کو بھی خرچ کرو) اور مذکورہ چیزوں میں سے خراب چیز خرچ کرنے کا قصد نہ کرو "تنفقون"... "تیمموا" کی ضمیر سے حال ہے، حالانکہ تم خود بھی ان چیزوں کو اگر یہ تمہارے حق میں دی جائیں لینے والے نہیں ہو۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کے آداب بیان کیے ہیں، اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنے کمائے ہوئے مالوں میں سے طیب عمدہ حلال اور اچھی چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ کرو خراب اور بیکار چیزیں ہرگز خرچ نہ کرو۔

واضح رہے کہ یہ آیت انصار مدینہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اسباب النزول حضرت براء

ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ جب کھجوروں کی فصل کے موقع پر کھجور کاٹتے تو اس کے خوشے حضور علیہ السلام کی مسجد میں ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی پر لاکر ٹانگ دیتے تھے جس میں سے فقراء مہاجرین کھا لیتے تھے ان میں سوکھے ہوئے خوشے بھی ہوتے تھے پس انہیں کے بارے میں اللہ رب العزت نے آیت کریمہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے حاصل شدہ اموال میں سے اللہ کے راستہ میں اچھی اور عمدہ چیزیں خرچ کرو ردی چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ (انوار البیان ۱/۳۷۵)

جواب (ج)

مفسرؒ نے ''انفاق'' کی تفسیر ''زکوٰۃ'' سے کیوں کی ہے؟:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے آیت کریمہ میں مذکور لفظ ''انفاق'' کی تفسیر ''زکوٰۃ'' سے کی ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے ''انفاق'' کی تفسیر ''زکوٰۃ'' سے کر کے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہاں آیت میں ''انفاق'' سے زکوٰۃ مراد ہے نفلی صدقات مراد نہیں ہیں۔

''ما اخرجنا'' کی تفسیر ''من الحبوب'' سے کرنے کی وجہ:

یہاں ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے ''ما اخرجنا'' کی تفسیر ''من الحبوب'' سے کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے ''ما اخرجنا'' کی تفسیر ''من الحبوب'' سے کر کے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کو بیان کیا ہے امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں عشر یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے اس پیداوار سے انسان کا غذا حاصل کرنا شرط ہے اگر انسان پیداوار سے غذا حاصل کرتا ہے تو اس میں عشر واجب ہے ورنہ واجب نہیں ہے اور انسان عام طور پر غلہ وغیرہ ہی سے غذا حاصل کرتا ہے پس اسی کو بیان کرنے کیلئے مفسرؒ نے ''ما اخرجنا'' کی تفسیر ''من الحبوب'' سے کی ہے۔

جواب (د)

زمین کی پیداوار میں احناف اور شوافع کے نزدیک کیا واجب ہوتا ہے؟:

واضح رہے کہ احناف اور شوافع دونوں کے نزدیک زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لیکن حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ زکوٰۃ بحالت اختیار اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ پیداوار کی مقدار پانچ وسق ہو اور اس سے انسان غذا بھی حاصل کرتا ہو، پس اگر حالت اختیاری نہیں ہے یا پیداوار کی مقدار پانچ وسق سے کم ہے یا پانچ وسق تو ہے لیکن وہ پیداوار انسان کی غذا نہیں ہے تو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اس کے برخلاف حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار میں جب کہ وہ ماکولات انس میں سے ہو خواہ وہ بحالت اختیاری ہو یا بحالت مجبوری، غذائی ہو یا غیر غذائی، پانچ وسق ہو یا اس سے کم زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

''قال الأمام أحمد بن محمد الخلوتی الصاوی رحمه الله تعالیٰ: ظاهر الآية أن جميع ماخرج من الأرض يجب فيه الزكاة، ولكن تفصيل ذلك موكول للسنة، فأوجب الشافعیؒ الزكاة فيما كان مقتاتاً للآدمی حالة الاختيار اذا بلغ ذلك خمسة أوسق ففيه ان سقی بآلة نصف العشر وبغيرها العشر، وأبقاها أبوحنيفةؒ علی ظاهرها فأوجب الزكاة فی جميع مايخرج من الأرض من مأكولات الآدمی كالفواكه ولاخضراوات وأجب فی ذلك العشر قليلاً أو كثيراً''۔

(حاشیۃ الصاوی ۱/۱۹۸)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

﴿سوال ٦٢﴾
﴿جلالین شریف صفحہ ۴۳﴾

(لِلْفُقَرَآءِ) خَبَر مُبْتَدَأ مَحْذُوف أَىْ الصَّدَقَات (الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) أَىْ حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ عَلَى الْجِهَاد نَزَلَتْ فِىْ أَهْلِ الصُّفَّة وَهُمْ أَرْبَعمِائَة مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ أُرْصِدُوا لِتَعَلُّمِ الْقُرْآن وَالْخُرُوج مَعَ السَّرَايَا (لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا) سَفرًا (فِى الْأَرْضِ) لِلتِّجَارَةِ وَالْمَعَاش لِشُغْلِهِمْ عَنْهُ بِالْجِهَادِ (يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِل) بِحَالِهِمْ (أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) تفسیر تحریر کریں (د) "من التعفف" میں "من" کیسا ہے تحریر کریں اور سرایا کس کو کہتے ہیں اس کی تعریف تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

صدقات کے (اصل) مستحق وہ فقراء ہیں جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں، یعنی جنہوں نے خود کو جہاد میں محبوس کرلیا ہے "لـلـفـقـراء" مبتداء محذوف کی خبر ہے، (اور آئندہ آیت) ان مہاجر اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی جن کی تعداد چار سو تھی اور یہ لوگ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے اور سریا کے ساتھ نکلنے کے لیے مستعد رہتے تھے، وہ جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے طلب معاش اور تجارت کے لیے سفر نہیں کر سکتے تھے، ان کے حال سے ناواقف لوگ ان کے سوال نہ کرنے وجہ سے انہیں غنی سمجھتے تھے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

یہ آیت کریمہ اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اصحاب صفہ وہ مہاجر صحابہ تھے جو انتہائی

نادار تھے ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی ان حضرات کا چونکہ مدنیہ منورہ میں کوئی گھر بار نہیں تھا اس لئے یہ حضرات مسجد نبوی کے چھپر پڑے ہوئے ایک چبوترے پر رہتے تھے اور اپنے تمام اوقات کو علم دین حاصل کرنے میں خرچ کرتے تھے اور اسی کے ساتھ جب بھی جہاد میں جانے کی ضرورت ہوتی تو جہاد میں نکل جایا کرتے تھے، ان لوگوں کو دینی امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب معاش کی فرصت نہیں ملتی تھی لیکن یہ کسی سے سوال بھی نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کو غنی سمجھتے تھے، اللہ رب العزت ان حضرات کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اور اہل ایمان کو ترغیب دی کہ وہ ان لوگوں کو غنی نہ سمجھیں بلکہ ان پر اپنے اموال کو خرچ کریں۔

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے ان فقراء پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو دینی کاموں میں مشغول ہوتے اور دینی مشغولیت کی وجہ سے انہیں کہیں آنے جانے اور معاش حاصل کرنے کا موقع حاصل نہیں ہوتا، ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو شرم اور عزت کی خاطر کسی سے سوال نہیں کرتے اور فاقہ پر فاقہ کرتے ہیں پس ضروری ہے کہ ایسے حضرات کا دھیان رکھا جائے اور تلاش کر کے ان پر اپنے اموال کو خرچ کیا جائے۔

جواب (د)

''من التعفف''میں''من'' کیسا ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کے جملہ''من التعفف''میں''من''تعلیلہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ فقراء ایسے ہیں جنہیں لوگ سوال نہ کرنے وجہ سے غنی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ غنی نہیں ہیں۔

سرایا کی تعریف:

واضح رہے کہ سرایا حضور علیہ السلام کے زمانے میں ہونے والے جہاد کے اس سفر کو کہتے

ہیں جس میں آپ علیہ السلام نے خود شرکت نہ کی ہو بلکہ صرف صحابہؓ کی جماعت کو بھیجا ہو اور جہاد کے جس سفر میں آپ علیہ السلام نے بھی شرکت کی اس کو غزوہ کہتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۳﴾

(الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا) أَيْ يَأْخُذُونَهُ وَهُوَ الزِّيَادَةُ فِي الْمُعَامَلَةِ بِالنُّقُودِ وَالْمَطْعُومَاتِ فِي الْقَدْرِ أَوِ الْأَجَلِ (لَا يَقُومُونَ) مِنْ قُبُورِهِمْ (إِلَّا) قِيَامًا (كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ) يَصْرَعُهُ (الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ) الْجُنُونِ مُتَعَلِّقٌ بِيَقُومُونَ (ذٰلِكَ) الَّذِي نَزَلَ بِهِمْ (بِأَنَّهُمْ) بِسَبَبِ أَنَّهُمْ (قَالُوْا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا) فِي الْجَوَازِ وَهٰذَا مِنْ عَكْسِ التَّشْبِيهِ مُبَالَغَةً فَقَالَ تَعَالَى رَدًّا عَلَيْهِمْ (وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تفسیر پیش نظر تحریر کریں (ج) ربوا کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور زمانۂ جاہلیت میں کونسا ربوا رائج تھا جس پر اصالۃً تحریم کا حکم وارد ہوا ہے تحریر کریں (د) علت ربوا کے متعلق احناف اور شوافع کا کیا اختلاف اور عبارت سے کس مسلک کی جانب اشارہ ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں یعنی سود لیتے ہیں اور سود معاملات میں نقود کی زیادتی اور ماکولات بں مقدار یا مدت میں زیادتی (کا نام) ہے، یہ قبروں سے اس شخص کی مانند کھڑے ہوں گے جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دیتا ہے (یعنی) جس کو شیطان مجنون ہونے کی وجہ سے پچھاڑ دیتا ہے "من المس .... یقومون" کے متعلق ہے، ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع تو جواز میں سود کے مانند ہے اور یہ مبالغہ کے لیے الٹی تشبیہ ہے، ان کا جواب دیتے ہوئے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے سود خوروں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور قیامت میں ان کا حال ہوگا اس کو بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ سود خور ہیں وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح حیران اور مدہوش کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان لپٹ جائے اور وہ اس کی وجہ سے مخبوط ہو جائے اور اس کے ہوش خطا ہو جائیں، بہکی بہکی باتیں کرنے لگے اور دل و دماغ اس کا ساتھ دینا بند کر دیں پس جو حال اس شخص کا ہوتا ہے قیامت میں وہی حال سود خوروں کا ہوگا۔

واضح رہے کہ اسلام میں سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے جس رات مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ گھروں کی طرح سے تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے، میں نے معلوم کیا کہ اے جبریلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے ہیں، اس حدیث ہی سے سود خوروں کی عاقبت اور آخرت میں ان کے ساتھ ہونے والے معاملہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اللہ ہم سب کو سود سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

فوائد تفسیر:

قوله: اى ياخُذوُنه......

مفسرؒ نے اس جملہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ آیت کریمہ میں مذکور لفظ "اکل" سے صرف سود کھانا مراد نہیں ہے بلکہ اس کو مطلقا لینا مراد ہے پھر لینے کے بعد خواہ اس کو کھائے یا لباس بنائے یا جمع کر کے رکھے یا کسی دوسرے کام میں استعمال کرے، مگر کھانا چونکہ اہم مصارف میں سے ہے اس لیے آیت کریمہ میں صرف کھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

قوله:وهو الزيادة فی المعاملة....

مفسر علیہ الرحمۃ نے اپنی اس عبارت سے سود کی تعریف بیان کی ہے،سود کو عربی میں ربوا کہا جاتا ہے اس کے لغوی معنی زیادتی کے آتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں سود اس زیادتی کو کہتے ہیں جو اصل عقد سے الگ اور عوض سے خالی متعاقدین میں کسی ایک کیلئے مشروط ہوتی ہے، جیسے سونے کو سونے کے عوض یا چاندی کو چاندی کے عوض یا روپیہ کو روپیہ کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ فرخت کرنا، واضح رہے کہ یہ کمی زیادتی کسی بھی معاملہ میں اگر بغیر عوض ہے تو سود ہے اور ناجائز وحرام ہے، مفسر علیہ الرحمۃ نے اپنی اس عبارت میں ''بالنقود والمطعومات'' سے اسی جانب اشارہ کیا ہے، مفسرؒ کی عبارت میں نقود سے مراد سونا، چاندی، روپیہ اور پیسہ ہے اور مطعومات سے مراد دیگر تمام چیزیں ہیں۔

قوله:فی القدر والاجل.....

یہ عبارت مفسر علیہ الرحمۃ کے قول ''فی المعاملة'' سے بدل ہے ''القدر'' کا تعلق ربوا الفضل سے ہے اور یہ صرف اتحاد جنس کی صورت میں ہوگا یعنی سونے کے بدلہ سونا یا چاندی کے بدلے چاندی فرخت کرتے ہوئے مقدرا گھٹا بڑھا کر معاملہ کیا جائے تو سود ہے، اور ''الاجل'' کا تعلق ربوا النساء سے ہے اس کو ربوا النسیئۃ بھی کہا جاتا ہے، یہ متحد الاجناس اور مختلف الاجناس دونوں میں ہوتا ہے مثلاً سونے یا چاندی کی بیع کمی زیادتی کے ساتھ ادھار کی جائے تو یہ بھی سود ہے۔ (جمالین ۱/۴۵۳...تسہیل الجلالین ۱/۳۱۷)

قوله:يصرعه.....

یعنی جس طرح کبھی کبھی شیطان آدمی کو اپنی گرفت میں لیکر دیوانہ بنا دیتا ہے اسی طرح سود خور قیامت کے دن دیوانوں کی طرح ہوں گے۔

قوله:من عكس التشبيه مبالغة.....

مفسر علیہ الرحمۃ نے اس عبارت سے یہ بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں بیع کو سود کے مشابہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ سود کو بیع کے ساتھ تشبیہ دینی چاہئے تھی، پس قرآن کریم میں جو تشبیہ دی گئی

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ہے یہ تشبیہ معکوس ہے جو بطور مبالغہ ذکر کی گئی ہے اہل عرب کا کہنا یہ تھا بیع اور سود دونوں ایک ہی ہیں اور سود بھی بیع کی طرح حلال ہے اس میں حرمت نہیں ہے پس اللہ رب العزت نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بیع حلال ہے اور سود حرام ہے۔

(تسہیل الجلالین ۱/ ۳۱۷)

جواب (ج)

ربوا کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

ربوا کے لغوی معنی زیادتی کے آتے ہیں اور اصطلاح میں ربوا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو کسی عقد میں اصل عقد سے زائد بلا کسی عوض کے متعاقدین میں کسی ایک کیلئے مشروط ہوتی ہے، واضح رہے کہ ربوا کی اصطلاحی تعریف کسی قدر طویل ہے جسے فقہ کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں کونسا ربوا رائج تھا؟:

واضح رہے کہ زمانۂ جاہلیت میں نزول قرآن کے وقت سودی معاملات کی متعدد شکلیں رائج تھیں ان میں سے ایک شکل یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیتا اگر وہ مدت گزر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا تھا، اسی طرح ایک شکل یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کر لیتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی، یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدت کے لیے ایک خاص شرح طے ہو جاتی تھی، اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی اسی نوعیت کے معاملات کو قرآن کریم نے یہاں بیان کیا ہے اور انہیں پر اصالۃً حرمت کا حکم نازل ہوا ہے۔

(جمالین ۱/ ۴۵۶)

جواب (د)

علت ربوا کے متعلق احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے؟:

واضح رہے تمام فقہاء کرام کے نزدیک ربا کا حکم علت پر مبنی ہے، لیکن علت کیا ہے اس سلسلے میں احناف اور شوافع کے مابین اختلاف ہے، احناف کے نزدیک کسی بھی چیز میں ربا متحقق ہونے کی علت قدر مع الجنس ہے، پس کسی بھی چیز کو اس کی ہم جنس کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا ربا ہے، اس کے برخلاف شوافع کے نزدیک مطعومات میں طعم ہونا اور اثمان میں ثمن ہونا ہے پس ان حضرات کے نزدیک کسی بھی ایسی چیز کو جو مطعومات یا اثمان میں سے ہو اس کی ہم جنس چیز کے عوض فروخت کرنا ربا ہے۔ (اشرف الہدایہ ۸/۲۵۲)

واضح رہے کہ مفسرؒ نے علت ربا کے سلسلے میں اپنی تفسیری عبارت سے حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی جانب اشارہ کیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۴﴾

(**فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا**) أَيْ الشَّهِيدَانِ (**رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاتَانِ**) يَشْهَدُونَ (**مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ**) لِدِينِهِ وَعَدَالَتِه وَتَعَدُّد النِّسَاء لِأَجلِ (**أَنْ تَضِلَّ**) تَنْسَى (**إِحْدَاهُمَا**) الشَّهَادَة لِنَقْصِ عَقْلِهِنَّ وَضَبْطِهِنَّ (**فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا**) الذَّاكِرَة (**الْأُخْرٰى**) النَّاسِيَة وَجُمْلَةُ الْإِذْكَار مَحَلُّ الْعِلَّة أَيْ لِتَذْكُر إِنْ ضَلَّتْ وَدَخَلَتْ عَلَى الضَّلَال لِأَنَّهُ سَبَبُه۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اگر دو مرد بطور گواہ میسر نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں جن کو تم ان کے

دین اور عدالت کی وجہ سے پسند کرتے ہو گواہ بن جائیں، اور عورتوں کے دو عدد ہونے میں یہ مصلحت ہے کہ اگر ان میں سے ایک گواہی کو بھول جائے کیونکہ ان میں عقل اور یادداشت ناقص ہوتی ہے تو دوسری یاد رکھنے والی بھولنے والی کو یاد دلا دے، اور اذکار والا جملہ در حقیقت لام علت کے داخلہ کا محل ہے یعنی "لِتُذَكِّرَ اِنْ ضَلَّتْ" کہ اگر (ایک) بھول جائے تو (دوسری) یاد دلا دے، اور لام علت ضلال پر اس لیے داخل ہوا ہے کہ "ظلال" تذکیر کا سبب ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے قرض کے احکام بیان کئے ہیں، شروع آیت میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے ایمان والو! جب بھی تم کسی سے قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اب آیت کے اس حصہ میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں قرض کے معاملہ میں لکھنے کے ساتھ ساتھ گواہ بھی بنا لو اور گواہ بھی ایک نہیں بلکہ دو بناؤ تا کہ کسی طرح کی مشکل پیش نہ آئے، اور اگر بالفرض اس وقت دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لیا جائے، یہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

واضح رہے کہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کے گواہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں عموماً حافظہ اور مفہوم کی ادائیگی کے اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں پس اس بات کا امکان تھا کہ اگر ایک عورت کو گواہ بنایا جائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ بھول جائے اس لئے ایک کی جگہ دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا تا کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے اور قرض کی ادائیگی میں کسی طرح کے اختلاف کی صورت پیش نہ آئے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۵﴾

(لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا) تُظْهِرُوا (مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ) مِنَ السُّوْءِ وَالْعَزْمِ عَلَيْهِ (أَوْ تُخْفُوهُ) تُسِرُّوْهُ (يُحَاسِبْكُمْ) يُخْبِرْكُمْ (بِهِ اللّٰهُ) يَوْمَ الْقِيَامَةِ (فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ) الْمَغْفِرَةَ لَهُ (وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ) تَعْذِيبَه والفعلان بالجزم والرفع۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسرؒ نے "وان تبدوا" کی تفسیر میں "والعزم علیہ" کی زیادتی کرکے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں (د) "او تخفوہ یحاسبکم" کے بعد "یخبرکم" کا جملہ کس لئے لکھا گیا ہے؟ اس کا جواب اور "والفعلان بالجزم والرفع" کی توجیہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے برے اعمال اور ان کا پختہ ارادہ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو قیامت کے دن اللہ تم کو ان کی سزا دے گا، پھر جس کی مغفرت چاہے گا مغفرت کردے گا اور جس کو عذاب دینا چاہے گا عذاب دے گا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

یہ آیت ماقبل کی آیت کے مضمون کا تکملہ ہے، ماقبل کی آیت میں اللہ رب العزت نے گواہی کو پوشیدہ نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے اب اس آیت میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین کی تمام ملکیت اللہ رب العزت ہی کیلئے ہے پس تم اپنے قلوب میں موجود باتوں کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ قیامت میں ان کا حساب ضرور لے گا اور پھر جس کو چاہے گا معاف

کردے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا، اور ''یغفر.....اور.....یعذب'' دونوں فعل جوابِ شرط ''یحاسبکم'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں اور ''ھو'' کے مقدر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں۔

جواب (ج)

مفسرؒ نے ''وان تبدوا'' کی تفسیر میں ''والعزم علیه'' کی زیادتی کیوں کی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے آیت کریمہ ''وان تبدوا مافی انفسکم...الخ....'' کی تفسیر کرتے ہوئے ''والعزم علیه'' کا جملہ نقل کیا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے اس جملہ کی زیادتی کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے اس جملہ سے ایک اعتراض کو دور کیا ہے، یہاں یہ اعتراض ہو رہا تھا کہ آیت کریمہ ''وان تبدوا مافی انفسکم أو تخفوہ یحاسبکم به اللّٰه'' اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان سے اس کے قلبی وسوسوں پر بھی مواخذہ ہوگا حالانکہ احادیث میں قلبی وسوسوں پر مواخذہ نہ ہونے کی بات مذکور ہے نیز عقل بھی یہی کہتی ہے کہ ان پر مواخذہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ انسان وسوسوں کو دفع کرنے پر قادر نہیں ہے، مفسرؒ نے ''والعزم علیه'' سے اس اعتراض کو دور کیا ہے اور بتایا ہے کہ آیت مذکورہ میں ''مافی انفسکم'' سے قلبی وساوس مراد نہیں ہیں بلکہ وسوسوں پر عمل کرنے کا عزم مصمم مراد ہے! اور یہ بات احادیث میں بھی مذکور ہے کہ عزم مصمم پر اللہ کے یہاں مواخذہ ہوگا۔

جواب (د)

''او تخفوہ یحاسبکم'' کے بعد ''یخبرکم'' کا جملہ کس لئے لکھا گیا ہے؟:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے ''او تخفوہ یحاسبکم'' کے بعد ''یخبرکم'' کا جملہ کس لئے تحریر کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے یہ جملہ ایک وہم کو دور کرنے کیلئے تحریر کیا ہے، یہاں کسی کو بھی یہ وہم ہو سکتا تھا حدیث میں قلبی وسوسوں پر مواخذہ نہ ہونے کی بات مذکور ہے حالانکہ اس آیت میں اللہ رب العزت ''یحاسبکم'' فرمارہے ہیں جس

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قلبی وسوسوں پر بھی مواخذہ ہے، مفسرؒ نے ''یخبر کم'' تحریر کرکے اس وہم کو دور کر دیا اور بیان کر دیا کہ آیت میں ''یحاسبکم''... ''یخبر کم'' کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ قیامت میں اللہ رب العزت اہل ایمان کو ان قلبی وسوسوں کے متعلق باخبر کر دیں گے۔

''والفعلان بالجزم والرفع'' کی توجیہ:

واضح رہے کہ اس جملے کی توضیح یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ میں مذکور ''یغفر ......اور.....یعذب'' کو جزم کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ دونوں جواب شرط ''یحاسب'' پر معطوف ہوں گے اور اگر ان دونوں کو مرفوع پڑھا جائے تو پھر یہ دونوں ''ھو'' مبتداء محذوف کی خبر ہوں گے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

❀❀❀❀❀

﴿سوال ٦٦﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۵﴾

وَلَمَّا نَزَلَتُ الْآيَة الَّتِى قَبُلَهَا شَكَا الْمُؤُمِنُونَ مِنَ الْوَسُوَسَة وَشَقَّ عَلَيُهِمُ الْمُحَاسَبَة بِهَا فَنَزَلَ (**لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفُسًا إِلَّا وُسُعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتُ**) مِنَ الْخَير (**وَعَلَيُهَا مَا اكُتَسَبَتُ**) مِنُ الشَّر (**رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذُنَا إِنُ نَسِينَا أَوُ أَخُطَأْنَا**) تَرَكُنَا الصَّوَاب لَا عَنُ عَمُد كَمَا آخَذُت بِهِ مَنُ قَبُلنَا وَقَدُ رَفَعَ اللَّه ذَلِكَ عَنُ هَذِهِ الْأُمَّة كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيث فَسُؤَاله اعُتِرَاف بِنِعُمَةِ اللَّه۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسر کے قول ''من الخیر من الشر'' کی وضاحت تحریر کرتے ہوئے آیت میں کار خیر کو ''کسب'' کے ساتھ اور کار شر کو ''اکتساب'' کے ساتھ کیوں ذکر کرنے کی وجہ تحریر کریں نیز ''الایة التی ماقبلها'' کا مصداق بھی متعین کریں (د) ''فَسُؤَاله اعُتِرَاف'' سے مفسرؒ نے کس سوال کا جواب دیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور جب ماقبل کی آیت نازل ہوئی تو مومنین نے وسوسوں کے بارے میں شکایت کی اور ان پر وسوسوں کے بارے میں حساب فہمی گراں گزری تو یہ آیت نازل ہوئی، اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا پس جس نفس نے جو نیکی کمائی اس کا ثواب اس کے لئے ہے اور جس نے جو بدی کمائی اس کا گناہ اس پر ہے (لہذا یہ کہتے رہو) اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو جائے (یعنی) بلا ارادہ ہم سے درستگی ترک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرما جیسا کہ آپ نے اس پر ہم سے پہلے لوگوں کی گرفت فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بھول چوک کو معاف فرما دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، لہذا پھر معافی کی درخواست دراصل اللہ کی نعمت کا اعتراف ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے ماقبل کی آیت میں یہ حکم نازل فرمایا کہ تم دلوں میں موجود باتوں کو چاہے ظاہر کرو یا نہ کرو اللہ قیامت میں ان پر ضرور محاسبہ کرے گا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بہت پریشان ہوئے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب تک تو ہمیں ان اعمال کا حکم تھا جنہیں ہم کر سکتے ہیں یعنی نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ، اور اب یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر عمل کرنے کی تو ہم میں طاقت نہیں ہے کیونکہ بلا اختیار وسوسے آجاتے ہیں اگر ان پر بھی پکڑ ہوئی تو ہمارا کیا بنے گا؟ صحابہؓ کی یہ بات سن کر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کیا تم بھی وہ ہی کہنا چاہتے ہو جو اہل کتاب، یعنی توریت و انجیل والوں نے کہا تھا ان کے پاس احکام آئے تو کہنے لگے "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانیں گے نہیں، تم تو یہ کہو "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ" ہم نے سنا اور مان

لیا، اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف جانا ہے، حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد سن کر صحابۂ کرام دل اور زبان سے آپؐ کا کہنا مان گئے اور بار بار ان کلمات کو دہرانے لگے، اس پر اللہ رب العزت نے اسورۂ بقرہ کی یہ آخری آیات نازل فرمائیں اور حضور علیہ السلام اور آپؐ کے متبعین کی تعریف بیان کرتے ہوئے قلبی وسوسوں پر مواخذہ کا سابقہ حکم منسوخ فرمادیا۔

جواب (ج)

مفسرؒ قول ''من الخير والشر'' کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے اپنے قول ''من الخير''..... ''والشر'' سے آیت کریمہ کے الفاظ ''ما كسبت'' اور ''ما اكتسبت'' کی وضاحت کی ہے، مفسرؒ کی وضاحت کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں ''ما كسبت'' سے مراد کار خیر اور ''ما اكتسبت'' سے مراد کار شر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انسان جو بھی خیر یا شر کا کام کرے گا اس کا ثواب اور سزا کا وہی مستحق ہوگا۔

آیت میں کار خیر کو کسب کے ساتھ اور کار شر کو اکتساب کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ میں کار خیر کو ''کسب'' اور کار شر کو ''اکتساب'' کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے اس جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کار خیر میں محض ارادہ ہی پر ثواب حاصل ہوگا البتہ کار شر میں محض ارادہ پر سزا نہیں ملے گی بلکہ اس کے عزم و فعل پر پکڑ ہوگی۔

''الاية التي ماقبلها'' کا مصداق:

واضح رہے کہ مفسرؒ کے قول ''الاية التي ماقبلها'' کا مصداق مذکورہ فی السوال آیت سے پہلی والی آیت ''وان تبدوا مافي انفسكم او تخفوه يحاسبكم به الله'' ہے۔

جواب (د)

''فَسُؤَالُه اعْتِرَاف'' سے مفسرؒ نے کس سوال کا جواب دیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے اپنے قول ''فَسُؤَالُه اعْتِرَاف'' سے ایک سوال کا جواب دیا ہے،

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ رب العزت نے اس امت سے خطا اور نسیان کو اُٹھالیا ہے اور بھول چوک میں ہونے والے افعال پر مواخذہ کو ختم کر دیا ہے تو پھر اہل ایمان کو ”ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا“ فرمانے کا حکم کیوں دیا ہے، خطا اور نسیان کی معافی کے بعد ان الفاظ کے ذریعہ پھر معافی طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟ مفسرؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں جناب! یہاں ان الفاظ سے معافی کی درخواست پیش کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ رب العزت کی جانب سے ہونے والے انعام کو بیان کرنا اور برسرعام اس کا اعتراف کرنا ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۴۵)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۶﴾

(**هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ**) وَاضِحَات الدَّلَالَة (**هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ**) لَا تُفۡهَم مَعَانِيهَا كَأَوَائِل السُّوَر وَجَعَلَهُ كُلَّه مُحۡكَمًا فِي قَوۡله "أُحۡكِمَتۡ آيَاته" بِمَعۡنَى أَنَّهُ لَيۡسَ فِيهِ عَيۡب وَمُتَشَابِهًا فِي قَوۡله "كِتَابًا مُتَشَابِهًا" بِمَعۡنَى أَنَّهُ يُشۡبِه بَعۡضه بَعۡضًا فِي الۡحُسۡن وَالصِّدۡق (**فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ**) مَيۡل عَنۡ الۡحَقّ (**فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ**) لِجُهَّالِهِمۡ بِوُقُوعِهِمۡ فِي الشُّبُهَات وَاللَّبۡس (**وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ**) تَفۡسِيره (**وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ**) تَفۡسِيره (**اِلَّا اللّٰهُ**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) محکم اور متشابہ کی اصطلاحی تعریف اور متشابہ کی اقسام مع امثلہ تحریر کریں (د) ”ھن ام الکتاب“ کا مطلب تحریر کرتے ہوئے خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

(اور) اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی جس کی آیات محکم یعنی واضح

الدلالت ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں، اور دیگر آیات متشابہ ہیں جن کے معانی اور مفہوم معلوم نہیں ہیں جیسے کہ سورتوں کے اوائل وغیرہ، اور اللہ تعالیٰ کے قول ''اُحْكِمَتْ آياته'' میں پورے قرآن کو محکم قرار دیا گیا ہے، یہ اس معنی کر ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قول ''كتابًا متشابهًا'' میں پورے قرآن کو متشابہ قرار دیا گیا ہے یہ اس معنی کر ہے کہ اس قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے حسن اور صدق میں مشابہ ہے، پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی یعنی حق سے انحراف ہے وہ اپنی جہالت، شبہات اور التباس میں واقع ہونے وجہ سے فتنہ برپا کرنے کیلئے متشابہات کے معنی تلاش کرنے میں لگ جاتے ہیں اور ان الفاظ کی تاویلات کرتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقی تاویل کا علم اللہ رب العزت کے سوا کسی پاس نہیں ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی آیات کے متعلق تفصیل بیان کی ہے، اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن میں بہت سی آیات محکمات ہیں اور بہت سی آیات متشابہات ہیں لیکن جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہے وہ قرآن کریم کی متشابہ آیات ہی کی تاویل میں لگے رہتے ہیں اور ان کا مقصد صرف اور صرف فتنہ برپا کرنا ہوتا ہے حالانکہ قرآن کی متشابہ آیات کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔

قوله: وجعله كله محكما......

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیا ہے جبکہ سورۂ ہود میں تمام قرآن کریم کو محکم اور سورۂ زمر میں تمام کو متشابہ قرار دیا ہے، اب سوال ہوتا ہے کہ کیا سورۂ آل عمران کی اس آیت میں اور سورۂ ہود اور زمر کی آیات میں تعارض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! قرآن کریم کی کسی بھی آیت میں تعارض نہیں ہے، اور رہا سورۂ ہود میں تمام قرآن کو محکم یا سورۂ زمر میں متشابہ قرار دینا تو وہ سورۂ آل عمران میں مذکور محکم و متشابہ کے معنی میں نہیں ہے بلکہ سورۂ ہود میں تمام قرآن کریم کو محکم قرار دینے کا مطلب یہ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ہے کہ قرآن کریم میں کسی طرح کا کوئی عیب نہیں ہے اور سورۂ زمر میں متشابہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعض حصے حُسن اور صدق میں بعض سے مشابہ ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ آیت مذکورہ میں محکم ومتشابہ کے کیا معنی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں محکم سے قرآن کریم کی آیات کا واضح الدلالت ہونا اور متشابہ سے غیر معلوم المعنی ہونا مراد ہے۔

جواب (ج)

محکم اور متشابہ کی اصطلاحی تعریف:

واضح رہے کہ محکم اصطلاح میں مفسر سے زیادہ قوی ایسے قول کو کہتے ہیں جس میں تاویل وتخصیص کا احتمال نہیں ہوتا جیسے ''ان اللہ بکل شئی علیم'' قرآن کریم کی محکم آیت ہے اس میں کسی طرح کی تاویل یا تخصیص کا احتمال نہیں ہے۔

اور متشابہ مجمل سے زیادہ پوشیدہ ایسے قول کو کہتے ہیں جس کے معنی دنیا میں معلوم نہ ہوسکیں جیسے کہ قرآن کریم میں مذکور حروف مقطعات اس کی مثال ہیں۔

متشابہ کی اقسام اور مثالیں:

واضح رہے کہ متشابہ کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ متشابہ جن کے معانی معلوم ہی نہ ہوں اور نہ معلوم ہونے کا کوئی امکان ہو جیسے قرآن کریم کے حروف مقطعات ''الم، حٰم'' وغیرہ ہیں، ان حروف کے معنی دنیا میں معلوم ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے (۲) وہ متشابہ جن کے لفظی معنی تو معلوم ہوں لیکن اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ان لفاظ سے کیا مراد لیا ہے یہ معلوم نہ ہو جیسے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اپنے لئے ''استواء، ساق، ید، وجہ'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، پس ان الفاظ کے معنی اگرچہ ہمیں معلوم ہیں لیکن اللہ رب العزت نے ان سے کیا مراد لیا ہے یہ معلوم نہیں ہے۔

جواب (د)

''ھن ام الکتاب'' کا مطلب:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ''ھن ام الکتاب'' کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی محکم

آیات دین اور دنیا کے احکام کی اصل اور بنیاد ہیں اور انہیں سے مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق:

''زیغ'' یہ مصدر ہے اور باب ضرب سے استعمال ہوتا ہے، بمعنی حق سے بے رغبت ہونا۔

''ابتغاء'' یہ بھی مصدر ہے اور باب افتعال سے استعمال ہوتا ہے، بمعنی کسی چیز کو طلب کرنا، کسی چیز کی جستجو کرنا۔

''الفتنة'' یہ ''فتن'' کی جمع ہے، بمعنی جہالت، فتنہ، فساد، یہاں اس سے مراد لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے آیات متشابہات کے غلط معنی بیان کرنا ہے..... ''تاویل'' بمعنی مطلب، تفسیر، مفہوم۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۷﴾

(قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ) عِبرَة (فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا) يَوم بَدر لِلْقِتَالِ (فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيلِ اللّٰهِ) أَىْ طاعته وهم النبى وأصحابه و كانوا ثلاثمائة وَثَلَاثَة عَشَرَ رَجُلًا مَعَهُم فَرَسَانِ وَسِتّ أَدْرُع وَثَمَانِيَة سُيُوف وَأَكْثَرهم رَجَّالَة (وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ) أى الكفار (مِّثْلَيْهِمْ) أى المسلمين أى أكثر مِنْهُمْ وَكَانُوا نَحو أَلْف (رَأْىَ الْعَيْنِ) أَىْ رُؤْيَة ظَاهِرَة مُعَايَنَة وَقَدْ نَصَرَهُمُ اللّٰه مَعَ قِلَّتهم (وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ إِنَّ فِىْ ذٰلِكَ) الْمَذْكُور (لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ میں کس غزوہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کا نام اور مختصر واقعہ تحریر کریں (ج) آیت کریمہ میں ''لکم'' سے کس کو خطاب کیا گیا ہے؟ تحریر کریں نیز یہ بھی بتائیں کہ ''آیة'' مؤنث ہے پھر اس کیلئے ''کان'' فعل مذکر کیوں لایا گیا ہے؟ (د) ''یرونهم مثليهم'' کی تمام ضمیروں کے مراجع متعین کرتے ہوئے اختلاف مراجع کی صورت میں ہونے والی تبدیلی کو تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

بلا شبہ تمہارے لیے بدر کے دن دونوں فریقوں کے قتال کے لیے مقابل ہونے میں عبرت ہے، ایک جماعت اللہ کی راہ یعنی اس کی اطاعت میں لڑ رہی تھی، اور وہ نبی علیہ السلام اور آپؐ کے اصحاب تھے جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ان کے ساتھ صرف دو گھوڑے، چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں ان میں سے اکثر لوگ پیادہ پا تھے، اور دوسری جماعت کافروں کی تھی جو ان مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنا زیادہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، حالانکہ ان کافروں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان (مسلمانوں) کی قلت کے باوجود مدد فرمائی، اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی نصرت سے مدد کرتا ہے، بلا شبہ اس مذکورہ واقعہ میں اہل بصیرت کے لئے بڑا سبق ہے۔

جواب (ب)

آیت میں مذکور واقعہ کی مختصر تفصیل:

اس آیت میں اللہ رب العزت غزوۂ بدر کی ایک جھلک بیان کی ہے، واضح رہے کہ غزوۂ بدر مضان ۲ھ ہوا ہے، یہ غزوہ اہل ایمان اور کفار مکہ کے مابین ہونے والی پہلی باقاعدہ جنگ تھی جس میں اہل ایمان کی تعداد تین سو تیرہ اور کفار کی تقریباً ایک ہزار تھی، اہل ایمان کے تین سو تیرہ مجاہدین کے پاس صرف ستر اونٹ دو گھوڑے، چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں جبکہ کفار ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھے لیکن اللہ رب العزت نے اس غزوہ میں اپنے نبی علیہ السلام اور ان کے متبعین کو واضح فتح عطاء فرمائی اور مشرکین کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ ان میں سے ستر مقتول ہوئے اور تقریباً اتنے ہی گرفتار ہوئے، اللہ رب العزت نے اس آیت میں اسی غزوہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے لئے جنگ بدر کے اس واقعہ میں ایک عبرت ہے بایں طور کے مشرکین تم سے زیادہ تھے لیکن وہ اپنی آنکھوں سے تم کو زیادہ دیکھ رہے تھے اللہ نے ان کی نظروں میں تمہاری تعداد کو زیادہ کر دیا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے اس کی مدد کرتا ہے۔

جواب (ج)

آیت کریمہ میں ''لکم'' سے کس کوخطاب کیا گیا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ میں ''لکم'' سے کس کوخطاب کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''لکم'' سے مؤمنین و کافرین یا مؤمنین و یہود کو خطاب کیا گیا ہے، اور انہیں بتایا گیا ہے کہ جنگ بدر کے واقعہ میں تمہارے لئے عبرت کا سامان موجود ہے۔

''آیۃ'' مؤنث ہے پھر اس کیلئے ''کان'' فعل مذکر کیوں لایا گیا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ ''آیۃ'' مؤنث ہے پھر اس کیلئے ''کان'' فعل مذکر کیوں لایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! یہاں ''کان'' اور اس کے اسم کے مابین خبر کے ذریعہ فصل کیا گیا ہے اس لئے ''کان'' فعل مذکر لایا گیا ہے۔

جواب (د)

''یرونھم مثلیھم'' کی تمام ضمیروں کے مراجع کی تعیین:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ''یرونھم مثلیھم'' کی ضمیروں کے مراجع میں دو احتمال ہیں (۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ ''یرونھم'' ضمیر فاعل کا مرجع مؤمنین ہیں اور ''ھم'' کا مرجع کفار ہیں اور ''مثلیھم'' میں ''ھم'' کا مرجع مؤمنین ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مؤمنین کفار کو تعداد میں اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

(۲) ان ضمائر کے مراجع میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''یرونھم'' ضمیر فاعل کا مرجع کفار ہیں اور ''ھم'' کا مرجع مؤمنین ہیں اور ''مثلیھم'' میں ''ھم'' کا مرجع کفار ہیں، اس صورت مطلب یہ ہوگا کہ کفار مؤمنین کو تعداد میں اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ٦٩﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۷﴾

(زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ) مَا تَشْتَهِيهِ النَّفْس وَتَدْعُو إِلَيْهِ زَيَّنَهَا اللّٰه ابْتِلَاء أَوِ الشَّيْطَان (مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ) الْأَمْوَال الْكَثِيرَة (الْمُقَنْطَرَةِ) الْمُجَمَّعَة (مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ) الْحِسَان (وَالْأَنْعَامِ) أَيِ الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم (وَالْحَرْثِ) الزَّرْع (ذٰلِكَ) الْمَذْكُور (مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ)۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) علامہ سیوطیؒ نے "متاع" کی کیا تفسیر کی ہے؟ تحریر کریں (د) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق قلمبند کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

لوگوں کیلئے مرغوبات کی محبت خوشنما کر دی گئی ہے یعنی ایسی چیزوں کی محبت کو جن کی قلب خواہش کرتا ہے اور ان کی طرف بلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے بطور آزمائش خوشنما بنا دیا ہے، یا شیطان نے (خوشنما بنا دیا ہے) خواہ (وہ مرغوبات) عورتیں، بیٹے، اموال کثیرہ، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگے ہوئے عمدہ گھوڑے، مویشی یعنی اونٹ، گائے اور بکری اور زراعت ہی کیوں نہ ہوں (حق یہ ہے کہ) یہ سب چیزیں دنیوی زندگی کے سامان ہیں، اور اچھا انجام اللہ رب العزت کے پاس ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اجمالی طور پر انسانوں کی مرغوب چیزوں کا ذکر فرمایا ہے،

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

یہ چیزیں چونکہ انسان کو مرغوب اور محبوب ہیں اور ایمان قبول کرنے کی صورت میں بظاہر ان چیزوں کا ضائع ہونا نظر آتا ہے اس لیے عموماً اہل کفر ایمان قبول نہیں کرتے، یہودیوں کے سامنے بھی یہی چیزیں تھیں جو ایمان سے مانع تھیں یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے دین پر چلوں گا تو نعمتیں چھن جائیں گے، حالانکہ ایمان کی وجہ سے نعمتیں زیادہ ملتی ہیں یہ بات اور ہے کہ کچھ دن کے لیے بطور امتحان کچھ تکلیف پہنچ جائے۔

خواہش کی چیزیں انسان کو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں ان چیزوں میں عورتیں بھی ہیں بیٹے بھی اور بھاری تعداد میں اموال بھی (یہ اموال سونے چاندی کی صورت میں ہیں) اور ان میں نشان لگائے ہوئے گھوڑے بھی ہیں اور مویشی بھی اور کھیتیاں بھی، ان چیزوں سے انسان خوش ہوتے ہیں اور جس کے پاس یہ چیزیں ہوں اس کو دنیاوی اعتبار سے بڑا آدمی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں چند روزہ ہیں دنیاوی زندگی میں ان سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیا جاتا ہے، اور آخرت میں تو صرف ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے اس لئے انسان کو چاہیے کہ اپنی آخرت کی فکر کرے ایمان صالحہ سے آراستہ ہوتا کہ دار آخرت میں اچھا ٹھکانہ پا کر کامیاب ہو جائے۔

(انوار البیان ۲/۲۶ تا ۲۷)

جواب (ج)

علامہ سیوطیؒ نے ''متاع'' کی کیا تفسیر کی ہے؟:

واضح رہے کہ حضرت علامہ سیوطیؒ نے ''متاع'' کی تفسیر ''يتمتع به فيها ثم يفنىٰ'' سے کی ہے، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ انسان جن چیزوں کو دنیوی زندگی کا ساز وسامان سمجھتا ہے ان کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ان سے دنیا میں کچھ مدت کیلئے فائدہ اٹھالیا جاتا ہے لیکن انجام کار یہ سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں اور سدا نام اللہ رب العزت ہی کا باقی رہتا ہے۔

جواب (د)

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق:

''الشَّهَوَات'' یہ ''شهوة'' کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کی خواہش کرنا۔

"اَلْقَنَاطِير" یہ "قنطار" کی جمع ہے، بمعنی کثیر مال، مال کا ڈھیر۔
"اَلْمُقَنْطَرَة" یہ مفعللہ کے وزن پر ہے، اور اس کے معنی بھی کثیر مال اور مال کے ڈھیر کے آتے ہیں۔
"اَلْمُسَوَّمَة" یہ "سماء" سے مشتق ہے، بمعنی کسی چیز کا عمدہ ہونا، نشان زدہ ہونا۔
"الْمَآب" یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے اور اسم مکان وزمان بھی، یہ اصل میں باب نصر سے "مَاْوَبٌ" بروزن مفعل تھا، واؤ کی حرکت ہمزہ کو دیکر واؤ کو الف سے تبدیل کر دیا "مآب" ہوگیا، بمعنی لوٹنے کی جگہ، ٹھکانہ، زمانہ۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۸﴾

(إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ) وَفِي قِرَاءَةٍ يُقَاتِلُونَ (النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ) بِالْعَدْلِ (مِنَ النَّاسِ) وَهُمُ الْيَهُودُ رُوِيَ أَنَّهُمْ قَتَلُوا ثَلَاثَةً وَأَرْبَعِينَ نَبِيًّا فَنَهَاهُمْ مِائَةٌ وَسَبْعُونَ مِنْ عِبَادِهِمْ فَقَتَلُوهُمْ مِنْ يَوْمِهِمْ (فَبَشِّرْهُمْ) أَعْلِمْهُمْ (بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) مُؤْلِمٍ وَذِكْرُ الْبِشَارَةِ تَهَكُّمٌ بِهِمْ وَدَخَلَتِ الْفَاءُ فِي خَبَرِ إِنَّ لِشَبَهِ اسْمِهَا الْمَوْصُولِ بِالشَّرْطِ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) مفسر علامؒ نے "بشرهم" کی تفسیر "اعلمهم" سے کیوں کی ہے؟ تحریر کریں
(د) مفسر علامؒ نے "دخلت الفا .... الخ...." سے کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟ آپ اعتراض اور اس کا جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور ایک

قرأت میں "یُقَاتِلُوْنَ" ہے اور ان لوگوں کو جو انصاف کا حکم دیتے ہیں مار ڈالتے ہیں، اور وہ یہود ہیں، روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے تینتالیس نبیوں کا قتل کیا ہے، ان کو ایک سو ستر بنی اسرائیل کے عابدوں نے منع کیا تو ان کو بھی اسی دن قتل کر دیا، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے (بجائے خبر کے) خوشخبری کا ذکر ان کے ساتھ بطور مذاق کے ہے اور "اِنَّ" کی خبر پر فا اس کے اسم موصول کی شرط کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے داخل ہوئی ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں تمام کفار بالخصوص یہود ونصاریٰ کیلئے وعید بیان کی گئی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی جو لوگ اللہ رب العزت کی آیات کا انکار کرتے ہیں، نبیوں اور انصاف کا حکم دینے والوں کو ناحق قتل کرتے ہیں آپ ﷺ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنادیجئے، صاحب روح المعانی علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ نے حضرت ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے ایک مرتبہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن کن لوگوں کو ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو پھر آپ علیہ السلام نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے ابوعبیدہ بنی اسرائیل نے ایک ہی وقت علی الصباح تینتالیس نبیوں کو قتل کیا تھا ان کو منع کرنے کے لیے ایک سو ستر افراد کھڑے ہو گئے تھے جو بنی اسرائیل کے عبادت گزاروں میں سے تھے انہوں نے ان قاتلین کو اچھے کاموں کا حکم دیا اور بری باتوں سے روکا تو دن کے آخر حصہ میں وہ سب بھی قتل کر دیئے گئے تھے۔

جواب (ج)

"بشرھم" کی تفسیر "أعلمھم" سے کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد باری "بَشِّرْھُمْ" کی تفسیر

''اعلمهم'' سے کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ''فبشرهم بعذاب اليم'' میں استعارہ تبعیہ ہے یعنی اخبار بالعذاب کو بشارت سے تشبیہ دی ہے جس کیلئے مشبہ بہ کو مشبہ کے واسطے مستعار لیا گیا ہے اور پھر بشارۃ سے ''بَشِّر'' مشتق کر کے ''فبشرهم بعذاب اليم'' ارشاد فرمایا گیا ہے، مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت میں موجود اسی استعارہ کو بیان کر کے کیلئے ''بشرهم'' کی تفسیر ''أعلمهم'' سے کی ہے۔ (جمالین ۱/۴۹۱)

جواب (د)

مفسر علامؒ نے ''دخلت الفا.... الخ....'' سے کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسر علامؒ نے ''دخلت الفا .... الخ....'' سے کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ اپنے اس جملہ سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ آیت کریمہ میں ''فبشرهم بعذاب اليم''.... ''ان الذين يقتلون'' کے شروع میں موجود ''ان'' حرف مشبہ بالفعل کی خبر واقع ہے اور ''ان'' حرف مشبہ بالفعل کی خبر ''فا'' داخل نہیں ہوتا ہے تو یہاں اس خبر پر ''فا'' کس طرح داخل ہوا ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب! یہ صحیح ہے کہ ''ان'' حرف مشبہ بالفعل کی خبر پر ''فا'' داخل نہیں ہوتا ہے لیکن یہاں چونکہ ''ان'' کا اسم، اسم موصول کے مشابہ ہے اور اسم موصول شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اس لئے یہ خبر جزاء کے مشابہ ہے اور شرط کے جواب میں آنے والی جزاء پر ''فا'' داخل ہوتا ہے اس لئے یہاں اس خبر پر ''فا'' داخل ہے، گویا عبارت اس طرح ہے ''الذين يكفرون فبشرهم بعذاب اليم'' جولوگ کفر کرتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔ (حاشیہ جلالین ۱/۴۸... کمالین ۱/۳۵۸)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

سوال ۷۱
جلالین شریف صفحہ ۴۸

وَنَزَلَتْ لَمَّا وَعَدَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّته مُلك فَارِس وَالرُّوم فَقَالَ الْمُنَافِقُون هَيْهَات (قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی) تُعطِي (الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ) مِنْ خَلْقك (وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ) بإتيانه (وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ) بِنَزْعِهِ مِنْهُ (بِيَدِکَ) بِقُدْرَتك (الْخَيْرُ) أَيْ وَالشَّرّ (إِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ حضور علیہ السلام ملک فارس اور روم فتح ہونے کا وعدہ کس موقع پر فرمایا تھا اور ''ھیھات'' اسم ہے یا فعل؟ نیز ''الخیر'' کے بعد ''ای الشر'' کا اضافہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی امت سے ملک فارس اور روم کے فتح ہونے کی پیشین گوئی فرمائی اور منافقوں نے یہ کہا کہ یہ بات بہت بعید ہے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (اے نبی!) آپ کہیے اے سارے جہانوں کے مالک تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ملک عطاء کرے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے ملک دے کر عزت دے اور جس کو چاہے چھین کر ذلت دے تیرے ہی قبضہ قدرت میں خیر وشر ہے، بلا شبہ تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ بدر واحد میں مشرکین مکہ کی مسلسل شکست اور مسلمانوں کے خلاف ہر جدوجہد میں ناکامی کے ساتھ مسلمانوں کی مسلسل ترقی اور اسلام کی روز

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

افزوں اشاعت نے قریش مکہ اور تمام غیر مسلموں میں ایک بوکھلاہٹ پیدا کردی تھی، اور وہ اسلام کی مخالفت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو رہے تھے، نتیجتاً ۵ھ مشرکین عرب اور یہود ونصاری نے باہم اتفاق کر کے مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا، اور سب نے یکبارگی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور فیصلہ کن جنگ کرنے کی ٹھان لی، اور اسی ارادہ سے آکر مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا، حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے مشورہ فرما کر دشمن کے راستہ میں مدینہ سے باہر خندق کھودنی شروع کردی حضور علیہ السلام اور تمام صحابہؓ کرام اس خندق کو کھودنے میں مصروف تھے کہ کھدائی کے دوران پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی، صحابہؓ نے اس پتھر کو توڑنے کی کوشش کی لیکن یہ اتنا سخت تھا کہ سب عاجز آگئے نتیجتاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا آپ علیہ السلام اسی وقت موقع پر تشریف لائے اور کدال کو اپنے دست مبارک میں لے کر ایک ضرب لگائی تو اس چٹان کے ٹکڑے ہو گئے، اور ایک آگ کا شعلہ برآمد ہوا جس سے دور تک روشنی پھیل گئی، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں بحیرۂ ملکِ فارس کے محلات وعمارات دکھلائی گئیں، پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر ایک شعلہ برآمد ہوا تو فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ سرخ محلات وعمارات دکھلائی گئیں، پھر تیسری ضرب لگائی اور روشنی پھیلی تو فرمایا کہ اس میں مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھلائے گئے، اور فرمایا کہ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی، حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد جب منافقین و یہود نے سنا تو کہنے لگے کہ دیکھو یہ مسلمان دشمن کے خوف سے تو خندق کھود رہے ہیں لیکن خواب ملک فارس وروم اور یمن کی فتح کے دیکھ رہے ہیں، اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی.....

''قل اللّٰهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير''

اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں دعا کریں کہ اے اللہ! آپ ملکوں

کے مالک ہیں آپ جسے چاہیں ملک دیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیں اور جسے چاہیں عزت دیں اور جسے چاہیں ذلت دیں بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔
(معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۲/۴۳تا۴۴)

''ھیھات'' اسم ہے یا فعل؟:

واضح رہے کہ عبارت میں مذکور''ھیھات'' اسم فعل ہے اور''بَعُدَ'' فعل ماضی کے معنی میں ہے، اور اس کا فاعل اس میں پوشیدہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ منافقین یہود کا کہنا تھا کہ'' بَعُدَ الصدق او الصحة او الوقع ''.....کہ حضور علیہ السلام نے فارس وروم کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس کا سچ ہونا، صحیح یا واقع ہونا ناممکن ہے۔

''الخیر'' کے بعد''ای الشر'' کا اضافہ کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے''الخیر'' کے بعد''ای الشر'' کا اضافہ کیا ہے اس اضافہ کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں، ایک وجہ جو اس وقت احقر کے ذہن میں آئی ہے اور علامہ صاویؒ نے اشارتاً اس کو بیان کیا ہے یہ ہے کہ مفسرؒ کا مقصد اس اضافہ سے اس جانب اشارہ کرنا ہے کہ جس طرح خیر کا مالک وخالق اللہ ہے اسی طرح شر بھی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھیں: حاشیۃ الصاوی ۱/۲۲۶)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲ ے﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۴۹﴾

(لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ) يُوَالُوْنَهُمْ (مِنْ دُوْنِ) أَيْ غَيْرِ (الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ) أَيْ يُوَالِيْهِمْ (فَلَيْسَ مِنَ) دِيْنِ (اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً) مَصْدَرُ تَقَيْتُه أَيْ تَخَافُوْا مَخَافَةً فَلَكُمْ مُوَالَاتُهُمْ بِاللِّسَانِ دُوْنَ الْقَلْبِ وَهٰذَا قَبْلَ عِزَّةِ الْإِسْلَامِ وَيَجْرِيْ فِيْمَنْ هُوَ فِيْ بَلَدٍ لَيْسَ قَوِيًّا فِيْهَا (وَيُحَذِّرُكُمْ) يُخَوِّفُكُمْ

(اَللّٰهُ نَفْسَهُ) اَنْ یَغْضَبَ عَلَیْکُمْ اِنْ وَالَیْتُمُوْهُمْ (وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ) اَلْمَرْجِعُ فَیُجَازِیْکُمْ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کرترجمہ کریں (ب) فوائد تفسیر تحریر کریں (ج) "هٰـذا" کا مشارالیہ متعین کرتے ہوئے موالات کی تشریح تحریر کریں اور بتائیں کہ کفار سے کس نوعیت کا تعلق رکھنا درست ہے؟۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

مؤمنوں کو چاہئے کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں کہ مؤمنین کو چھوڑ کر ان سے محبت کرنے لگیں، اور جو شخص ایسا کرے گا یعنی ان سے (دلی) دوستی کرے گا تو وہ اللہ کے دین کے بارے میں کسی شمار میں نہیں ہے مگر ایسی صورت میں کہ تم کو ان سے اندیشہ ہو "تُقٰة"..... تقیۃ" کا مصدر ہے، یعنی اگر تم کو ان سے کسی قسم کے ضرر کا خوف ہو تو تمہیں ان سے زبانی دوستی کی اجازت ہے لیکن دلی دوستی کی اجازت نہیں ہے، اور یہ حکم اسلام کے غلبہ سے قبل کا ہے، اور مذکورہ حکم اس کے لیے بھی ہے جو کسی ایسے شہر میں ہو جہاں اسلام قوی نہ ہو، اور اللہ رب العزت تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے کہ اگر تم ان سے (دلی) دوستی کرو گے تو وہ تم سے ناراض ہوگا اور اللہ کی طرف ہی آنا ہے پس وہ تم کو جزا دے گا۔

جواب (ب)

فوائد تفسیر:

قولہ: یُوَالُوْنَهُمْ.....

اس جملے سے مفسرؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ "اَوْلِیَـاء" ولی بمعنی محبت سے ماخوذ ہے استعانت کے معنی میں نہیں ہے۔

قولہ: تُقٰة.....

یہ "تَـقِیَّة" کا مصدر مفعول مطلق ہے بمعنی بچنا، حفاظت کرنا.... "تُـقٰة" اصل میں

''وُقْيَة'' تھا واؤ کو تاء سے اور یاء کو الف سے بدل کر، تاء کو حذفِ واؤ پر دلالت کرنے کے لیے ضمہ دیدیا ''تقٰة'' ہوگیا۔

قوله: اَنْ یَغْضَبَ عَلَیْکُمْ.....

مفسرؒ نے اس جملے سے مضاف محذوف کی جانب اشارہ کیا ہے ''یُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَه ای غضب نفسه '' اور ان لوگوں پر رد کیا ہے جنہوں نے ''تقٰة'' کو مفعول قرار دیا ہے۔

جواب (ج)

''هذا'' کے مشار الیہ کی تعیین اور موالات کی تشریح:

واضح رہے کہ مفسرؒ کی عبارت ''هذا قبل عزة الاسلام '' میں ''هذا'' کا مشار الیہ ''الاان تتقوا ...الخ...'' ہے، اور موالات کی تشریح یہ ہے مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے محبت قلبی لگاؤ رکھیں کافروں سے قلبی لگاؤ اور دوستی کا تعلق نہ رکھیں، البتہ کافروں سے صلح اور عہد و پیمان کا تعلق رکھنا اور تجارتی لین دین رکھنا جائز ہے، اسی طرح جو مسلمان کسی دار الحرب میں رہتے ہوں اور ان کیلئے دوستی کا اظہار کئے بغیر کافروں کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ بھی کافروں کے ساتھ زبانی دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں اور صرف اسی قسم کا تعلق کافروں سے رکھنے کی اجازت ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۲﴾

(فَلَمَّآ أَحَسَّ) عَلِمَ (عِیسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ) وَأَرَادُوا قَتْله (قَالَ مَنْ أَنْصَارِیْ) أَعْوَانِی ذَاهِبًا (إِلَی اللّٰهِ) لَا أَنْصُر دِینه (قَالَ الْحَوَارِیُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ) أَعْوَان دِینه (اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ) یَا عِیسٰی (بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) ''حواریین'' کون تھے اور کتنے تھے اور ان کو حواری کیوں کہا جاتا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے انکار کو محسوس کیا اور انہوں نے ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ رب العزت کے لیے میرا مددگار کون ہوگا؟ درانحالا کہ میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں تاکہ میں اس کے دین کی مدد کروں تو حواریوں نے کہا ہم اللہ رب العزت کے مددگار یعنی اس کے دین کے مددگار ہیں اور ہم اللہ رب العزت کی تصدیق کرتے ہیں اور اے عیسیٰ! (علیہ السلام) تم گواہ رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اپنے اتباع اور اطاعت کی دعوت دی اور انجیل پر ایمان لانے کا حکم فرمایا اور ان کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم میری اطاعت و فرمانبرداری کرو تو بنی اسرائیل نے عناد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود سے خطاب فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے اور وہ لوگ ان کا مذاق بناتے تھے جوں جوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی ان کے انکار اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، نتیجتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس فرما لیا کہ بنی اسرائیل ایمان لانے والے نہیں ہیں تو آپؑ نے اعلان فرمایا کہ کون میرا مددگار بنے گا؟ اس پر بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے ایمان قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ گواہ رہنا ہم مؤمن اور فرماں بردار ہیں۔ (انوار البیان ۲/۶۰)

جواب (ج)

”حواریین“ کون تھے؟:

حواریین کون تھے اور ان کی کتنی تعداد تھی اس کے متعلق مفسرین نے متعدد اقوال نقل کیے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ہیں، واضح رہے کہ لفظ ’’حواری‘‘ ...... ’’حور‘‘ سے مشتق ہے ’’حور‘‘ سفیدی کو کہتے ہیں، ایک قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دھوبیوں کا کام کرتے تھے یعنی اجرت پر لوگوں کے کپڑے دھوتے تھے اس لیے ان کو حواری کہا جاتا تھا، جبکہ حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمۃ کا قول یہ ہے کہ ان کے کپڑے سفید تھے اس لیے ان کو حواری کے نام سے پکارا جاتا تھا اس کے برخلاف حضرت قتادہؒ کا کہنا یہ ہے کہ ان کے قلوب کی صفائی اور اخلاق کی پاکیزگی کی وجہ سے ان کو حواری کہا جاتا تھا۔

یہ کتنے افراد تھے اس سلسلے میں بھی مختلف اقوال ہیں ایک قول کے مطابق ان کی تعداد بارہ اور ایک قول کے مطابق انتیس تھی۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم۔ (انوار البیان ۲/۶۰)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۲﴾

(وَمَكَرُوْا) أَيْ كُفَّارُ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِعِيسَى إِذْ وَكَّلُوا بِهِ مَنْ يَقْتُلُهُ غِيلَةً (وَمَكَرَ اللّٰهُ) بِهِمْ بِأَنْ أَلْقَى شَبَهَ عِيسَى عَلَى مَنْ قَصَدَ قَتْلَهُ فَقَتَلُوهُ وَرَفَعَ عِيسَى إِلَى السَّمَاءِ (وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِينَ) أَعْلَمُهُمْ بِهِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مکر کے لغوی معنی تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ کیا اللہ رب العزت کے لئے اس لفظ کو استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر ’’مکر اللہ‘‘ کی کیا تاویل ہوگی تحریر کریں (ج) مفسرؒ نے ’’خیر الماکرین‘‘ کی تفسیر ’’أعلمھم‘‘ سے کیوں کی ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

بنی اسرائیل کے کافروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تدبیر کی جب ان کو ان لوگوں

کے حوالہ کردیا جوان کو اچانک قتل کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کی اسی طریقہ پر کہ اس شخص پر جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کی شبیہ ڈال دی چنانچہ لوگوں نے اسی کو قتل کردیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا، اور اللہ خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے یعنی خفیہ تدبیر کو ان سے زیادہ جاننے والا ہے۔

جواب (ب)

مکر کے لغوی معنی اور اللہ رب العزت کیلئے اس کو استعمال کرنے کا حکم:

واضح رہے کہ لفظ مکر باب نصر سے آتا ہے اس کے لغوی معنی کسی کو دھوکہ دینے کے آتے ہیں۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس لفظ کو اللہ رب العزت کیلئے استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کیلئے اس لفظ کو اس کے لغوی معنی کے اعتبار سے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور رہا آیت کریمہ میں اس کا استعمال تو یہاں یہ خفیہ تدبیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود مردود نے دھوکہ دینے کا ارادہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے خفیہ تدبیر کے ذریعہ ان کی حفاظت فرمائی اور یہود اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

جواب (ج)

مفسرؒ نے "خیر الماکرین" کی تفسیر "أعلمهم" سے کیوں کی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرؒ نے "خیر الماکرین" کی تفسیر "أعلمهم" سے کی ہے، اس کی وجہ جیسا کہ احقر کے ذہن میں آئی ہے یہ ہوسکتی ہے کہ مفسرؒ کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں "خیر الماکرین" میں لفظ مکر اپنے لغوی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت خفیہ تدبیر کو زیادہ جاننے والا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۲﴾

(إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى إِنِّىْ مُتَوَفِّيكَ) قَابِضك (وَرَافِعُكَ إِلَيَّ) مِنَ الدُّنيا مِنْ غَيرِ مَوت (وَمُطَهِّرُكَ) مُبعِدك (مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ) صَدَّقُوا بِنُبُوَّتِك مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالنَّصَارٰى (فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوْا) بِك وَهُمُ الْيَهُود يَعْلُونَهُمْ بِالْحُجَّةِ وَالسَّيْف (إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ)

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے متعلق مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کے عقیدہ کی تفصیل تحریر کریں (ج) ''متوفیک، رافعک'' کی ایسی تشریح تحریر کریں جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقیدہ واضح ہو جائے (د) ''متوفیک، رافعک، مطهرک'' کی لغوی اور صرفی تحقیق تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تم کو وفات دینے والا ہوں یعنی تم کو اپنے قبضہ میں لینے والا ہوں اور دنیا سے بغیر موت کے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور ان لوگوں سے جو منکر ہیں تم کو پاک یعنی الگ کرنے والا ہوں اور مسلمان اور نصاریٰ میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے اور تمہاری تصدیق کی ہے ان لوگوں پر جو تمہارے منکر ہوئے قیامت تک کے لیے غلبہ دینے والا ہوں اور یہاں منکرین سے مراد یہود ہیں، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصدقین یہود پر دلیل اور تلوار کے ذریعہ غالب رہیں گے پھر تم سب کی واپسی میری طرف ہوگی پس میں تمہارے درمیان دینی معاملہ میں جس میں تم اختلاف کرتے تھے فیصلہ کروں گا۔

جواب (ب)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام، یہود اور نصاریٰ کا عقیدہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے متعلق اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے آپؑ آسمان پر بقید حیات ہیں اور قرب قیامت میں دنیا میں تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور اسلامی حکومت قائم کریں گے نیز شادی بھی کریں گے اور پھر وفات پا کر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مدفون ہوں گے۔

اہل اسلام کے برخلاف آپؑ کے متعلق یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہو چکے ہیں اور اب آپؑ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے، اسی طرح نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام مقتول ومصلوب تو ہوئے تھے مگر پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے، لیکن یہ دونوں عقیدے بالکل باطل اور غلط ہیں اور قرآن کریم نے صراحتاً ان کو باطل قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے "وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ سولی پر چڑھایا گیا بلکہ ان یہود ونصاریٰ کو اشتباہ ہوگا، بایں طور کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور یہود میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰؑ کے ہم شکل کر دیا جس کو یہود نے سولی دیدی اور یہ خیال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو سولی دی گئی ہے اور یہی خیال نصاریٰ کو بھی ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں تھا اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھالیا تھا۔

جواب (ج)

"متوفیک، رافعک" کی اسلامی عقیدہ ظاہر کرنے والی تشریح:

متوفیک: یہ باب تفعل سے اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "توفی" آتا ہے بمعنی وفات دینا، کسی چیز کو پورا پورا لے لینا، واضح رہے کہ اس میں "ک" ضمیر واحد مذکر حاضر کی مضاف الیہ مفعول بہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اے عیسیٰ! علیہ السلام میں آپؑ کو اپنی گرفت میں

لے کر اٹھا لینے والا ہوں، میں آپ کو سلانے والا ہوں، علماء سلف نے اس کی تشریح میں لفظ قبض استعمال کیا ہے، یعنی گرفت میں لے لینا، قبضہ میں اور گرفت میں لینے سے قبض روح مع البدن یا صرف قبض روح یعنی مار ڈالنا مراد ہے یا نیند مسلط کرنا یعنی سلا کر نیند کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھانا مراد ہے اس میں بہت تفصیل ہے، آخر الذکر معنی کا متدل اللہ تعالیٰ کا قول "هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ" ہے یعنی اللہ تم کو رات کو سلاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "توفی" کا ایک معنی سلا دینا بھی آتا ہے، اور واقعہ بھی اسی طرح ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سلا کر اٹھالیا (کمافی المعالم) حضرت ابو البقاء نے کلیات میں کہا ہے کہ "مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ" یہ دونوں اگرچہ اسم فاعل کے صیغہ ہیں مگر معنی میں استقبال کے ہیں اور کلام میں تقدیم وتاخیر ہے اصل میں "رَافِعُكَ وَمُتَوَفِّيكَ" ہے، اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے آسمان پر اٹھایا گیا پھر آئندہ ان کو موت ہوگی، واضح رہے کہ تفسیر عباسی میں بھی اس قول کی تائید مذکور ہے۔

حضرت امام رازیؒ نے نہایت نفیس ودقیق تفسیر کی ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ "اِنِّی متوفیک" کے معنی "اِنِّی متمم عمرک فحینئذ اتوفاک فَلَا اَترُکُهُم حَتّٰی یقتلوک بل انا رافعک الی سمائی ومقرک بملائکتی واصونک عن ان یتمکنوا من قتلک" یعنی "اِنِّی متوفیک" کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری عمر پوری کرونگا اور پوری عمر کرنے کے بعد تم کو وفات دوں گا، کافروں کے ہاتھوں تمہیں قتل نہ ہونے دوں گا، بلکہ اپنے آسمان کی طرف تم کو اٹھالوں گا اور فرشتوں کے پاس تمہاری قیام گاہ ہے وہاں تم کو پہنچا دوں گا، اور کافروں کے قتل سے تم کو محفوظ رکھوں گا۔ (جمالین ۱/۵۱۱)

جواب (د)

"متوفیک، رافعک، مطہرک" کی لغوی اور صرفی تحقیق:

متوفیک: یہ باب تفعل سے اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "توفی" آتا ہے بمعنی وفات دینا، کسی چیز کو پورا پورا لے لینا، واضح رہے کہ اس میں "ک" ضمیر واحد مذکر حاضر

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

کی مضاف الیہ مفعول بہ ہے۔
رافعک: یہ باب فتح سے اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے، بمعنی اٹھانے والا۔
مطھرک: یہ باب تفعیل سے اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے، بمعنی پاک کرنے والا، پاکیزہ کرنے والا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ٦٧﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۳﴾

(فَمَنْ حَآجَّکَ) جَادَلَكَ مِنَ النَّصَارَی (فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ) بِأَمْرِهِ (فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَ نَا وَأَبْنَآءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ کُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَکُمْ) فَنَجْمَعُهُمْ (ثُمَّ نَبْتَهِلْ) نَتَضَرَّعْ فِي الدُّعَاءِ (فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِينَ) بِأَنْ نَقُولَ اللّٰهُمَّ الْعَنِ الْکَاذِبَ فِي شَأْنِ عِيسَی وَقَدْ دَعَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ نَجْرَانَ لِذٰلِكَ لَمَّا حَاجُّوهُ بِهِ فَقَالُوا حَتَّی نَنْظُرَ فِي أَمْرِنَا ثُمَّ نَأْتِيكَ فَقَالَ ذَوُو رَأْيِهِمْ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّتَهُ وَأَنَّهُ مَا بَاهَلَ قَوْمٌ نَبِيًّا إِلَّا هَلَکُوا فَوَادَعُوا الرَّجُلَ وَانْصَرَفُوا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں
(ج) مباہلہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ مباہلہ اب بھی مشروع ہے یا نہیں، اور اگر مشروع ہے تو کس وقت ہے۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

پھر نصاریٰ میں سے جو کوئی آپ علیہ السلام سے اس بارے میں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) حجت کرے بعد اس کے کہ آپؐ کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں علم پہنچ چکا ہے، تو ان سے کہو (اچھا) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی

اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور خود ہم اور تم بھی (آئیں) یعنی آپؐ ان سب کو جمع کریں پھر عاجزی سے دعاء کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں، پس اس طرح کہیں، اے اللہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جھوٹے پر لعنت فرما، اور جب انہوں نے آپ علیہ السلام سے اس معاملہ میں محاجہ کیا تو آپ علیہ السلام نے نجران کے وفد کو مباہلہ کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے معاملہ میں غور کرلیں، پھر ہم آپؐ کے پاس آئیں گے پس ان کے صاحب الرائے نے ان سے کہا کہ تم ان کی نبوت کو پہچان چکے ہو اور حق یہ ہے کہ جس قوم نے بھی اپنے نبی سے مباہلہ کیا ہے وہ ہلاک ہوئی ہے لہٰذا تم حضور علیہ السلام سے صلح کرلو اور واپس چلو۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ۹ھ ہجری میں حضور علیہ السلام نے نجران کے نصاریٰ کی جانب ایک فرمان بھیجا جس میں تین چیزیں ترتیب وار ذکر کی گئی تھیں (۱) اسلام قبول کرو (۲) یا جزیہ ادا کرو (۳) یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، نصاریٰ نے آپس میں مشورہ کر کے شرجبیل، عبداللہ بن شرجبیل اور جبار بن قیس کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا، ان لوگوں نے آکر مذہبی امور پر بات چیت شروع کی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت ثابت کرنے میں ان لوگوں نے انتہائی بحث و تکرار سے کام لیا، اتنے میں یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی، اس پر آپ علیہ السلام نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی اور خود بھی حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے تشریف لے آئے، شرجبیل نے یہ دیکھ کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں اور نبی سے مباہلہ کرنے میں ہماری ہلاکت و بربادی یقینی ہے، اس لئے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو، ساتھیوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک نجات کی کیا صورت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ نبی کی رائے کے موافق صلح کرلی جائے، چنانچہ اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا، اور آپ علیہ السلام نے ان پر جزیہ مقرر کر کے صلح کردی۔ (معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۲/۸۵)

جواب (ج)

مباہلہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

مباہلہ کے لغوی معنی عاجزی کرنے اور گڑگڑانے کے آتے ہیں اور اصطلاح میں فریقین کا کسی میدان میں جا کر ایک دوسرے کے متعلق اللہ رب العزت کے حضور یہ کہنا کہ ہم میں جو بھی ناحق ہو اس پر آپ کی لعنت ہے، مباہلہ کہلاتا ہے۔ (انوار الزجاجین ۱۱۴)

کیا مباہلہ اب بھی مشروع ہے؟:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں مباہلہ کا کیا حکم ہے اور کیا اس کی مشروعیت اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین اور فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے اور آج بھی جب کہ معاندین کی سرکشی حد سے بڑھ جائے تو قطعی الثبوت چیزوں میں مباہلہ کیا جا سکتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۵﴾

(وَ)اذْكُرْ (إِذْ)حِين (أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ لَمَآ)بِفَتْحِ اللَّام لِلِابْتِدَاءِ تَوْكِيد بِمَعْنَى الْقَسَم الَّذِي فِي أَخْذ الْمِيثَاق وَكَسْرهَا مُتَعَلِّقَة بِأَخَذَ وَمَا مَوْصُولَة عَلَى الْوَجْهَيْنِ أَيْ لِلَّذِي (اٰتَيْتُكُمْ) إِيَّاهُ وَفِي قِرَاءَة آتَيْنَاكُمْ (مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ) مِنَ الْكِتَاب وَالْحِكْمَة وَهُوَ مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ) جَوَاب الْقَسَم إِنْ أَدْرَكْتُمُوهُ وَأُمَمهمْ تَبَع لَهُمْ فِي ذٰلِكَ (قَالَ)تَعَالَى لَهُمْ (ءَأَقْرَرْتُمْ) بِذٰلِكَ (وَأَخَذْتُمْ)قَبِلْتُمْ (عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ) عَهْدِي (قَالُوْآ أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا) عَلَى أنفسكم وأتباعكم ذلك (وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِينَ) عَلَيْكُمْ وَعَلَيْهِمْ (فَمَنْ تَوَلّٰى)أَعْرَضَ (بَعْدَ ذٰلِكَ)الْمِيثَاق (فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) یہاں رسول سے کونسے رسول مراد ہیں حضور علیہ السلام یا کوئی اور، اگر حضور علیہ السلام ہیں تو آپ توان نبیوں کے زمانے میں مبعوث نہیں تھے تو پھر اس عہد کا کیا فائدہ ہے؟ حل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اس وقت کو یاد کرو جب انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں "لَمَا" لام کے فتحہ کے ساتھ لام ابتداء ہے اور اس قسم کے معنی کی تاکید کے لیے ہے جو "اَخَذَ المیثاق" سے مفہوم ہے اور لام مکسور بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں یہ "اَخَذَ" کے متعلق ہوگا، اور "مَا" دونوں صورتوں میں موصولہ ہے "ای الذی" اور ایک قرأت میں "اٰتَیْنٰکُم" ہے، پھر تمہارے پاس اس کتاب وحکمت کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے اور مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو تم ضرور اس رسول پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا اور "لَتُؤمِنُنّ... الخ...." جواب قسم ہے یعنی اگر تم ان کا پاؤ تو ان کی نصرت کرنا اور اس حکم میں انبیاء کی امتیں ان کے تابع ہیں (پھر) اللہ رب العزت نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو؟ اور اس پر میرے عہد کو قبول کرتے ہو؟ تو وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں اللہ نے فرمایا کہ اپنے اوپر اور اپنے متبعین پر اس بات کے گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے اور ان کے اوپر گواہ ہوں لہذا اب جو کوئی بھی اس عہد کے بعد روگردانی کرے گا تو وہی نافرمانوں میں شمار ہوگا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اُس عہد کا ذکر کیا ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا تھا، اس عہد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہر نبی سے یہ وعدہ لیا تھا کہ اگر تمہاری موجودگی میں کوئی دوسرا نبی آجائے تو اس پر ایمان لانا اور اپنی امت کو بھی اس پر ایمان لانے کی دعوت دینا اور اس نبی کی مدد کرنا، اور اگر تمہاری موجودگی میں کوئی دوسرا نبی نہ آئے تو اپنی امت کو

تاکید کر دینا کہ اس نبی پر جو میرے بعد آئے گا ایمان لے آنا اور اس کی تصدیق اور مدد کرنا چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا۔

واضح رہے کہ آیت کریمہ کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ جبکہ لفظ ''رسولٌ'' کی تنوین کو تنکیر کے لیے مانا جائے، جبکہ بعض مفسرین نے جن میں صاحب جلالین بھی ہیں اس تنوین کو تنکیر کیلئے نہیں مانا ہے بلکہ یہاں لفظ ''رسول'' سے حضور علیہ السلام کی ذات گرامی کو مراد لیا ہے اور آیت کریمہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر تمہاری موجودگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امتوں کو بھی اس کا حکم دینا کہ ان میں سے جو بھی ان کا زمانہ پالے ان پر ایمان لے آئے اور ان کی مدد کرے، واضح رہے کہ آیت کریمہ کی یہ دونوں تفسیریں درست ہیں اور اس دوسری تفسیر سے معلوم ہوتا ہے حضور علیہ السلام صرف نبی الامت ہی نہیں ہیں بلکہ آپ علیہ السلام نبی الانبیاء بھی ہیں۔

جواب (ج)

یہاں رسول سے کونسے رسول مراد ہیں؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں رسول سے کون سے رسول مراد ہیں، اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی علیہ السلام ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد صرف حضور علیہ السلام کے بارے میں لیا تھا کہ اگر وہ خود ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید ونصرت کریں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی یہی ہدایت کر جائیں، اس کے برخلاف حضرت طاؤس، حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں رسول سے خود انبیاء علیہم السلام مراد ہیں اور ان سے یہ میثاق اس لئے لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تائید ونصرت کریں گے۔

واضح رہے کہ اس دوسرے قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''واذ اخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح وابراهیم و موسیٰ وعیسی ابن مریم واخذنا منهم میثاقا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

غــلـیـظـا" سے بھی ہوتی ہے، لیکن صاحب جلالین کی رائے یہی ہے کہ یہاں رسول سے حضور علیہ السلام کی ذات گرامی مراد ہے، اور انبیاء علیہم السلام سے اس عہد کو لینے کا مقصد ان کی امتوں کو یہ بتانا ہے ان کیلئے حضور علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ (معارف القرآن، شفیع عثمانی ۲/۹۹)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۶﴾

(**كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا**) حَلَالًا (**لِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ**) يَعْقُوب (**عَلٰى نَفْسِهٖ**) وَهُوَ الْإِبِلُ لَمَّا حَصَلَ لَهُ عِرْقُ النَّسَا بِالْفَتْحِ وَالْقَصْرِ فَنَذَرَ إِنْ شُفِيَ لَا يَأْكُلُهَا فَحُرِّمَ عَلَيْهِ (**مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰةُ**) وَذٰلِكَ بَعْدَ إِبْرَاهِيمَ وَلَمْ تَكُنْ عَلٰى عَهْدِهٖ حَرَامًا كَمَا زَعَمُوا (**قُلْ**) لَهُمْ (**فَأْتُوا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوهَآ**) لِيَتَبَيَّنَ صِدْقُ قَوْلِكُمْ (**إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ**) فِيهِ فَبُهِتُوا وَلَمْ يَأْتُوا بِهَا۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) اس آیت میں یہود کے کس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے اور حضرت یعقوبؑ کا کیا واقعہ ہے تحریر کریں، نیز عرق النساء کی بیماری کیا ہے یہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

ہر کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا بجز اس کے کہ جس کو اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور وہ اونٹ تھا، اور انہوں نے ایسا اس وقت کیا تھا جب ان کو عرق النساء کا مرض لاحق ہو گیا تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی تھی کہ اگر میں شفاء یاب ہو گیا تو اس کو میں نہیں کھاؤں گا، چنانچہ انہوں نے اس کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے لیا، اور یہ واقعہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کا ہے، حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے زمانہ میں جیسا کہ تم گمان کرتے ہو اونٹ کھانا حرام نہیں تھا، اے نبی! آپ ان سے کہئے کہ تورات لاؤ اور اس کو پڑھو تا کہ تمہارے قول کی صداقت اگر تم سچے ہو تو ظاہر ہو جائے لیکن وہ بکے بکے رہ گئے اور تورات لیکر نہیں آئے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

صاحب معالم التنزیل کے بقول اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے ایک مرتبہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کا دعویٰ ہے آپ ملت ابراہیمی پر ہیں لیکن آپ اور آپ کے متبعین اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور نہ اونٹنیوں کا دودھ نہیں پیتے تھے پس آپ علیہ السلام کے عمل سے معلوم ہوتا ہے آپ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور آپ ملت ابراہیمی پر نہیں ہیں، اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں (جن کو تم بیان کر رہے ہو) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلال تھیں، آپ علیہ السلام کا جوب سنکر یہود کہنے لگے کہ ہر وہ چیز جو ہمارے نزدیک حرام ہے وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پر حرام تھی اور اس کی حرمت اسی طرح ہم تک پہنچی ہے، اس پر اللہ رب العزت نے مذکورہ آیت نازل فر مائی اور یہود کی بد باطنی ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی سب چیزیں علاوہ اس کے جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کیا تھا حلال تھیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے حرام کرنے کا واقعہ بھی تورات کے نازل ہونے سے پہلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے بعد پیش آیا ہے، اور اگر یہود اپنے قول میں سچے ہیں تورات لیکر آئیں اور اس میں پڑھ لیں ان کا سچ اور جھوٹ خود ظاہر ہو جائے گا۔ (انوار البیان ۲/۹۲)

جواب (ج)

اس آیت میں یہود کے کس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے؟:

اس آیت میں یہود کے جس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے اس کی تفصیل

شانِ نزول کے تحت گذر چکی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا کیا واقعہ ہے؟:

واضح رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے جس واقعہ کی جانب اس آیت میں اشارہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہوگئی تھی جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر میں صحت یاب ہوگیا تو کھانے میں جو چیز مجھے مرغوب ہے اس کو ترک کر دوں گا، اللہ کی رحمت کہ آپ علیہ السلام کو اس بیماری سے شفا حاصل ہوگی جس پر آپؑ نے اپنی نذر کو پورا کرنے کیلئے اونٹ کا گوشت کھانا اور اس کا دودھ پینا ترک کر دیا تھا۔

عرق النساء کس بیماری کا نام ہے؟:

واضح رہے کہ عرق النساء ایک قسم کے درد کا نام ہے جو سرین کے بائیں حصہ سے شروع ہو کر گھٹنے اور ٹخنے تک اترتا ہے اور یہ ایسی خطرناک بیماری ہے اگر توجہ نہ کی جائے اور یہ زیادہ دن تک رہ جائے تو انسان لنگڑا بھی ہو جاتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۶﴾

(إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ) مُتَعَبَّدًا **(لِلنَّاسِ)** فِي الْأَرْضِ **(لَلَّذِي بِبَكَّةَ)** بِالْبَاءِ لُغَةٌ فِي مَكَّةَ سُمِّيَتْ بِذَلِكَ لِأَنَّهَا تَبُكُّ أَعْنَاقَ الْجَبَابِرَةِ أَيْ تَدُقُّهَا بَنَاهُ الْمَلَائِكَةُ قَبْلَ خَلْقِ آدَمَ وَوُضِعَ بَعْدَهُ الْأَقْصَى وَبَيْنَهُمَا أَرْبَعُونَ سَنَةً كَمَا فِي حَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ وَفِي حَدِيثِ أَنَّهُ أَوَّلُ مَا ظَهَرَ عَلَى وَجْهِ الْمَاءِ عِنْدَ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ زُبْدَةٌ بَيْضَاءُ فَدُحِيَتِ الْأَرْضُ مِنْ تَحْتِهِ **(مُبٰرَكًا)** حَالٌ مِنَ الَّذِي أَيْ ذَا بَرَكَةٍ **(وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ)** لِأَنَّهُ قِبْلَتُهُمْ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں **(ب)** آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) بکہ اور مکہ کی تفصیل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

بلاشبہ سب سے پہلا گھر جو معبد کے طور پر لوگوں کے لیے مبارک بنا کر وضع کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے، مکہ ایک لغت میں بکہ باء کے ساتھ ہے، بکہ کے معنی توڑنے، پھوڑنے کے آتے ہیں مکہ چونکہ بڑے بڑے جباروں (ظالموں) کی گردنوں کو جو اس کے انہدام کا قصد کرتے ہیں توڑ کر رکھ دیتا ہے اس لئے اس کو بکہ بھی کہتے ہیں، اس کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی اس کے بعد مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہوا ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت سطح آب پر سفید جھاگ کی شکل میں جو چیز نمودار ہوئی تھی وہ کعبہ تھا اس کے بعد زمین کو اس کے نیچے سے پھیلایا گیا ''مبٰرکاً''..... ''الَّذِی'' سے حال ہے یعنی ''ذابرکۃ'' اور (یہ گھر) دنیا والوں کے لیے ہدایت ہے اس لیے کہ یہ ان کا قبلہ ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مکہ میں موجود بیت اللہ شریف کی خیر و برکت اور عظمت کو بیان کیا ہے، تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن جریج علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ یہود نے بیت المقدس کو بیت اللہ سے اعظم قرار دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ بیت المقدس وہ جگہ ہے جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام ہجرت کرتے رہے ہیں، نیز یہ ارض مقدسہ بھی ہے، مسلمان یہ سن کر کہنے لگے کہ بیت اللہ شریف اعظم ہے اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور لوگوں کے سامنے بیت اللہ شریف کی عظمت و برکت کو واضح فرمایا، صاحب معالم التنزیل نے اپنی تفسیر میں ارشاد باری ''اول بیت'' کے معنی بتاتے ہوئے علماء کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں، ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ کے بقول بیت اللہ شریف سب سے پہلا گھر ہے جو پانی پر ظاہر ہوا ہے اور آسمان و زمین کے پیدا ہونے سے دو ہزار سال پہلے وجود

میں آیا ہے اس وقت یہ پانی پر سفید بلبلہ کی مانند تھا، پھر اس کے نیچے سے زمین پھیلا دی گئی، حضرت زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ سب سے پہلا گھر ہے جو بیت المعمور کے طرز پر زمین میں بنایا گیا ہے، ان کے علاوہ اس سلسلے میں اور بھی بہت سے اقوال صاحب معالم نے نقل کیے ہیں۔

صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں کہ بیت شریف پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے پہلی مرتبہ فرشتوں نے بنایا یہ تعمیر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اس وقت یہ سرخ یاقوت سے بنایا گیا تھا لیکن طوفان نوحؑ میں اس کو اٹھالیا گیا تھا پھر دوسری مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا، پھر تیسری مرتبہ قریش نے اس کو تعمیر کیا اور اس تعمیر میں حضور علیہ السلام بھی شریک تھے یہ واقعہ آپ علیہ السلام کی بعثت سے پندرہ سال پہلے کا ہے پھر چوتھی مرتبہ اس کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا اور پانچوں مرتبہ حجاج بن یوسف نے اس کی تعمیر کی اور یہی تعمیر آج تک موجود ہے۔ (انوار البیان ۲/۹۵)

جواب (ج)

مکہ اور بکہ کی تفصیل:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے مکہ مکرمہ کو بکہ ارشاد فرمایا ہے، عام طور سے اس شہر کو مکہ کہا جاتا ہے، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ با اور میم قریب المخرج ہیں اور اہل عرب ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کر لیتے ہیں جیسے لازم کو لازب کہتے ہیں، لہذا مکہ میں با کو میم سے بدل دیا، جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بکہ بیت اللہ کی جگہ کا نام ہے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان بکہ ہے اور باقی مکہ ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ پورا حرم مکہ ہے۔ (انوار البیان ۲/۹۶)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

﴿سوال ۸۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۷﴾

(يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كٰفِرِينَ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ) اِسْتِفْهَام تَعْجِيب وَتَوْبِيخ (وَأَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ وَمَنْ يَعْتَصِمْ) يَتَمَسَّكْ (بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهِ) بِأَنْ يُطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرَ وَيُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَنْ يَقْوٰى عَلٰى هٰذَا فَنُسِخَ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ)۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسرؒ نے استفہام تعجب کے بجائے استفہام تعجیب کیوں کہا ہے؟ وجہ تحریر کریں (د) موت جب غیر اختیاری چیز ہے تو اس سے نہی کیوں کی جارہی ہے؟ سوچ کر تحریر کریں نیز ''حق تقاته'' کا مطلب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اے ایمان والو! اگر اہل کتاب کے کسی فریق کی بات مانو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے باوجود کافر بنا کر چھوڑیں گے اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو استفہام تعجب اور توبیخ کے لیے ہے، حالانکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے اور جو اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ سیدھی راہ کی طرف ہدایت پا جاتا ہے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے بایں طور کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے اس کا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اور اس کو یاد رکھا جائے بھلایا نہ جائے (جب یہ آیت نازل ہوئی) تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کس کو قدرت ہے تو اللہ رب العزت نے اس حکم

کو اپنے قول " فاتقوا اللہ ما استطعتم.... الخ...." سے منسوخ کر دیا، اور تم جان نہ دینا بجز اس حال کے کہ تم مسلمان اور مؤحد ہو۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

ان آیات میں اللہ رب العزت اہل ایمان کو نصیحت و تلقین کی ہے اور اپنی ذات سے خوف کھانے کا حکم فرمایا ہے، ان آیات کا شان نزول جیسا کہ تفسیر الدر منثور میں مذکور ہے یہ ہے کہ شاس بن قیس نام کا ایک یہودی بوڑھا تھا یہ نہ صرف کافر بلکہ مسلمانوں سے بہت زیادہ کینہ اور حاسد رکھنے والا انسان تھا، ایک مرتبہ اس کا گذر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک ایسی مجلس سے ہوا جہاں قبائل مدینہ اوس و خزرج کے افراد جمع تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے، اوس و خزرج مدینہ کے دو ایسے قبیلے تھے جن کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں لڑائیاں رہتی تھی، اس حاسد شخص کو ان حضرات کا انس و محبت کے ساتھ جمع ہونا بہت ناگوار ہوا اور اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ تو جا کر ان کے پاس بیٹھ جا اور ان کو ان کی پرانی لڑائیاں یاد دلا دے اور ان کے سامنے بعض وہ اشعار پڑھ دے جو یوم بعاث کے سلسلہ میں انہوں نے کہے تھے، واضح رہے کہ بعاث ایک جنگ کا نام ہے جو ان دونوں قبائل کے مابین ہوئی تھی اور اس میں قبیلۂ اوس کو خزرج پر غلبہ حاصل ہوا تھا، اس شخص کے کہنے پر وہ نوجوان اس مجلس میں چلا گیا اور اس نے ایسی ہی باتیں کیں جن کی وجہ سے اوس اور خزرج کو پرانی باتیں یاد آ گئیں اور آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے قریب تھا ان دونوں قبائل میں جنگ شروع ہو جاتی کہ حضور علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہو گیا آپ علیہ السلام مہاجرین کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت تم اللہ سے ڈرو کیا تم جاہلیت کے دعوے کو لے کر اٹھ رہے ہو اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت اور اسلام کے ذریعہ تم کو عزت دی ہے اور جاہلیت کی چیزوں کو ختم فرما دیا ہے اور تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی ہے کیا تم اپنی سابقہ حالت پر واپس ہونا چاہتے ہو، آپ علیہ السلام کی بات سن کر دونوں قبیلوں کو احساس ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ

دشمن کی چال تھی چنانچہ آپس میں پھر گلے ملکر شیر و شکر ہو گئے، اس موقع پر اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کافروں میں کسی کی بات نہ مانیں اگر وہ کافروں کی بات مانیں گے تو کافر انہیں ایمان لانے باوجود کافر بنا کر چھوڑیں گے۔

جواب (ج)

مفسرؒ نے استفہام تعجب کے بجائے استفہام تعجیب کیوں کہا ہے؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیات کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے، استفہام تعجب کے بجائے استفہام تعجیب کیوں کہا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعجیب تفعیل کے وزن پر ہے اور مفسرؒ نے تعجب کی جگہ اس لفظ کو آگے آنے والی توبیخ کی رعایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ (انوار الزجاجین ۱۲۱)

جواب (د)

موت جب غیر اختیاری چیز ہے تو اس سے نہی کیوں کی جارہی ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ ''وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مسلمون '' سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں موت کی نہی کی جارہی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، اس آیت میں موت سے نہی مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں مرتے دم تک اسلام پر ثابت قدم رہنے کا حکم مذکور ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں موت صرف اسلام کے تابعدار ہونے کی صورت میں آنی چاہئے بالفرض اگر کسی اور مذہب کی تابعداری میں موت آئی تو پھر تم ناکام ہو جاؤ گے۔

''حق تقاته'' کا مطلب:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور اللہ رب العزت کے ارشاد ''حق تقاته '' مصدر محذوف کی صفت ہے اور اس کی اصل عبارت یہ ہے ''تقوی حق تقاته '' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے ''حق تقاته هو ان يُطاع فلا يُعصى ويذكر فلا ينسىٰ ويشكر فلا يكفر '' اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب

العزت کے اس ارشاد کی تفسیر ''اتقوا اللّٰه ما استطعتم '' ہے، یعنی اللہ سے اپنے طاقت کے بقدر ڈرتے رہو۔ (جمالین ۱/ ۵۴۹)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۹﴾

(وَ)اُذْكُرْ يَا مُحَمَّد (**إِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ**) مِن الْمَدِينَة (تبوئ) تُنْزِل (**الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِد**) مَرَاكِز يَقِفُونَ فِيهَا (**لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ**) لِأَقْوَالِكُمْ (**عَلِيم**) بِأَحْوَالِكُمْ وَهُوَ يَوْم أُحُد خَرَجَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَلْفٍ أَوْ إِلَّا خَمْسِينَ رَجُلًا وَالْمُشْرِكُونَ ثَلَاثَة آلَاف وَنَزَلَ بِالشِّعْبِ يَوْم السَّبْت سَابِع شَوَّال سَنَة ثَلَاث مِنَ الْهِجْرَة وَجَعَلَ ظَهْره وَعَسْكَره إِلَى أُحُد وَسَوَّى صُفُوفهمْ وَأَجْلَسَ جَيْشًا مِنَ الرُّمَاة وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْد اللّٰه بْن جُبَيْر بِسَفْحِ الْجَبَل وَقَالَ انْضَحُوا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَأْتُونَا مِنْ وَرَائِنَا وَلَا تَبْرَحُوا غُلِبْنَا أَوْ نُصِرْنَا (**إِذْ**) بَدَل مِنْ إِذْ قَبْله (**هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) غزوۂ احد کا پس منظر اور مختصر واقعہ تحریر کریں (ج) ''**همت طائفتان** '' سے کون لوگ مراد ہیں اور ان کا کیا واقعہ ہے تحریر کریں (د) غزوۂ احد میں ہزیمت کے کیا اسباب تھے اور ان سے کیا سبق ملتا ہے یہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ وقت یاد کرو جب آپؐ مدینہ سے اپنے اہل کے پاس سے نکلے تھے (اور) مسلمانوں کو قتال کے مناسب مراکز پر کھڑا کر رہے تھے اور اللہ ان کے اقوال کو بڑا سننے والا اور ان کے احوال کو بڑا جاننے والا ہے اور یہ احد کا دن تھا، آپ علیہ السلام ایک ہزار

یا ایک ہزار میں پچاس کم افراد کے ساتھ نکلے تھے، اور مشرکوں کی تعداد تین ہزار تھی ۳ھ شوال کی ساتویں تاریخ شنبہ کے دن آپ علیہ السلام نے گھاٹی میں نزول فرمایا، اور احد پہاڑ کی جانب اپنی اور لشکر کی پشت رکھی، اور آپ علیہ السلام نے لشکر کی صفوں کو درست فرمایا، اور تیر اندازوں کا ایک دستہ جس پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو سالار نامزد فرمایا تھا پہاڑ کی ایک گھاٹی پر متعین فرمایا، اور فرمایا کہ تیر اندازی کے ذریعہ دشمن کو منتشر کر کے تم ہمارا دفاع کرتے رہنا، تاکہ دشمن ہماری پشت کی جانب سے نہ آسکے، اور اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا خواہ ہم مغلوب ہوں یا غالب، جب تم میں سے دو جماعتیں، یہ ''اذ'' سابقہ ''اذ'' سے بدل ہے، یہ خیال کر بیٹھی تھیں کہ وہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ رب العزت ان دونوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے۔

جواب (ب)

غزوۂ احد کا پس منظر اور مختصر واقعہ:

غزوۂ احد ۳ھ میں واقع ہوا ہے، اس غزوہ کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں قریش مکہ کو بڑی واضح شکست ہوئی تھی اور اللہ رب العزت تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے سچے نبی کی قیادت میں وقت کے طاقت ور ترین لوگوں پر غلبہ عطا فرمایا تھا، اور اللہ اور اسکے رسول کو مٹانے کا ارادہ لیکر آنے والے مشرکین کے ستر بڑے بڑے سردار کو مقتول اور ان کے اتنے ہی افراد کو مسلمانوں کو قیدی بنادیا تھا، قریش مکہ اپنی اس ہار سے انتہائی چراغ پا تھے، اور اسی جذبۂ انتقام میں ۳ھ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے عرب کے دیگر قبائل کو لیکر تین ہزار کی تعداد میں دوبارہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوگئے، قریش کا لشکر مکہ سے چل کر جب مدینہ منورہ کے قریب مقام عنین میں آکر ٹھیرا اس وقت حضور علیہ السلام کو اس کی اطلاع ہوئی، آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا ، خود حضور علیہ السلام اور تمام بڑے صحابہ نیز رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی لعنہ اللہ کا مشورہ یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے لیکن وہ باہمت صحابہ جنہیں ایک سال قبل حزوۂ بدر میں

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

شرکت کا موقع نہیں مل سکا تھا اس بات پر مصر تھے مدینہ سے باہر جا کر دشمن کے دانت کھٹے کیئے جائے، نتیجتاً حضور علیہ السلام نے انہیں اصحاب کے جذبہ کا خیال کیا اور تقریباً ایک ہزار افراد کے ساتھ جن میں منافقین بھی تھے آپ علیہ السلام مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، مقام شوط پر پہنچکر عبد اللہ بن ابی لعنہ اللہ اپنے تین سو منافقین کو لیکر آپ علیہ السلام سے لگ ہو گیا اور کہنے لگا جب ہمارا مشورہ تسلیم نہیں کیا گیا تو ہم اس جنگ میں ساتھ نہیں رہیں گے، منافقین کی علیحدگی کے بعد آپ علیہ السلام بقیہ مخلص صحابہ کو لیکر آگے روانہ ہوئے احد پہاڑ کے دامن میں قیام فرمایا، آپ علیہ السلام نے احد کو اپنی پشت پر رکھا اور لشکر کو ترتیب دیا اور ساتھ ہی ایک جماعت کو حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں احد کی ایک گھاٹی پر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ چاہے ہمیں شکست ہو یا فتح تم یہاں سے مت ہٹنا، اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اولاً اہل اسلام کا پلہ بھاری رہا اور جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی تو گھاٹی پر موجود لوگوں میں اختلاف ہو گیا بعض تو اپنے امیر کی قیادت میں وہیں رہے اور بعض وہاں سے ہٹ کر مال غنیمت اکھٹا کرنے میں مصروف ہو گئے، میدان چھوڑ کر بھاگتے ہوئے مشرکین نے جب اس گھاٹی کو خالی دیکھا تو پلٹ کر حملہ کر دیا اہل اسلام بے خبر تھے اس اچانک حملہ سے لمحہ بھر کیلئے بھگدڑ مچی لیکن پھر جم کر مقابلہ آرائی شروع ہوگئی، اس جنگ میں اگرچہ مشرکین کا بھی کافی نقصان ہوا لیکن اہل اسلام کا نقصان بھی بہت تھا ستر صحابہ شہید ہوئے تھے جن میں آپ علیہ السلام کے عزیز چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور خود آپ علیہ السلام کا چہرۂ انور زخمی ہوا تھا لیکن اس سب کے باوجود اس جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا اور اسلام و کفر کے مابین ہونے والی یہ جنگ فتح و شکست کا فیصلہ ہوئے بغیر ختم ہوگئی۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۲/۱۶۳ تا ۱۶۴ ..... انوار البیان ۲/۱۱۷ تا ۱۱۹)

جواب (ج)

''اذھمت طائفتان'' سے کون لوگ مراد ہیں اور ان کا کیا واقعہ ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں ''اذھمت طائفتان'' سے انصار مدینہ کے دو قبیلے بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے افراد مراد ہیں، ان کا واقعہ یہ ہے جب جنگ احد کے موقع پر عبد اللہ بن ابی لعنہ اللہ اپنے تین سو منافقین کے ساتھ لشکر اسلام سے الگ ہو گیا تو ان دونوں قبیلوں کے افراد پر بھی اس کا

اثر ہوا اور یہ بھی باوجود اپنے مخلص ہونے کے دشمن کی کثیر تعداد دیکھتے ہوئے ڈاواں ڈول ہونے لگے، اللہ رب العزت اس آیت میں انہیں کا بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ جب ان کی نیت متزلزل تھی اللہ نے ان کو ہمت دی اور یہ لشکر اسلام کے ساتھ موجود رہے۔

جواب (د)

غزوۂ احد میں ہزیمت کے کیا اسباب تھے اور ان سے کا سبق ملتا ہے؟:

غزوۂ احد میں ظاہری طور پر مسلمانوں کو جو ہزیمت حاصل ہوئی اس کے کیا اسباب تھے اس سلسلے میں علماء کرام بہت کچھ تحریر کیا ہے لیکن اس میں سب سے بنیادی سبب صحابۂ کرام کا اجتہادی سہو تھا، حضور علیہ السلام نے احد کی جس گھاٹی پر پچاس صحابۂ کرامؓ کو مقرر فرمایا تھا اور ان سے یہ کہا تھا کہ چاہے ہمیں شکست ہو یا فتح تم یہاں سے نہ ہٹنا ان صحابہؓ سے اول مرحلہ کی فتح کے بعد سہو ہوا تھا اور ان میں بعض اپنے اجتہاد سے وہاں سے ہٹ گئے تھے جس کے نتیجہ میں جنگ کی صورت حال تبدیل ہوگئی تھی۔

واضح رہے کہ غزوۂ احد کی اس ظاہری ہزیمت سے جہاں اور بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں وہیں ایک اہم سبق یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ دین و دنیا میں حضور علیہ السلام کے ارشادات کی ادنیٰ سی خلاف ورزی کرنا بھی نقصان کا سبب ہوسکتی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

❀❀❀❀❀

﴿سوال ۸۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۵۹﴾

(وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ) بِقِلَّةِ الْعَدَدِ وَالسِّلَاحِ (فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ) نِعَمَه (إِذْ) ظَرْف لِنَصَرَكُمْ (تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ) تُوعِدُهُ تَطْمِيْنًا (أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ) بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) غزوۂ بدر کا مختصر واقعہ تحریر کریں (ج) بدر کا جائے وقوع اور وجہ تسمیہ تحریر کریں (د) اس آیت کریمہ میں بدر میں آنے والے فرشتوں کی تعداد تین ہزار بیان کی گئی ہے جبکہ سورۂ انفال میں ان کی تعداد ایک ہزار اور ایک اور جگہ پانچ ہزار مذکور ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تعارض ہے آپ اس تعارض کا حل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور یقیناً اللہ رب العزت نے بدر میں تمہاری مدد کی، حالانکہ تم تعداد اور آلات کے اعتبار سے کم تھے، پس اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم اس کی نعمتوں کے شکر گزار بن جاؤ، اور اس وقت کو یاد کرو....."اذ" برائے ظرف ہے...... جب آپؐ مؤمنین سے ان کے قلوب کو مطمئن کرنے کے لئے وعدہ کر رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار نازل کردہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے..."منزلین"...میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں۔

جواب (ب)

تاریخ بدر کا مختصر واقعہ:

واضح رہے کہ غزوۂ بدر اسلام کا پہلا غزوہ ہے جو کفار مکہ کے ساتھ میدان بدر میں ہوا ہے اس غزوہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ملک شام سے لوٹنے والے قریش کے ایک کاروانِ تجارت کے تعاقب میں بروز اتوار بتاریخ ۱۲ ر رمضان المبارک ۲ھ کو ۳۱۳ صحابہ کو ساتھ لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے آپ کے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پہ بیر ابی عنبہ پہنچ کر آپ علیہ السلام نے لشکر کا جائزہ لیا، اور مسکینوں کو واپس کر دیا، مقام صفراء پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ تجارت کی حفاظت کے لئے مکہ سے قریش کا ایک لشکر روانہ ہو کر بدر کے قریب پہونچ گیا ہے، نیز اسی کے ساتھ یہ ہوا کہ قافلہ تجارت کے سردار ابوسفیان کو بھی حضور علیہ السلام کے اس تعاقب کی اطلاع مل گئی انہوں نے اس اطلاع کے بعد یہ کیا کہ ضمضم غفاری نام کے ایک شخص کو اجرت دے کر قریش کو اطلاع دینے کے لئے روانہ کر دیا اور خود نے قافلہ کو لیکر راستہ

تبدیل کر کے ساحل سمندر کے راستہ سے سفر شروع کر دیا، ادھر مکہ میں اطلاع پاتے ہی ابوجہل کی سرکردگی میں جنگجو نوجوانوں اور مانے ہوئے شہسواروں پر مشتمل ایک ہزار افراد کی جمعیت سو گھوڑوں، سات سو اونٹوں اور ناچنے والی عورتوں کولیکر مدینہ کی جانب روانہ ہوگئی، لیکن جب کاروان تجارت بچ کر نکل گیا تو ابوسفیان نے لشکر قریش کو پیغام بھیجا کہ قافلہ تجارت بحفاظت نکل آیا ہے تم واپس آجاؤ، اس پیغام کے ملتے ہی بنوزہرہ واپس آگئے، البتہ ابوجہل پورے لشکر کے ساتھ واپس ہونے پر تیار نہ ہوا اور یہ کہنے لگا کہ ہم بدر میں تین دن جشن منا کر واپس ہونگے حاصل یہ کہ کفار کا یہ لشکر بدر پہنچ گیا اور ۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کی صبح کو میدان بدر میں کفر و اسلام کی صفیں آمنے سامنے بندھ گئی، انفرادی مقابلہ شروع ہوا تو قریش کے لشکر سے عتبہ، شیبہ اور ولید نکلے، لشکر اسلام سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث آئے اور انہوں نے تینوں کافروں کا کام تمام کر دیا، عتبہ کے وار سے حضرت عبیدہؓ کی ٹانگ کٹ گئی تھی، کچھ دیر بعد انہوں نے شہادت پائی پھر عام حملہ شروع ہوا، مٹھی بھر توحید کے پاسبانوں نے ایمان و عزیمت اور بہادری و شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ میدان بدر آج بھی ان کی عظمت اور نصرت خداوندی کے گن گا رہا ہے، قریش کے ستر آدمی مارے گئے، ستر قید کئے گئے، چودہ مسلمان شہادت کی دولت سے سرفراز ہوئے اور اہل اسلام اپنے پیغمبر کے جلو میں شان و شوکت کے ساتھ مدینہ واپس آگئے۔ (کشف الباری ۱۹۶/۸)

جواب (ج)

بدر کا جائے وقوع اور وجہ تسمیہ:

واضح رہے کہ بدر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین موجود ایک کنویں کا نام ہے، اور اسی کی جانب موسوم ہو کر اس کے آس پاس کا تمام علاقہ بدر کہلاتا ہے، اور اس کنویں کا نام بدر ہونے کی وجہ یہ ہے اسکے کھودنے والے کا نام بدر تھا پس اسی کے نام پر اس کا نام رکھ دیا گیا اور یہی مشہور ہو گیا۔

(حاشیہ جلالین شریف ۵۹/۱)

جواب (د)

بدر میں آنے والے فرشتوں کی تعداد میں دفع تعارض:

واضح رہے کہ بدر میں آنے والے فرشتوں کی تعداد قرآن کریم میں مختلف بیان کی گئی ہے، یہاں ان فرشتوں کی تعداد تین ہزار بیان کی گئی ہے جبکہ سورۂ انفال میں ان کی تعداد ایک ہزار اور ایک دوسری جگہ پانچ ہزار مذکور ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدر میں آنے والے فرشتوں کی اصل تعداد کتنی تھی اور قرآن کریم میں جو مختلف تعداد بیان کی گئی ہے اس کے مابین تطبیق کی کیا صورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! آیت مذکورہ میں بدر میں آنے والے فرشتوں کی جو تعداد مذکور ہے یہ ابتدائی تعداد ہے، اللہ رب العزت نے بدر میں مسلمانوں کی مدد کیلئے اولاً ایک ہزار فرشتے نازل کئے تھے لیکن پھر ان میں اضافہ کر کے ان کی تعداد تین ہزار اور آخر میں پانچ ہزار کر دی تھی، قرآن کریم میں سورۂ انفال اور دیگر جگہ اسی آخری تعداد کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۶۰﴾

(قَدْ خَلَتْ) مَضَتْ (مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ) طَرَائِقُ فِي الْكُفَّارِ بِإِمْهَالِهِمْ ثُمَّ أَخْذِهِمْ (فَسِيرُوا) أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ (فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ) الرُّسُلِ أَيْ آخِرُ أَمْرِهِمْ مِنَ الْهَلَاكِ فَلَا تَحْزَنُوا لِغَلَبَتِهِمْ فَأَنَا أُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ (هَذَا) الْقُرْآنُ (بَيَانٌ لِّلنَّاسِ) كُلِّهِمْ (وَهُدًى) مِنَ الضَّلَالَةِ (وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ) مِنْهُمْ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) مفسرؒ کی عبارت "طرائق فی الکفار" کا مطلب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

تم سے پہلے بھی کفار کو مہلت دینے اور پھر گرفت کرنے کے واقعات گزر چکے ہیں

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

پس اے ایمان والو! زمین میں چلو اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے انجام میں غور کرو، ان کا انجام ہلاکت ہی ہوا ہے، لہٰذا تم ان کے وقتی غلبہ سے کبیدہ خاطر مت ہو میں ان کو ان کی ہلاکت کے وقت تک مہلت دے رہا ہوں (اور) یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے بیان ہے، اور ان میں سے پرہیزگاروں کے لیے گمراہی سے ہدایت اور نصیحت ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو غزوۂ احد میں ملنے والی ظاہری شکست وہزیمت پر تسلی دی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں تم سے پہلی امتوں میں بھی کفار کو مہلت دینے اور پکڑنے کے واقعات گذر چکے ہیں لیکن خدا اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا آخری انجام ہلاکت ہی ہوا ہے، اور اگر تم چاہو تو دنیا میں چل پھر اس بات کو دیکھ بھی سکتے ہیں دنیا میں جا بجا ایسے آثار وعلامات موجود ہیں جو اللہ اور اس کے رسولوں کے مکذبین کی ہلاکت پر دلالت کرتے ہیں، پس اے یمان والو! اگر (احد میں) وقتی طور پر تمہارے دشمنوں کو کسی طرح کی ظاہری فتح حاصل ہوگئی تو اس سے گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں پھر فتح یابی سے سرفراز فرمائے گا۔

جواب (ج)

"طرائق فی الکفار" کا مطلب:

مفسر علیہ الرحمۃ کی عبارت "طرائق فی الکفار" کا مطلب یہ ہے کہ جیسے امم سابقہ میں قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ سدوم وغیرہ کے ساتھ ہوا ہے اللہ رب العزت نے اولاً ان کو مہلت دی لیکن جب انہوں نے اس مہلت سے سبق حاصل نہیں کیا تو پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا اور ایسا پکڑا کہ یہ قیامت تک اقوامِ عالم کے لئے عبرت کا نمونہ بن گئے، پس جس طرح ان کے ساتھ ہوا ہے ایسا ہی ان کفار مکہ کے ساتھ ہوگا، احد میں ان کا جزوی طور پر کامیاب ہونا گویا ان کیلئے ایک مہلت ہے اگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھالیا اور خدا اور اس کے رسول کی بات تسلیم کر کے مسلمان ہوگئے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ ان کو بھی پکڑے گا اور انجام کار اہل اسلام ہی کو غلبہ عطاء فرمائے گا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۶۱﴾

(وَكَأَيِّنْ) كم (مِّنْ نَبِيٍّ قُتِلَ) وَفِي قِرَاءَةٍ قَاتَلَ وَالْفَاعِلُ ضَمِيرُهُ (مَعَهُ) خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهُ (رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ) جُمُوعٌ كَثِيرَةٌ (فَمَا وَهَنُوا) جَبُنُوا (لِمَآ أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ) مِنَ الْجِرَاحِ وَقَتْلِ أَنْبِيَائِهِمْ وَأَصْحَابِهِمْ (وَمَا ضَعُفُوا) عَنِ الْجِهَادِ (وَمَا اسْتَكَانُوا) خَضَعُوا لِعَدُوِّهِمْ كَمَا فَعَلْتُمْ حِينَ قِيلَ قُتِلَ النَّبِيُّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ (وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِينَ) عَلَى الْبَلَاءِ أَيْ يُثِيبُهُمْ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) فوائد تفسیر تحریر کریں (د) ''ربیون'' کون سا کلمہ ہے اس کو واضح کرتے ہوئے مفسر علامؒ نے اس کی تفسیر ''جموع'' کے ساتھ کس معنی کر کی ہے تحریر کریں اور ''استکانوا'' کا مادہ کیا ہے متعین کریں، نیز صبر کے لغوی اور اصطلاحی معنی بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اس عبارت کا ترجمہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ علماء نے اس کے دو ترجمے کئے ہیں ہم ذیل میں دونوں ہی ترجمہ ذکر کرتے ہیں......

اول: اور کتنے ہی نبی قتل کیے جا چکے ہیں اور ایک قراءت میں ''قاتل'' ہے اور اس کا فاعل اس کی ضمیر ہے یعنی ان کے ساتھ بہت سے اللہ والے تھے اور ''مَعَہ'' خبر ہے اور ''ربّیون کثیر'' اس کا مبتدا ہے، اور اس سے مراد بڑی جماعت ہے۔

دوم: اور بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، جو کچھ انہیں زخم اور ان کے انبیاء واصحاب کا اللہ کی راہ میں قتل پیش آیا ہے اس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری ہے اور نہ وہ جہاد میں کمزور پڑے ہیں اور نہ وہ اپنے دشمن سے دبے ہیں جیسا کہ تم نے کیا اس

وقت کیا ہے جب مشہور ہو گیا تھا کہ آپ علیہ السلام شہید کر دیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یعنی ان کو اجر دیتا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے ان لوگوں کی تعریف و توصیف بیان کی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ رہ کر اللہ رب العزت کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں، اور ساتھ ہی اہل اسلام کو اس بات کی نصیحت کی ہے کہ اگر کبھی کفار کے ساتھ جہاد کا موقع آجائے تو ثابت قدمی کے ساتھ میدان میں جمے رہنا ہی بہتر ہے اور اسی میں کامیابی ہے، اور میدان چھوڑ کا نکل جانا بزدلی کی دلیل ہے، شدائد اور تکالیف پر صبر کرنے والے مصبتوں اور آفات میں گھر کر اللہ رب العزت کو یاد کرنے والے افراد ہی اللہ کو زیادہ محبوب ہیں اور قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو اجر عطاء فرمائیں گے۔

جواب (ج)

فوائد تفسیر:

قوله: كم.....

اس سے مفسرؒ نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ "كَأَيِّنْ" کم خبریہ کے معنی میں ہے اور برائے تکثیر ہے۔

واضح رہے کہ "كَـأَيِّـن" اصل میں "اَيٌّ" تھا، اس میں کاف برائے تشبیہ اور نون برائے تنوین ہے جو خلاف قیاس باقی رکھا گیا ہے۔

قوله: وفي قرأةٍ قاتل.....

اس جملے سے مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ "وكاين من نبي قتل.....الخ..." کی دوسری قرأت کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں اس کی دوسری قرأت "وكاين من نبي قاتل.....الخ....." ہے۔

واضح رہے کہ پہلی قرأت کے اعتبار سے ''قُتِــــل'' کا نائب فاعل اس کی ضمیر مستتر ہے جو ''کاین'' مبتداء کی جانب راجع ہے، اور دوسری قرأت کے اعتبار سے ''قاتل'' کی ضمیر مستتر اس کا فاعل بنے گی۔

قوله: معه....

اس جملے سے مفسرؒ نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ میں ''معه'' خبر مقدم ہے اور ''ربیون'' مبتداء مؤخر ہے۔

جواب (د)

''ربیون'' کون سا کلمہ ہے......الخ.....؟

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور ''ربیون.... ربی....'' کی جمع ہے، اور یہ یا تو خلاف قیاس ''رب'' سے مشتق ہے یا ''رِبَّة'' سے مشتق ہے، پہلی صورت میں اس کے معنی عالم کے اور دوسری صورت میں جماعت کثیرہ کے آتے ہیں، یہاں اس سے کون مراد ہیں اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ یہاں اس سے علماء اور فقہاء مراد ہیں۔

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ''ربیون'' کی تفسیر ''جموع کثیرة'' سے کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسرؒ نے اپنے نزدیک اس کو ''رِبَّة'' سے مشتق مانا ہے اور اس سے مراد جماعت کثیرہ کو لیا ہے۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم۔

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ''استکانوا''..''استکانة'' سے مشتق ہے اس کے لغوی معنی دب جانے اور عاجز ہوکر رک جانے کے آتے ہیں، اور اس کا مادہ ''سکون'' یا ''کون'' آتا ہے۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۲/۲۰۰....حاشیہ جلالین شریف ۱/۶۱)

نیز صبر کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

واضح رہے کہ صبر کے لغوی معنی تنگی اور ناپسندیدہ حالت میں اپنی ذات کو قابو رکھنے کے آتے

ہیں، اور اصطلاح میں طاعات پر جمے رہنا، گناہوں سے اجتناب کرنا اور مصائب ومشکلات کو خوشی سے برداشت کرنا صبر کہلاتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۶۲﴾

(ثم أنزل علیکم مِنْ بَعْدِ الْغَمّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰی) اَلْيَاءِ وَالتَّاء (طَآئِفَةً مِّنْكُمْ) وَهُمُ الْمُؤْمِنُونَ فَكَانُوا يَمِيدُونَ تَحْتَ الحجف وَتَسْقُطُ السُّيُوفُ مِنْهُمْ (وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ)أَیْ حَمَلَتْهُمْ عَلَى الْهَمِّ فَلَا رَغْبَةَ لَهُمْ إِلَّا نَجَاتَهَا دُونَ النَّبِیِّ وَأَصْحَابِهِ فَلَمْ يَنَامُوا وَهُمُ الْمُنَافِقُونَ (يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ)ظَنًّا (غَيْرَ)الظَّنِّ (الْحَقِّ ظَنَّ) أَیْ كَظَنِّ (الْجَاهِلِيَّةِ)حَيْثُ اعْتَقَدُوا أَنَّ النَّبِیَّ قُتِلَ أَوْ لَا يُنْصَرُ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا تعلق کس غزوہ سے ہے اور اس کا ماقبل سے کیا تعلق ہے یہ بیان کرتے ہوئے اس آیت کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''امنة.... نعاسا.... یظنون....اور.... غیر الحق'' ترکیب میں کیا واقع ہو رہے ہیں تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

پھر اس نے غم کے بعد تم پر راحت کی نیند نازل کر دی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا گئی ''یغشی'' یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور وہ مؤمنین کی جماعت تھی، پس وہ اپنی ڈھالوں کے نیچے نیند کے جھونکے مار رہے تھے اور تلواریں ان کے ہاتھوں سے گری جاتی تھیں، اور ایک جماعت وہ تھی جسے اپنی جانوں کی پڑی تھی یعنی وہ غم میں مبتلا تھے انہیں صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی، نبی علیہ السلام اور آپؐ کے اصحاب کی فکر نہیں تھی، چنانچہ ان کو نیند نہیں آئی اور یہ منافقین کی جماعت تھی،

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے بایں طور کہ انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ نبی قتل کر دیئے گئے ہیں یا ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ کا تعلق غزوۂ احد سے ہے، اور ماقبل سے اس آیت کر ربط یہ ہے کہ اس پہلی والی آیت میں اللہ رب العزت نے اس غم کو بیان کیا ہے جو اہل اسلام کو غزوۂ احد میں حاصل ہوا تھا اور اب اس آیت میں اس غم کے ازالہ کو ذکر کیا ہے، واضح رہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو اولاً فتح کے بعد اچانک جس شکست کو سامنا کرنا پڑا تھا اگر چہ یہ شکست صرف عارضی تھی لیکن اہل اسلام کو اس سے کافی غم تھا اور وہ اسی غم کے ساتھ مصرف پیکار تھے کہ اچانک ایک اندوہ ناک خبر نے ان کے اوسان اور خطا کر دئے میدان کارزار گرم تھا کہ کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ حضور علیہ السلام نعوذ باللہ شہید کر دیے گئے اس خبر کے اڑتے ہی بہت سے صحابہ کرام رضی غم سے نڈھال ہو گئے اور بہت سے یہ کہکر کہ جب آپ علیہ السلام ہی دنیا میں نہیں رہے تو ہم جی کر کیا کریں گے جنگ میں مصروف ہو گئے، صحابہ رضی اسی غم کے ماحول میں تھے کہ اچانک اللہ رب العزت نے ان پر ایک نیند طاری کر دی، یہ نیند ایسی تھی کہ اصحاب رسول اپنی ڈھالوں کے پیچھے نیند کے جھونکے کھا رہے تھے اور تلواریں ان کے ہاتھوں سے گری جاتی تھیں، پس اس نیند کا طاری ہونا تھا کہ صحابہ رضی پر سکون طاری ہو گیا اور غم کا ماحول ختم ہو گیا اور اسی کے ساتھ یہ خبر بھی آ گئی کہ حضور علیہ السلام بحمد للہ بقید حیات ہیں اور محفوظ ہیں، اللہ رب العزت نے اس آیت میں اسی کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی منافقین کا بھی بیان کیا ہے اسی دوران جبکہ صحابہ غم میں مبتلا تھے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں صرف اپنی جانوں کو بچانے کی فکر تھی حضور علیہ السلام اور صحابہ رضی کا کوئی خیال نہیں تھا اور وہ اللہ رب العزت کے متعلق ناحق بدگمانیاں کر رہے تھے ان کا خیال تھا اللہ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا لیکن ان کا یہ گمان قطعاً غلط تھا، اللہ نے ہمیشہ اپنے نبی کی مدد کی ہے اور کرتا رہے گا۔

جواب (ج)

''امنة.... نعاسا.... یظنون.... اور.... غیر الحق'' ترکیب میں کیا واقع ہیں؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کے جملے ''امنة.... نعاسا'' کی ترکیب میں دو احتمال ہیں، پہلا احتمال یہ ہے کہ ''امنة'' مفعول بہ اور ''نعاساً'' بدل ہو، اس صورت میں تقدیری عبارت ''انزل علیکم نعاساً ذا امنة'' ہوگی، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''امنة'' حال مقدم یا مفعول لہ ہو یا ضمیر مخاطبین سے حال واقع ہو، اس صورت میں تقدیری عبارت ''ذوامنة ای انزل اللّٰه علیهم الامن وازال الخوف حتی نعسوا وعلیهم النوم'' ہوگی۔

اور ''یظنون'' ترکیب میں ''اهمتهم'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔

اور ''غیر الحق'' ترکیب میں ''ظناً'' محذوف کی صفت ہے۔

(تفصیل کیلئے دیکھیں: حاشیہ جلالین شریف ۱/۶۲)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۶۵﴾

(**اَلَّذِینَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ**) دُعَاءَهُ بِالْخُرُوجِ للقتال لما أراد أبو سفیان وأصحابه العودة تَوَاعَدُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُوقَ بَدْرِ الْعَامِ الْمُقْبِلِ مِنْ یَوْمِ أُحُد (**مِنْ بَعْدِ مَآ أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ**) بِأُحد (**لِلَّذِینَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ**) بِطَاعَتِهِ (**وَاتَّقَوْا**) مُخَالَفَته (**أَجْرٌ عَظِیمٌ**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت میں مذکور واقعہ کو اختصار کے ساتھ تحریر کریں (ج) آیت کریمہ کی ترکیب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے دوبارہ قتال کے لیے نکلنے کے حکم پر لبیک کہہ دیا باوجود اس کے کہ وہ احد میں زخم خوردہ ہو چکے تھے، اور یہ اس وقت ہوا جب کہ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں نے پلٹ کر آنے کا ارادہ کیا اور نبی علیہ السلام سے یوم احد کے بعد آئندہ سال بازار بدر کے موقع پر مقابلہ آرائی کا چیلنج کیا، پس ان میں سے جنہوں نے اس کی اطاعت کے ذریعہ نیکی اختیار کی اور اس کی مخالفت سے اجتناب کیا ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

جواب (ب)

آیت میں مذکور واقعہ کی تفصیل:

اس آیت میں غزوۂ حمراء الاسد کا واقعہ مذکور ہے، یہ غزوۂ احد سے اگلے دن پیش آیا تھا اور اسکی تفصیل جیسا کہ تفسیر الدر المنثور میں مذکور ہے یہ ہے کہ جب ابوسفیان اور ان کے ساتھی غزوۂ احد کے بعد واپس ہوئے تو راستے میں انہیں خیال آیا اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم مسلمانوں کو شکست دے کر واپس آ گئے یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا سب مسلمانوں کو ختم ہی کر دیتے تو بہتر تھا لہٰذا ہمیں واپس چل کر پھر حملہ کرنا چاہیے اور مسلمانوں کا نام نشان ہی مٹا دینا چاہیے، ادھر آپ علیہ السلام کو بھی اس کی خبر ہو گئی آپ علیہ السلام نے یہ خبر سنتے ہی صحابہ کرام کو ساتھ لیا اور ابوسفیان اور ان کے لشکر کے تعاقب میں روانہ ہو گئے آپ علیہ السلام کے ساتھ وہی صحابہؓ تھے جو غزوۂ احد میں شریک تھے اور ان میں سے بھی اکثر شدید زخمی تھے، آپ علیہ السلام نے ان صحابہؓ کے ساتھ حمراء الاسد نامی جگہ تک مشرکین کا پیچھا کیا، جب ابوسفیان کو یہ پتہ چلا کہ آپ علیہ السلام ہمارے تعاقب میں تشریف لا رہے ہیں تو ان پر رعب طاری ہو گیا اور یہ اپنے لشکر کو لیکر سیدھے مکہ روانہ ہو گئے اور جاتے ہوئے راستے میں بنی عبد القیس کے چند سواروں سے کہہ گئے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ دینا کہ ہم واپس لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، ان لوگوں کی

حمراء الاسد میں حضور علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے ابوسفیان کی بات آپ سے نقل کردی اس پر آپ نے اور آپ کے صحابہؓ نے بیک زبان "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ " کہا یعنی اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے، اس کے بعد آپ علیہ السلام مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، اللہ رب العزت اس آیت کریمہ میں اسی واقعہ کو بیان کیا ہے اور احد میں زخمی ہونے کے باوجود صحابہؓ کے نبی علیہ السلام کے ساتھ دوبارہ جہاد کیلئے نکلنے پر ان کی تعریف بیان کی ہے۔ (انوار البیان ۲/ ۱۵۸)

جواب (ج)

آیت کریمہ کی ترکیب:

آیت کریمہ کی ترکیب یہ ہے کہ "الذین" صلہ مابعد موصول، صلہ اپنے موصول سے مل کر مبتداء "للذین احسنوا ..... الخ...." خبر مقدم "اجر عظیم" مبتداء مؤخر، پھر یہ مبتداء اپنی خبر سے مل کر خبر ہے مبتداء اول کا اور مبتداء اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۶۶﴾

(لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوْٓا إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَّنَحْنُ أَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَاقَالُوا) وَفِى قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُولِ (وَ) نَكْتُب (قَتْلَهُمُ) بِالنَّصْبِ وَالرَّفْعِ (الْأَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ) وَيُقَالُ لَهُمْ إِذَا أُلْقُوا فيها (ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ) أَىْ بِذِى ظُلْم (لِّلْعَبِيدِ)۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) مفسر علامؒ نے "ظلام" کے بعد "ذی ظلم" فرما کر کس اعتراض کو دور کیا ہے اس کو

مع جواب تحریر کریں (د) ''سنکتب'' سے ''بغیر حق'' تک دونوں قرأتوں کی روشنی میں ترکیب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں، ہم ان کے قول کو ان کے اعمال نامے میں لکھ رہے ہیں تاکہ ان کو اس کا بدلہ دیا جائے، اور ایک قرأت میں ''یکتب'' یاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے، اور ہم ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو بھی لکھ رہے ہیں ''قتلھم'' نصب اور رفع دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اور ہم کہیں گے کہ جلانے والی آگ کا عذاب چکھو، اور جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا یہ عذاب تمہارے ان کرتوتوں کی وجہ سے ہے جو تم کیا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

جواب (ب)

آیت کا کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ شان نزول جیسا کہ لباب النقول میں مذکور ہے یہ کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بیت المدارس (مدرسہ) میں تشریف لے گئے وہاں فنحاص نامی ایک یہودی کے پاس لوگ جمع تھے فنحاص نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اے ابو بکرؓ! ہمیں اللہ کی طرف کوئی محتاجی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہے تو ہم سے قرض کیوں مانگتا ہے، اور یہ تمہارے ہی نبی کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرض طلب کرتا ہے، اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور آپؓ نے فنحاص کے چہرے پر طمانچہ مار دیا، فنحاص حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ تم نے ایسا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

کیوں کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے بہت سخت بات کہی ہے، یہ کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، فنحاص نے اپنے اس قول کا انکار کر دیا، اس پر اللہ رب العزت یہ آیت نازل فرمائی اور اس میں نہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سچائی کو واضح کیا بلکہ فنحاص اور اس کے ہم خیال جاہل لوگوں کے لئے عذاب الیم ہے اس کو بھی بیان کر دیا۔ (انوار البیان ۲/۱۶۴)

جواب (ج)

مفسر علامؒ نے ''ظلام'' کے بعد ''ذی ظلم'' فرما کر کس اعتراض کا جواب دیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''ظلام'' کے بعد ''ذی ظلم'' فرما کر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، یہاں کسی کو بھی یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ ''ظلام'' مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے اللہ رب العزت بہت زیادہ ظلم کرنے والے نہیں ہیں لیکن (نعوذ باللہ) تھوڑا بہت ظلم کر سکتے ہیں، مفسرؒ نے ''ذی ظلم'' فرما کر اس اعتراض ہی کو ختم کر دیا اور بتا دیا کہ یہاں ''ظلام'' اسم فاعل کے معنی میں ہے اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر بالکل بھی ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔

جواب (د)

''سنکتب'' سے ''بغیر حق'' تک کی ترکیب:

واضح رہے کہ آیت کریمہ ''سنکتب ماقالوا وقتلهم الانبياء بغير حق'' کی ترکیب پہلی قرأت کے اعتبار سے یہ ہے کہ...... ''سنکتب'' فعل با فاعل ''ماقالوا وقتلهم الانبياء'' معطوف اور معطوف علیہ مل کر مفعول بہ اور ''بغیر حق'' مضاف اور مضاف الیہ مجرور ہو کر ''سنکتب'' کے متعلق...... اور دوسری قرأت کے اعتبار سے اس کی ترکیب یہ ہے ''سُیُکتب'' صیغۂ مجہول ''ماقالوا وقتلهم الانبياء'' بحالت رفعی اس کا نائب فاعل اور ''بغیر حق'' صیغۂ مجہول کے متعلق اس طرح دونوں صورتوں میں یہ جملہ فعلیہ ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۱﴾

(وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ) تُورَث كَلَالَة (وَّلَهٗٓ)أَيْ لِلْمُوْرِثِ كَلَالَة (أَخٌ أَوْ أُخْتٌ)أَيْ مِنْ أُمٍّ وَقَرَأَ به بن مَسْعُود وَغَيْره (فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ) مِمَّا تَرَكَ (فَإِنْ كَانُوْٓا)أَيْ الْإِخْوَة وَالْأَخَوَات مِنْ الْأُمِّ (أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ)يَسْتَوِي فِيهِ ذَكَرهمْ وَأُنْثَاهُمْ (مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ) أَيْ غَيْر مُدْخِل الضَّرَر عَلَى الْوَرَثَة بِأَنْ يُوصِي بِأَكْثَر مِنْ الثُّلُث (وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) تفسیری فوائد کی روشنی میں آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) کلالہ کی تعریف کرتے ہوئے بتائیں کہ لفظ ''یورث'' ترکیب میں کیا واقع ہے، اور لفظ ''کلالۃ'' کیوں منصوب ہیں، جواب سوچ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اگر وہ آدمی جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے کلالہ ہے یا عورت جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے کلالہ اور اس کلالہ مورث کے ماں شریک بھائی یا بہن موجود ہیں، اور ''من ام'' حضرت عبداللہؓ ابن مسعود وغیرہ کی قرأت ہے، تو ان میں سے ہر ایک کیلئے متروکہ مال میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر ماں شریک بھائی اور بہن ایک سے زائد ہوں تو یہ سب کے سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، اور مذکر اور مؤنث اس میں برابر ہوں گے، (اور وراثت کا یہ حکم) وصیت کے نافذ کرنے اور قرض کے ادا کرنے کے بعد اس وقت ہے جبکہ دوسروں کا نقصان نہ ہو یعنی ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کر کے ورثاء کو کوئی ضرر نہ پہنچ رہا ہو، اور یہ حکم اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی حکمت کو خوب جانتا ہے۔

جواب(ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے کلالہ کی وراثت کے احکام بیان کئے ہیں، واضح رہے کہ اگر کوئی میت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ اور اولاد موجود نہ ہو البتہ اس کا اخافی بھائی یا بہن موجود ہو تو یہی بھائی بہن اس کے متروکہ مال کے وارث ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کے مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ بھائی بہن ایک سے زائد ہوں تو سب ثلث میں برابر کے شریک ہوں گے اور اس میں مذکر و مؤنث سب برابر ہوں گے۔

قوله: من بعد وصية.....

اللہ فرماتے ہیں آیت میں بیان کردہ وصیت کے احکام اس وقت نافذ العمل ہوں گے جب کہ میت کا قرض اور اس کی وہ وصیت جس سے وارثین کا کوئی نقصان نہیں ہے پوری کردی جائے گی اور اگر وصیت ایسی ہے جس کو پورا کرنے سے وارثین کا نقصان ہو جیسے کہ ثلث مال سے زیادہ کی وصیت تو پھر اس صورت میں اولاً وارثین کے حق کو مقدم رکھنا ضروری ہے، اور یہ احکام اللہ رب العزت کی جانب سے مقرر کردہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی حکمت سے بخوبی واقف ہیں۔

قوله: غير مضار.....

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور "غیر مضار" کا تعلق وصیت اور دین دونوں سے ہے، وصیت یا دین کے ذریعہ ورثاء کو نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً مرنے والا قرض کا جھوٹا اقرار کرلے یا اپنے ذاتی مال کے بارے میں وراثت کو روکنے کیلئے امانت کا اقرار کا کہ میرے پاس فلاں کی امانت موجود ہے، یا ایک تہائی سے زیادہ مال کی کسی کیلئے وصیت کردے، یا کسی پر اس کا قرض ہو جو وصول نہ ہوا ہو لیکن یہ کہدے کہ وصول ہو چکا ہے، یہ سب صورتیں ایسی ہیں جن سے ورثاء کو نقصان پہنچتا ہے۔

قوله: من ام و قرأبه ابن مسعود وغيره.....

مفسر علیہ الرحمۃ نے اس جملے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے افراد کی قرأت میں آیت کریمہ ”ولہ اخ او اخت“ کے بعد ”من ام“ کا اضافہ بھی موجود ہے۔ (تسہیل الجلالین ۱/۵۰۲.....جمالین ۱/۶۲۹)

جواب (د)

کلالہ کی تعریف:

واضح رہے کہ کلالہ کی متعدد تعریفات کی گئی ہیں لیکن اس کی مشہور تعریف یہ ہے کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے اصول اور فروع یعنی دادا، پرداد، بیٹے اور پوتے نہیں ہوتے۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ”کلالۃ“ اصل میں مصدر ہے اور ”کلال“ کے معنی میں ہے جس کے معنی تھک جانے اور ضعیف ہوجانے کے آتے ہیں۔

واضح رہے کہ کلالہ اس کو بھی کہتے ہیں جس کے مرنے کے وقت اس کا والد اور اولاد موجود نہیں ہوتی۔ (جمالین ۱/۶۲۸)

”یورث“ ترکیب میں کیا واقع ہے؟ اور ”کلالۃ“ کیوں منصوب ہے؟:

واضح رہے کہ ”یورث“ ترکیب میں ”رجل“ کی صفت واقع ہے، اور ”کلالۃ“ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۲﴾

(وَالَّذٰنِ) بتخفيف النون وتشديدها **(يـاتينها)** أى الفاحشة الزنى أَوْ اللِّوَاطة **(مِنْكُمْ)** أَىْ الرِّجَال **(فَاذُوْهُمَا)** بِالسَّبِّ وَالضَّرْب بِالنِّعَالِ **(فَإِنْ تَابَا)** مِنْهَا **(وَأَصْلَحَا)** الْعَمَل **(فَأَعْرِضُوْا عَنْهُمَا)** وَلَا تُؤْذُوهُمَا **(إِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا)** عَلٰى مَنْ تَاب **(رَّحِيْمًا)** بِهِ وَهٰذَا مَنْسُوخ بالحد إن أريد بها الزنى وَكَذَا إِنْ أُرِيدَ بِهَا اللِّوَاط عِنْد الشَّافِعِيّ لَكِنَّ الْمَفْعُول بِهِ لَا يُرْجَم عِنْده وَإِنْ كَانَ مُحْصَنًا بَلْ يُجْلَد وَيُغَرَّب۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) فعل سدومیت کے حکم میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا کیا اختلاف ہے اور اس سلسلے میں حضرت امام شافعیؒ کی کیا دلیل ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تم میں سے یعنی مردوں میں سے جو دو فحش کام یعنی زنا یا لواطت کے مرتکب ہوں، تو ان کو برا بھلا کہہ کر اور جوتے مار کر تکلیف پہنچاؤ، اور ''وَالّذانِ'' نون کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، پھر اگر دونوں اس فحش کام سے توبہ کر لیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں تو ان کو نظر انداز کر دو اور ان کو اذیت نہ پہنچاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول کرنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے، اور اس حکم سے اگر زنا یا لواطت مراد ہے تو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ حد کے ذریعہ منسوخ ہے، البتہ مفعول کو اگر چہ وہ محصن ہی کیوں نہ ہو ان کے نزدیک رجم نہیں کیا جائیگا بلکہ اس کے کوڑے مارے جائیں گے اور جلا وطن کیا جائیگا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت فعل سدومیت کے مرتکبین کی سزا بیان کی ہے، واضح رہے کہ عموماً اس فعل کو لواطت اور اس کے مرتکب کو لوطی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن میں راقم الحروف اس سے متفق نہیں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل بد کیلئے مذکورہ الفاظ استعمال کرنے سے ایک مقدس نبی کی توہین ہوتی ہیں بایں طور کہ ان کے نام نامی کی جانب اس کو منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ اس فعل کی مرتکب ان کی قوم تھی اس لئے میرے نزدیک اس فعل کو لواطت کہنے کے بجائے سدومیت اور اس کے مرتکب کو سدومی کہنا زیادہ مناسب ہے اور اسی لئے میں نے اس فعل کو کتاب میں ہر جگہ اسی نام سے تحریر کیا ہے، بہر حال اللہ رب العزت نے سدومی کی جو سزا ار

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

آیت کریمہ میں بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس فعل بد کے کرنے والے کو مار پیٹ کر سزا دی جائے اور اگر وہ اس سزا کے بعد اپنے اعمال کی اصلاح کر لے تو اس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ اللہ رب العزت توبہ کو قبول کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

واضح رہے کہ قرآن کریم نے فعل سدومیت کی صرف یہی سزا بیان کی ہے جس کو اوپر تحریر کیا گیا ہے لیکن یہ فعل بد اتنا غلیظ ہے کہ احادیث مبارکہ میں اس کے مرتکب کی اور بھی سزائیں مذکور ہیں اسی لئے فقہاء کرام کے مابین سدومی کو سزا دینے کے سلسلے میں اختلاف ہوا ہے، حضرت عبد للہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم کسی کو یہ غیر فطری کام کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل ومفعول دونوں کو مار ڈالو، محمد بن المنکد رکی روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں عرب کے علاقہ میں ایک مرد ہے جس کے ساتھ عورتوں والا کام کیا جاتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں صحابۂ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب سوائے ایک قوم کے کسی نے نہیں کیا ہے اور اللہ جل شانہ نے اس قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے میری رائے ہے کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے دوسرے صحابۂ کرامؓ نے بھی اس پر اتفاق کرلیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فعل کے مرتکب کو آگ میں جلا دینے کا حکم دیدیا، حضور علیہ السلام کے مذکور ارشاد اور صحابہ کرام کے عمل سے اس فعل بد کی قباحت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس فعل بد کے مرتکب کو قرآن کریم میں مذکور سزا ہی دی جائے گی یا احادیث میں بیان کردہ سزائیں بھی دی جا سکتی ہیں؟ تو اس کا جواب درج ذیل جزئیہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں..........

جواب (ج)

فعل سدومیت کے حکم میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف:

فعل سدومیت کی کیا سزا ہے؟ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور حضرت

امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی کوئی خاص سزا جس کو حد کہا جاسکے متعین نہیں ہے، قرآن کریم میں اس کی سزا مارنا مذکور ہے جبکہ احادیث میں قتل کرنا وارد ہوئی اور صحابہ کرام نے باتفاق اس کے مرتکب کو آگ میں جلایا ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کی کوئی خاص سزا متعین نہیں ہے بلکہ امیر کی رائے پر موقف ہے وہ موقع کی مناسبت سے جو سزا چاہئے دے سکتا ہے۔

اس کے برخلاف حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس فعل کے مرتکب کی سزا وہی ہے جو زانی کی سزا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ اس فعل کے مرتکب کو اگر وہ محصن ہے تو رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ کوڑے مار کر جلاوطن کر دیا جائے گا، آپؒ اپنے اس مسلک پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں ''الذین'' تثنیہ مذکر کا صیغہ ہے اور ''یاتینھا'' سے مراد فعل سدومیت ہے، اور یہ آیت حد زنا کی آیت سے پہلی ہے لہذا یہ حد زنا والی آیت سے منسوخ ہے اور حد زنا والی آیت معمول بہا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۲﴾

(إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ) أَيْ الَّتِي كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ قَبُولَهَا بِفَضْلِهِ (لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوْءَ) الْمَعْصِيَةَ (بِجَهَالَةٍ) حَالٌ أَيْ جَاهِلِينَ إِذَا عَصَوْا رَبَّهُمْ (ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ) زَمَنٍ (قَرِيبٍ) قَبْلَ أَنْ يُغَرْغِرُوا (فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ) يَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ (وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا) بِخَلْقِهِ (حَكِيمًا وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ) الذُّنُوبَ (حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ) وَأَخَذَ فِي النَّزْعِ (قَالَ) عِنْدَ مُشَاهَدَةِ مَا هُوَ فِيهِ (إِنِّي تُبْتُ الْاٰنَ) فَلَا يَنْفَعُهُ ذٰلِكَ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهُ (وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ) إِذَا تَابُوا فِي الْاٰخِرَةِ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ (أُولٰئِكَ أَعْتَدْنَا) أَعْدَدْنَا (لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا)۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) حالت "یأس" اور "بأس" کس کو کہتے ہیں تحریر کریں (د) "کتب علی نفسہ" اور "قریب" سے پہلے "زمن" مقدر ماننے کی وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے یعنی توبہ کی قبولیت کو اللہ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے وہ تو بس ان ہی لوگوں کی ہے جو نادانی سے معصیت کر بیٹھتے ہیں "بِجھَالَۃ" حال ہے یعنی جب وہ اپنے رب کی نافرمانی کرلیتے ہیں پھر جلدی ہی نزع کی حالت پیش آنے سے پہلے توبہ کرلیتے ہیں، پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے اور اللہ اپنی مخلوق سے واقف اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں باحکمت ہے اور اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرتا ہے جو برائیاں کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آجاتی ہے اور حالت نزع شروع ہوجاتی ہے اور وہ نزع میں پیش آنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرلیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں اس وقت توبہ کرنا تائب کے لئے مفید نہیں ہوتا اور نہ یہ توبہ قبول کی جاتی ہے اور وہ لوگ جو کفر ہی کی حالت میں مرجاتے ہیں، آخرت میں عذاب کے مشاہدہ کے وقت توبہ کریں گے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

ان دونوں آیات میں اللہ رب العزت نے توبہ کا قانون بیان کیا ہے، توبہ کے لغوی معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے آتے ہیں، اور اصطلاح میں توبہ گناہ کرنے کے بعد اس پر شرمندہ ہونے اور اللہ سے اس کی معافی طلب کرنے کو کہتے ہیں، اللہ فرماتے ہیں توبہ جس کا قبول کرنا حسب وعد

ہمارے ذمہ ہے وہ تو انہی کی ہے، جو حماقت سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں، اور پھر بہت جلد یعنی موت آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لیتے ہیں، پس اللہ انہی لوگوں کی توبہ قبول کرتے ہیں اور اللہ خوب جانتے ہیں کہ کس نے دل سے توبہ کی اور کس نے نہیں کی ہے لیکن اللہ چونکہ حکمت والے ہیں اس لئے دل سے توبہ نہ کرنے والے کی فضیحت نہیں کرتے، اس کے برخلاف وہ لوگ جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب موت ان کے سامنے آجاتی ہے اور دوسرے عالم کی چیزیں انہیں نظر آنے لگتی ہیں اس وقت توبہ کرتے ہیں تو اللہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرتے اور نہ ان کا اس وقت توبہ کرنا ان کے کسی کام آتا ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (معارف القرآن شفیع عثمانی ۲/۳۴۲)

جواب (ج)

حالت ''یأس'' اور ''بأس'' کس کو کہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ حالت ''یــأس'' نزاع سے پہلے کی حالت کو کہتے ہیں اس حالت میں کی ہوئی توبہ قبول ہو جاتی ہے، اور حالت ''بــأس'' نزاع شروع ہونے کے بعد کی حالت کو کہتے ہیں اس حالت میں کی ہوئی توبہ اللہ رب العزت کی مشیت پر موقوف ہوتی ہے، البتہ اس حالت میں ایمان کا قبول کرنا بالاجماع معتبر نہیں ہے۔ (حاشیہ جلالین ۱/۷۲)

جواب (د)

''کتب علی نفسہ'' کو مقدر ماننے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے ارشاد باری ''انما التوبة'' کے بعد ''کتب علی نفسه'' کو مقدر مانا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اس جملہ کو مقدر ماننے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے اس جملہ کو مقدر مان کر آیت کریمہ کے جملہ ''علـی اللّٰه'' سے وارد ہونے والے اعتراض کو رد کیا ہے، یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''انـمـا التوبة علی الله'' میں ''علـی الله'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر توبہ کو قبول کرنا واجب ہے، حالانکہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے،

مفسرؒ نے ''کتب علی نفسہ'' مقدر مان کر اس کا جواب دیا کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے رہی توبہ تو اس کو اللہ نے اپنے کرم سے از خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

''قریب'' سے پہلے ''زمن'' مقدر ماننے کی وجہ؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے آیت کریمہ میں ''ثم یتوبون من قریب'' میں ''قریب'' سے پہلے ''زمن'' کو مقدر ماننا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ انسان کی جانب سے معصیت کے واقع ہونے اور حالت نزاع شروع ہونے کے درمیان کوئی زیادہ وقفہ نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے مابین کا زمانہ نہایت قریب کا ہے جو جلد ہی ختم ہو جائے گا اس لئے توبہ کو جلد ہی کر لینا چاہئے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۳۷﴾

(وَلَا تَنْكِحُوْا مَا) بِمَعْنَى مَنْ (نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ إِلَّا) لٰكِنْ (مَا قَدْ سَلَفَ) مِنْ فِعْلِكُمْ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ مَعْفُوٌّ عَنْهُ (إِنَّهُ) أَيْ نِكَاحهنَّ (كَانَ فَاحِشَةً) قَبِيحًا (وَّمَقْتًا) سَبَبًا لِلْمَقْتِ مِنَ اللهِ وَهُوَ أَشَدُّ الْبُغْض (وَسَاءَ) بِئْسَ (سَبِيلًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ''آباؤکم'' کی مراد واضح کرتے ہوئے اس آیت کا شان نزول تحریر کریں ''الا ماقد سلف'' میں استثناء کی کون سی قسم ہے؟ تحریر کریں اور ''ساء سبیلا'' کی ترکیب اور مخصوص بالذم کو قلمبند کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے ''ما'' بمعنی ''من'' ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا یعنی سابق میں تم سے جو ہو گیا وہ معاف ہے یہ یعنی ان سے نکاح کرنا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مفسرؒ نے "کتب علی نفسہ" مقدر مان کر اس کا جواب دیا کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے رہی توبہ تو اس کو اللہ نے اپنے کرم سے از خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

"قریب" سے پہلے "زمن" مقدر ماننے کی وجہ؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسرؒ نے آیت کریمہ میں "ثم یتوبون من قریب" میں "قریب" سے پہلے "زمن" کو مقدر ماننا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ انسان کی جانب سے معصیت کے واقع ہونے اور حالت نزاع شروع ہونے کے درمیان کوئی زیادہ وقفہ نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے مابین کا زمانہ نہایت قریب کا ہے جو جلد ہی ختم ہو جائے گا اس لئے توبہ کو جلد ہی کر لینا چاہئے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۳﴾

(**وَلَا تَنْكِحُوْا مَا**) بِمَعْنَى مَنْ (**نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ إِلَّا**) لٰكِنْ (**مَا قَدْ سَلَفَ**) مِنْ فِعْلِكُمْ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ مَعْفُوٌّ عَنْهُ (**إِنَّهُ**) أَيْ نِكَاحهنّ (**كَانَ فَاحِشَةً**) قَبِيحًا (**وَّمَقْتًا**) سَبَبًا لِلْمَقْتِ مِنَ اللهِ وَهُوَ أَشَدُّ الْبُغْضِ (**وَسَاءَ**) بِئْسَ (**سَبِيلًا**)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) "آباؤکم" کی مراد واضح کرتے ہوئے اس آیت کا شان نزول تحریر کریں "الا ماقد سلف" میں استثناء کی کون سی قسم ہے؟ تحریر کریں اور "ساء سبیلا" کی ترکیب اور مخصوص بالذم کو قلمبند کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے "ما" بمعنی "من" ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا یعنی سابق میں تم سے جو ہو گیا وہ معاف ہے یہ یعنی ان سے نکاح کرنا

بے حیائی اور اللہ رب العزت کی ناراضگی کا سبب ہے اور (اللہ رب العزت کی ناراضگی) شدید ترین بغض ہے اور یہ بڑی بری راہ ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ میں ''آباؤ کم'' کی مراد اور آیت مذکورہ کا شان نزول:

آیت کریمہ میں ''آباؤ کم'' سے انسان کے اصول یعنی باپ، دادا، پردادا الی آخرہ مراد ہیں کسی بھی انسان کے لئے اپنے اصول کی ازواج سے نکاح کرنا خواہ اصول نے ان عورتوں سے وطی کی ہو یا نہ کی ہو جائز نہیں ہے، اور اسلام کا ایک ایسا حکم ہے جس نے نہ صرف زمانۂ جاہلیت کے عقیدۂ بد کو ختم کیا ہے بلکہ انسان کو آپسی خونی رشتہ کی عظمت کا بھی احساس دلایا ہے۔

''قال الصاوی رحمه الله تعالیٰ: المراد بالآباء الأصول وان علوا، فمتی عقد أحد من اصولک علی امرأة فلا یحل لک ولا لاحد من زریتک تزوجها بحال''.......(حاشیۃ الصاوی ۲/۲۰)

واضح رہے کہ زمانۂ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ لوگ باپ کے مرنے کے بعد اس کی منکوحہ سے نکاح کر لیتے تھے اور اس میں کوئی عیب یا شرم محسوس نہیں کرتے تھے، طلوع اسلام کے بعد جب حضرت ابوقیس بن اسلت رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ان کے صاحبزادے حضرت حصن بن ابی قیس رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے اسی دستور کے اعتبار سے اپنی بیوہ والدہ حضرت کبشہ بن معن ابن عاصم اوسیہ انصاریہ پر اپنی چادر ڈال دی جو اس بات کی علامت تھی کہ اب اس عورت کے حق دار یہ ہیں، لیکن حضرت حصن رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ اپنی والدہ سے نہ تو حق زوجیت ادا کئے اور نہ دوسرے کسی شخص سے شادی کرنے دی، حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی شکایت حضور علیہ السلام سے کر دی آپ علیہ السلام نے ان کو وحی کے انتظار کا مشورہ دیا، اس پر اللہ رب العزت آیت مذکورہ نازل فرمائی اور اہل ایمان کیلئے اپنے والد کی منکوحہ سے نکاح کو حرام قرار دے دیا، اور اس طرح والد کی منکوحہ سے نکاح کرنے کا دستورِ جاہلیت ختم ہو گیا۔ (کمالین ۱/۵۲۳.....فیض الامامین ۱/۴۴۹)

''الا ماقد سلف ''میں استثناء کی کون سی قسم ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ کے جملے ''الا ماقد سلف ''میں ''الا'' بمعنیٰ ''لکن'' ہے اور اس کی وجہ یہ ہے مستقبل سے ماضی مستثنیٰ نہیں ہوتا ہے، اور یہاں یہ استثناء منقطع ہے، البتہ بعض حضرات نے اس کو استثناء متصل بھی قرار دیا ہے، اس صورت میں اس کے دو معنی ہوں گے، پہلے معنی آیت میں مذکور لفظ ''نکاح'' سے وطی مراد لیتے ہوئے یہ ہوں گے کہ باپ کی موطوہ سے وطی کرنا حرام ہے، اور دوسرے معنی لفظ ''نکاح'' سے عقد مراد لیتے ہوئے یہ ہوں گے کہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (کمالین ۱/۵۲۳)

''ساء سبیلا'' کی ترکیب اور مخصوص بالذم کی تعیین:

واضح رہے کہ ''وساء سبیلا'' جملہ مستانفہ ہے، اس کی ترکیب یہ ہے کہ ''ساء'' بمعنیٰ ''بئس'' فعل ماضی ہے، اور اس میں ضمیر ''ھو'' پوشیدہ اس کا فاعل ہے اور ''سبیلا'' تمیز ہے اور اس کا مخصوص بالذم ''ذلک'' محذوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ''سبیل ذلک النکاح''۔ (اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابراہیم ۸۱)

نیز اس کی دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ''ساء'' فعل ماضی، ضمیر پوشیدہ راجع الی ماقبل اور ''سبیلا'' تمیز منقول عن الفاعل ....''ای ساء سبیلا''۔

(حاشیہ جلالین شریف ۱/۷۳...کمالین ۱/۵۲۳)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۴﴾

(وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً) غنى (أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ) الْحَرَائِر (الْمُؤْمِنٰتِ) هُوَ جَرى عَلَى الْغَالِب فَلَا مَفْهُوم لَهُ (فَمِنْ مَّامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) يَنْكِح (مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ) أَيْ أَنْتُمْ وَهُنَّ سَوَاء

فِي الدِّين فَلَا تَسْتَنْكِفُوا مِنْ نِكَاحِهِنَّ (فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ) مَوَالِيهِنَّ (وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُن بِالْمَعْرُوفِ) مِنْ غَيْرِ مَطْلٍ وَنَقْصٍ (مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ) زِنًا (فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ) الْحَرَائِرِ الْأَبْكَار إِذَا زَنَيْنَ (مِنَ الْعَذَابِ) الْحَدّ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) باندیوں کیلئے نصف حد کیا ہے؟ اور "المحصنٰت" کی تفسیر "الحرائر" سے کیوں کی گئی ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تم میں سے جو شخص آزاد مؤمن عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھے، یہاں ایمان کی قید غالب الوقوع ہونے وجہ سے لگائی گئی ہے اس لئے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، تو وہ مسلمان باندیوں سے جن کے مالک ہو نکاح کرلے، اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے اور تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو یعنی تم اور وہ دین میں برابر ہو لہٰذا ان سے نکاح کرنے میں عار محسوس نہ کرو بلکہ ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو، اور دستور کے مطابق بغیر ٹال مٹول اور کمی کے ان کا مہر ان کے حوالے کردو جبکہ وہ پاک دامن ہوں اور کھلم کھلا زنا کرنے والی اور خفیہ آشنائی کرنے والی نہ ہوں، پس جب یہ باندیاں نکاح میں آجائیں اور پھر بے حیائی یعنی زنا کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا آزاد غیر شادی شدہ عورت کے مقابلہ میں آدھی ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے باندیوں سے نکاح کرنے کا حکم بیان کیا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم سے کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یعنی

اس کا مہر اور نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو اس چاہئے کہ وہ پاک دامن مسلمان باندی سے نکاح کر لے اور اس کو بغیر کسی ٹال مٹول کے مہر ادا کر دے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے پر قادر ہو تو وہ باندی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مابین اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ یہ فرماتے ہیں کہ آزاد سے نکاح کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں باندی سے نکاح کرنا گرچہ جائز ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے، جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا فرمانا یہ ہے کہ اس صورت میں باندی سے نکاح کرنا بالکلیہ حرام ہے۔

واضح رہے مذکورہ بالا مسئلہ میں تو حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے لیکن اگر کسی شخص نے پہلے سے آزاد عورت سے نکاح کر رکھا ہو اور پھر وہ باندی سے نکاح کرنا چاہے تو باتفاق علماء اس شخص کیلئے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

قوله: انتم وهن سواء....

مفسر علیہ الرحمۃ نے اپنے اس جملے سے اللہ رب العزت کے ارشاد "**بعضكم من بعض**" کی وضاحت کی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں تم باندیوں سے نکاح کرنے میں عار محسوس نہ کرو کیونکہ تم دین اور نسل کے اعتبار سے ایک ہی ہو بایں طور کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور ایک ہی دین یعنی اسلام کے ماننے والے ہو پس جب ایسا ہے تو تم ان سے نکاح کرنے میں عار محسوس نہ کرو بلکہ مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور اگر وہ زانیہ یا چوری چھپے سے دوستیاں کرنے والی نہیں ہیں تو ان کا مہر ان کو ادا کر دو، واضح رہے کہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا میں مہر واجب نہیں ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی باندی زنا کی عادی ہے اور بے خبری میں کوئی اس سے مہر متعین کر کے نکاح کرتا ہے اور بعد میں اس کو باندی کے زانیہ ہونے کا علم ہوتا ہے تو اس کیلئے بھی مہر واجب نہیں ہے، اس کے بعد آخر میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اگر باندی سے زنا کا ارتکاب ہوتا ہے تو اس کی حد آزاد عورت کے مقابلہ میں آدھی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ج)

باندیوں کیلئے نصف حد کیا ہے؟:

واضح رہے کہ اسلام نے آزاد مرد وعورت کیلئے زنا کی حد شادی شدہ ہونے کی صورت میں سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ ہونے صورت میں سو کوڑوں کو رکھا ہے، لیکن غلام اور باندی کیلئے یہ حد ہر صورت میں پچاس کوڑے ہیں یعنی غیر شادی شدہ آزاد مرد وعورت کی جو حد ہے غلام اور باندی کی حد اس حد کا نصف حصہ ہے۔

''المحصنٰت'' کی تفسیر ''الحرائر'' سے کیوں کی گئی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''المحصنٰت'' کی تفسیر ''الحرائر'' سے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسرؒ نے ''الحرائر'' کے ذریعہ ''المحصنٰت'' کے معنی کی تعیین کی ہے، محصنات کے بہت سارے معنی ہیں آتے ہیں مثلاً پاک دامن ہونا، آزاد ہونا اور شادی شدہ ہونا، وغیرہ وغیرہ لیکن جمہور کے نزدیک یہاں ''المحصنٰت'' سے ''الحرائر'' مراد ہے مفسرؒ نے مذکورہ تفسیر سے اسی جانب اشارہ کیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۵﴾

(إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ) وَهِيَ مَا وَرَدَ عَلَيْهَا وَعِيد كَالْقَتْلِ وَالزِّنَا وَالسَّرِقَة وعن بن عَبَّاس هِيَ إِلَى السَّبْعِمِائَةِ أَقْرَب (نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ) الصَّغَائِر بِالطَّاعَاتِ (وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا) بِضَمِّ المِيم وَفَتْحهَا أَيْ إِدْخَالًا أَوْ مَوْضِعًا (كَرِيمًا) هُوَ الجنة۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) صغائر اور کبائر میں تعریف کے اعتبار سے فرق تحریر کریں (د) ''الصغائر'' کے بعد

''الطاعات''اور''مدخلا'' کے بعد''بضم الميم و فتحها'' کے ذکر کرنے کی وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور اگر تم ان بڑے گناہوں کے کاموں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے بچتے رہے اور بڑے گناہ وہ ہیں جن پر وعید وارد ہوئی ہے مثلاً قتل کرنا، زنا کرنا، چوری کرنا، اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ سات سو کے قریب ہیں، ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو طاعت کے صلہ میں معاف کر دیں گے اور تمہیں ایک معزز مقام میں کہ وہ جنت ہے داخل کریں گے ''مدخلا'' میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس کے معنی داخل کرنے اور مقام دخول کے آتے ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے کبائر سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور صغائر کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو اللہ رب العزت صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

واضح رہے کہ بعض علماء نے یہاں یہ سوال اٹھایا کہ اگر کوئی شخص یہ گمان کرلے کہ محض کبائر کے اجتناب سے جن میں عدم ادائے فرائض بھی داخل ہے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے لہذا جتنے بھی صغائر ہیں بظاہر نتیجہ کے طور پر مباح کا درجہ رکھتے ہیں اس لئے صغائر کا کرنا مباح ہے تو کیا اس آیت کی روشنی میں اس کا یہ گمان کرنا صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب صاحب مدارک التنزیل نے یہ دیا ہے کہ جناب! آیت مذکورہ میں کبائر کے اجتناب سے صغائر معاف کرنے کا جو وعدہ اللہ رب العزت نے کیا ہے اس کا مطلب یقینی طور پر معافی نہیں ہے بلکہ صرف وعدہ مغفرت ہے یعنی یہ مشیت الہی پر موقوف ہے وہ جس گناہ کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہئے معاف نہ کرے، اس سے صغائر کا مباح ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ (انوار البیان ۲/ ۲۲۷)

جواب (ج)

صغائر اور کبائر میں تعریف کے اعتبار سے فرق:

واضح رہے کہ صغائر اور کبائر میں تعریف کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ کبیرہ اس گناہ کو کہتے جس پر عذاب کی وعید وارد ہوئی ہے، اور صغیرہ وہ ہیں جن پر عذاب کی وعید وارد نہیں ہوئی ہے۔

صاحب "کتاب فرماتے ہیں کہ کبائر ان بڑے گناہوں کو کہتے ہیں جن کے ارتکاب سے اللہ رب العزت نے روکا ہے جیسے زنا، قتل، چوری وغیرہ اوران کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ صغائر ہیں۔

جواب (د)

"الصغائر" کے بعد "الطاعات" ذکر کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علامؒ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے "الصغائر" کے بعد "الطاعات" تحریر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسر اس جملہ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محض اجتناب کبائر صغائر کی معافی کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اطاعات کا ہونا بھی ضروری ہے۔

"بضم الميم وفتحها" کے ذکر کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسرؒ نے عبارت مذکورہ میں "مدخلا" کے بعد "بضم الميم وفتحها" کی عبارت "مدخلا" کے ترکیبی احتمالات کو بیان کرنے کیلئے تحریر کی ہے، مفسرؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ "مدخلا" میں دو احتمالات ہیں (۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ مصدر ہے اس صورت میں اس کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اس کا مفعول محذوف ہو گا، تقدیری عبارت ہوگی "ندخلكم الجنة ادخالا" ہم تمہیں جنت میں داخل کر دیں گے (۲) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اسم ظرف ہے اور مکان دخول کے معنی میں ہے، اس صورت میں یہ میم کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۵﴾

(وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ) عَصَبَةً يُعْطَوْنَ (مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ) لَهُمْ مِنْ مال (والذين عَقَدَتْ) بِأَلِفٍ وَدُونِهَا (أَيْمَانُكُمْ) جَمْعُ يَمِينٍ بِمَعْنَى الْقَسَمِ أَوِ الْيَدِ أَيِ الْحُلَفَاءُ الَّذِينَ عَاهَدْتُمُوهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَلَى النُّصْرَةِ وَالْإِرْثِ (فَآتُوهُمْ) الْآن (نَصِيبَهُمْ) حُظُوظَهُمْ مِنَ الْمِيرَاثِ وَهُوَ السُّدُسُ (إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا) مُطَّلِعًا وَمِنْهُ حالكم وهذا منسوخ بقوله وأولوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تفسیر تحریر کریں (ج) یہ آیت دوسری آیت کریمہ ''والـــواالارحـــام'' سے کس طرح منسوخ ہے؟ تحریر کریں (د) عقد موالات کسے کہتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور جو مال والدین اور اقرباء ان کے لئے چھوڑ جائیں ہم نے اس کے لئے وارث مقرر کردیئے ہیں جن کو وہ مال دیا جائیگا، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد و پیمان ہو چکے ہیں ''عـقـدت'' الف کے ساتھ اور بغیر الف کے پڑھا گیا ہے، اور ''ایمان'' ..... ''یمین'' کی جمع ہے بمعنی قسم یا عہد اور مراد تمہارے وہ حلفاء ہیں جن سے تم نے زمانۂ جاہلیت میں نصرت اور ارث پر معاہدہ کیا تھا تو اب ان کو میراث کا چھٹا حصہ دیدو، بے شک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے اور ان ہی میں تمہارا حال بھی ہے، اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے قول ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ'' سے منسوخ ہے۔

جواب (ب)

تفسير العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے عقد موالات اور وراثت کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، چنانچہ

رشاد فرماتے ہیں کہ جس کو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کیلئے ہم نے مرد وعورت میں سے وارث مقرر کر دئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے اپنی علم وحکمت سے حصہ مقرر کر دیا ہے اس میں تغیر وتبدل کرنا اللہ رب العزت کی حدود سے تعدی کرنا ہے، اسی طرح جن لوگوں سے تمہارا عہد وپیمان ہو چکا ہے یعنی جو لوگ تمہارے حلیف ہیں یا جن سے اسلام میں تمہارا بھائی چارہ ہو چکا ہے تو تم ان کو ان کی میراث کا حصہ دے دو بیشک اللہ تعالی ہر چیز پر مطلع ہے۔

واضح رہے کہ شروع اسلام میں حلیف کو میت کے مال سے چھٹا حصہ ملتا تھا نیز اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو شخص آپس میں دوستی کا اقرار کر لیتے تھے اور یہ اقرار اتنا مضبوط ہوتا تھا کہ ان میں سے ایک کے مرنے کی صورت میں دوسرا اس کا وارث ہوتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کو مولی الموالات کہتے تھے لیکن جب آیت "والو الارحام بعضهم اولى ببعض ...الخ" نازل ہوئی تو اس سے نہ صرف حلیف کی وراثت منسوخ ہوئی بلکہ زمانۂ جاہلیت کے مذکورہ عہد واقرار کو بھی منسوخ کر دیا گیا، اب ان حضرات کیلئے میت کی میراث میں باقاعدہ حصہ نہیں ہے ہاں اگر میت ان کیلئے اپنے کچھ مال کی وصیت کر جائے تو وہ وصیت ان کو ضرور ملے گی۔

(نوار البیان ۲/ ۲۴۱ .... معارف القرآن، ادریس کاندھلویؒ ۲/ ۲۰۳)

فوائد تفسیر:

قوله: عصبة....

اس جملے سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت میں مذکور لفظ "موالی" کے معنی کو متعین کیا ہے، واضح رہے کہ لفظ "موالی" کے مختلف معانی آتے ہیں لیکن یہاں اس سے وارث ہونا مراد ہے۔

قوله: الأن.....

اس جملے سے مفسرؒ نے ابتداء اسلام کی جانب سے اشارہ کیا ہے، یعنی ابتداء اسلام میں معاہد کو میراث میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔

قوله: الذين عاهد تموهم فى الجاهلية......

واضح رہے کہ آیت میں مذکور عہد سے مفسرؒ نے زمانۂ جاہلیت کا عہد مراد لیا ہے، لیکن بعض

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حضرات نے اس سے زمانۂ اسلام کے عقد مواخات کو بھی مراد لیا ہے، راقم الحروف نے آیت کریمہ کی تفسیر میں ان دونوں کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔

جواب (ج)

یہ آیت دوسری آیت کریمہ ''والو االارحام'' سے کس طرح منسوخ ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ کو مفسرؒ نے دوسری آیت ''والـــو االارحـــام'' سے منسوخ قرار دیا ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت اس دوسری آیت سے کس طرح منسوخ ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد انصار ومہاجرین کے مابین رشتۂ اخوت قائم فرمایا تھا، اس وقت اکثر لوگ چونکہ تنہاء تنہاء مسلمان ہوئے تھے اس لئے حضور علیہ السلام ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بلاتے اور ان دونوں کو آپس میں بھائی قرار دیتے تھے اور بھائی چارگی کا یہ رشتہ اتنا مضبوط ہوتا تھا کہ اس زمانے میں یہی بھائی آپس میں ایک دوسرے کی وراثت کے حقدار ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ''ولکل جعلنا موالی '' میں اس کو بیان کیا ہے لیکن جب بعد میں ان لوگوں کے حقیقی رشتہ دار بھی مسلمان ہوگئے تو اللہ رب العزت نے دوسری آیت ''والو االارحام'' نازل فرمائی اور اس آیت سے پہلی آیت ''ولکل جعلنا موالی '' کے حکم کو منسوخ فرما دیا اور یہ واضح کر دیا کہ اب کسی بھی میت کی وراثت کا حقدار اس کا حقیقی رشتہ دار ہے اور رہے یہ منہ بولے بھائی تو ان کے لئے صرف وصیت ہے اگر کوئی ان کے واسطے وصیت کر جاتا ہے تو یہ اس کو لینے کے حقدار ہیں۔ (انوار الزجاجین ۱۴۷؍۲)

جواب (د)

عقد موالات کسے کہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ عقد موالات اس عقد کو کہتے ہیں جو دو شخص آپس میں اس طرح کرتے ہیں کہ وہ دونوں زندگی بھر ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ایک کے مرنے

کی صورت میں دوسرا اس کے مال کا وارث ہوگا، اس عقد کے کرنے والے دونوں شخصوں کو مولی الموالات کہتے ہیں، اور عموماً یہ عقد زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۵﴾

(الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ) مُسَلَّطُوْنَ (عَلَى النِّسَآءِ) یُؤَدِّبُوْنَهُنَّ وَیَأْخُذُوْنَ عَلٰی أَیْدِیْهِنَّ (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ) أَیْ بِتَفْضِیْلِهٖ لَهُمْ عَلَیْهِنَّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْوِلَایَةِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ (وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا) عَلَیْهِنَّ (مِنْ أَمْوَالِهِمْ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) ''قوامون'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں، عورت مسجد میں نماز با جماعت کیلئے آسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ حضور علیہ السلام اس کی اجازت دی ہے، مسئلہ کی تفصیل کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

مرد عورتوں کے حاکم ہیں ان کی تادیب کرتے ہیں اور ان کو (ناپسندیدہ باتوں سے) باز رکھتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر علم میں عقل میں اور ولایت وغیرہ میں فضیلت دی ہے نیز اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کا کسی بات پر اپنی زوجہ محترمہ حضرت حبیبہ بنت زید رضی اللہ عنہا سے اختلاف ہوا حضرت سعد نے ایک

طمانچہ ان کے رسید کر دیا اس کی خبر جب حضرت حبیبہؓ کے ولد کو ہوئی تو وہ ان کو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت حاضر ہوئے اور قصاص کا مطالبہ کیا آپ علیہ السلام نے مقدمہ کی سماعت کے بعد قصاص کا حکم صادر کر دیا جب حضرت حبیبہؓ اپنے والد کے ساتھ قصاص کے ارادہ سے چلیں اسی وقت اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ نازل فرمادی، اور آگاہ کر دیا کہ شوہر اپنی عورتوں کے حاکم ہوتے ہیں (اگر وہ کسی بات پر عورت کو ماردیں تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا) آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت حبیبہؓ اور ان کے والد کو واپس بلایا اور آیت کریمہ سے مطلع فرما کر قصاص کا سابقہ حکم منسوخ فرمادیا۔ (حاشیۃ الصاوی ۲/ ۲۸)

جواب (ج)

''قوامون'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

''قـوامـون'' یہ باب افعال کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے اور باب نصر سے استعمال ہوتا ہے، اس کا مصدر قیام اور واحد ''قوّم'' آتا ہے، بمعنی حاکم ہونا، سرپرست ہونا۔

عورتوں کیلئے مسجد جانے کا حکم:

واضح رہے کہ عہد نبوی میں نماز با جماعت میں شرکت کیلئے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت تھی لیکن حضور علیہ السلام کے بعد خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اس پر پابندی عائد کر دی، اب بھی ان ممالک جہاں مفاسد نہیں ہیں عورتیں نماز میں شرکت کیلئے مسجد جاتی ہیں لیکن ہمارے ہندوستان میں چونکہ فتنہ زیادہ ہے اس لئے یہاں عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۷﴾

(يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ) أَيْ لَا تُصَلُّوا (وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى)

مِنَ الشَّرَابِ (**حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ**) بِأَنْ تَصِحُّوا (**وَلَا جُنُبًا**) بِإِيلَاجٍ أَوْ إِنْزَالٍ وَنَصْبُه عَلَى الْحَالِ (**إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيلٍ**) أَيْ مُسَافِرِينَ (**حَتّٰى تَغْتَسِلُوا**) فَلَكُمْ أَنْ تُصَلُّوا۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول اور تفسیر تحریر کریں

(ج) ''سکریٰ'' کو ''من الشراب'' سے مقید کرنے کی وجہ تحریر کریں

(د) ''الا عابری سبیل'' سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حالت جنابت میں مسجد سے گذرنا جائز ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال اور احناف کی جانب سے اس کی مناسب توجیہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یعنی نماز مت پڑھو، یہاں تک کہ جو کہو اس کو سمجھنے لگو، یعنی ہوش میں آ جاؤ، اور نہ حالت جنابت میں (نماز ادا کرو) جب تک کہ تم غسل نہ کرلو، حالت جنابت خواہ ادخال کی وجہ سے ہو یا انزال کی وجہ سے (بہر صورت یہی حکم ہے) بجز اس کے کہ تم حالت سفر میں ہو تو تمہارے لئے (بغیر غسل تیمّم کر کے) نماز پڑھنا جائز ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جبکہ شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چند صحابۂ کرام کی دعوت کی حضرات مدعوین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کرایا اور سب کو کھلایا اور ساتھ ہی شراب بھی پلا دی اس شراب نے اپنا اثر دکھایا اور پینے والوں کو نشہ آ گیا اور اسی دوران نماز کا وقت بھی آ گیا حاضرین نے مجھے امامت کے لیے آگے بڑھا دیا میں نے ''قُلْ یَآ اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ'' پڑھی جس میں

"وَ نَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" پڑھ دیا جس سے مفہوم بدل گیا اور معنی الٹ گئے، اس پر اللہ جل شانہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں جب تک تم یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو نماز کے قریب مت جاؤ، یعنی نماز ادا نہ کرو بلکہ ہوش میں آنے کے بعد نماز ادا کرو۔

واضح رہے کہ اس آیت کا دوسرا شان نزول جو لباب النقول میں مذکور یہ ہے کہ حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی اونٹنی کا کجاوہ باندھا کرتا تھا ایک رات مجھ پر غسل فرض ہو گیا اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے موت یا مرض کا اندیشہ ہو گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى..... الخ....." نازل فرمائی، اور مجبوری کی حالت میں غسل کی جگہ تیمّم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (انوار البیان ۲/۲۵۶)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز ادا کرنے کی ممانعت نازل کی ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جو کچھ اپنی زبان سے کیا کہہ رہے اور کس ذات پاک سے مناجاۃ اور خطاب کر رہے ہو اور کیا خطاب کر رہے ہو اس کو سمجھنے لگو نہ معلوم اس حالت میں تمہارے منہ سے کیا کلمہ نکل جائے، اسی طرح حالت جنابت میں جب تک غسل نہ کر لو نماز ادا نہ کرو البتہ سفر کی حالت میں بغیر غسل تیمّم کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔

واضح رہے کہ یہاں آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے لفظ "سُكٰرٰى" ارشاد فرمایا ہے "سُكٰرٰى" سکران سے مشتق ہے، سکران اس مست کو کہتے ہیں جو اپنی کہی ہوئی بات نہیں سمجھتا جبکہ بعض کہتے ہیں کہ سکران سے مراد وہ نشہ زدہ انسان ہے جو مرد اور عورت میں فرق نہ کر سکے اور چلنے میں لڑکھڑائے۔ (معارف القرآن، ادریس کاندھلویؒ ۲۱۵)

میں راقم الحروف کہتا ہوں کہ ہر وہ نشہ زدہ انسان جو اپنے آپ کی تمیز نہ رکھے سکران کی مذکورہ تعریفات میں داخل ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ج)

''سکریٰ'' کو ''من الشراب'' سے مقید کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کے جملے ''سکریٰ'' کی تفسیر ''من الشراب'' سے کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسرؒ اس سے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ آیت میں نشہ سے مراد مطلق نشہ نہیں ہے بلکہ خاص شراب کا نشہ ہے اور اسی نشے میں نماز ادا کرنا ممنوع ہے، اور رہے اس کے علاوہ اور چیزوں کے نشے مثلاً نیند کا نشہ جو بسا اوقات نماز میں بھی طاری ہوجاتا ہے تو اس میں نماز ادا کرنا ممنوع نہیں ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۷۷)

جواب (د)

بحالت جنابت مرور فی المسجد کے متعلق فقہاء کے اقوال:

جنابت کی حالت میں مسجد سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے حضرت امام بغوی علیہ الرحمۃ کے بقول حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عکرمہ، ابن المسیب، ضحاک، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک حالت جنابت میں مسجد میں رکے بغیر وہاں سے گذرنا جائز ہے، جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حالت جنابت میں مسجد سے گذرنا یا مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے، اِلّا یہ کہ پانی مسجد میں ہو یا پانی تک جانے کا راستہ مسجد کے درمیان سے ہوکر جاتا ہو تو اس صورت میں تیمّم کرکے مسجد سے گذرا جاسکتا ہے۔

(حاشیہ جلالین شریف ۱/۷۷)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۸﴾

(یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا) مِنَ الْقُرْآن (مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ) مِنَ التَّوْرَاة (مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا) نَمْحُو مَا فِیهَا مِنَ الْعَیْنِ وَالْاَنْفِ وَالْحَاجِب

(فَنَرُدَّهَا عَلٰى أَدْبَارِهَآ) فَنَجْعَلَهَا كَالْأَقْفَاءِ لَوْحًا وَاحِدًا (أَوْ نَلْعَنَهُمْ) نَمْسَخَهُمْ قِرَدَةً (كَمَا لَعَنَّآ) مَسَخْنَا (أَصْحٰبَ السَّبْتِ) مِنْهُمْ (وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ) قَضَاؤُهُ (مَفْعُولاً)۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''ماانزلنا'' اور ''مامعکم'' سے کیا مراد ہے تحریر کریں (د) ''کما لعنّآ اصحٰب السبت'' سے کس طرف اشارہ ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اے اہلِ کتاب! اس کتاب یعنی قرآن پر جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور جو تمہارے پاس موجود (اللہ کی) کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہے ایمان لے آؤ اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں یعنی چہرے میں سے بعض چیزیں مثلاً آنکھ، ناک اور ابرو کو مٹا دیں، اور چہروں کو پیچھے کی طرف پلٹ دیں اور ان کو گدّیوں کے مانند ایک تختی کر دیں، یا ہم ان پر لعنت بھیجیں اس طرح کے کہ ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیں، جیسا کہ ہم نے یوم السبت والوں پر لعنت کی تھی یعنی ان کو مسخ کر دیا تھا اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب یعنی یہود کو قرآن کریم پر ایمان لانے کی تلقین کی ہے اور انکار کی صورت میں ملنے والے عذاب کا اجمالاً بیان کیا ہے تفسیر الدر منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے رؤساء یہود سے بات کی جن میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسد بھی تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو، اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ جو دین میں لے کر آیا ہوں وہ حق ہے، کہنے لگے کہ اے محمد! ہم اس کو نہیں پہچانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے اہل کتاب! جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ یہ وہ کتاب ہے جو تمہارے

پاس موجود (اللہ کی) کتاب تورات کی بھی تصدیق کرتی ہے اور تم اس قرآن پر اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم بطور سزا تمہارے چہروں کو بالکل مٹا دیں اور ان کو الٹی جانب یعنی گدی کی طرح بالکل صفاچٹ بنا دیں، ناک آنکھ منہ کچھ بھی نہ رہے، یا ہم ان لوگوں پر لعنت کر دیں، جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن زیادتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی، یہودیوں کو ہفتہ کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا، جس میں یہ بھی تھا کہ اس دن شکار نہ کریں، وہ لوگ نہ مانے نافرمانی کی تو ان کو بندر بنا دیا گیا، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں اس کو بیان کیا گیا ہے، چونکہ یہ واقعہ یہودیوں کا تھا اور ان ہی میں پیش آیا تھا اور یہ اپنے باپ داداؤں سے اس کو سنتے بھی چلے آئے تھے، اس لیے ان کو یاد دلایا اور بتایا کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا ہے، لہذا ایسا ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آؤ پھر آخر میں فرمایا اور یاد رکھو جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ کر دیتے ہیں تو وہ ہو کر ہی رہتا ہے، اس کے فیصلہ کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

جواب (ج)

’’ما انزلنا‘‘ اور ’’ما معکم‘‘ سے کیا مراد ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں ’’ما انزلنا‘‘ سے قرآن کریم اور ’’ما معکم‘‘ سے توریت شریف مراد ہے۔

جواب (د)

’’کما لعنا اصحٰب السبت‘‘ سے کس طرف اشارہ ہے؟:

واضح رہے کہ آیت میں ’’کما لعنا اصحٰب السبت‘‘ سے یہود کی اس جماعت کی جانب اشارہ جنہیں اللہ رب العزت نے ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کیا تھا لیکن وہ نہیں مانے تھے اور اللہ نے انہیں نافرمانی کے نتیجے میں بندر بنا دیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۸﴾

(أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ) صَنَمَانِ لِقُرَيْشٍ (وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا) أَبِي سُفْيَانَ وَأَصْحَابِهِ حِينَ قَالُوا لَهُمْ أَنَحْنُ أَهْدَى سَبِيلًا وَنَحْنُ وُلَاةُ الْبَيْتِ نَسْقِي الْحَاجَّ وَنَقْرِي الضَّيْفَ وَنَفُكُّ الْعَانِيَ وَنَفْعَلُ أَمْ مُحَمَّدٌ وَقَدْ خَالَفَ دِينَ آبَائِهِ وَقَطَعَ الرَّحِمَ وَفَارَقَ الْحَرَمَ (هٰؤُلَآءِ) أَيْ أَنْتُمْ (أَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا سَبِيلًا)۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تحریر کریں (د) ''جبت'' اور ''طاغوت'' سے کیا مراد ہے تحریر کریں (ھ) آیت کریمہ اور تفسیر میں جو افعال استعمال ہوئے ہیں ان کی لغوی اور صرفی تحقیق کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا آپؐ نے ان (یہودی) لوگوں کو دیکھا ہے جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے اس کے باوجود وہ بت اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں ''جبت'' اور ''طاغوت'' قریش کے دو بتوں کا نام ہے، اور کافروں یعنی ابوسفیان ان کے ساتھیوں کی نسبت کہتے ہیں جبکہ انہوں نے ان (علماء یہود) سے معلوم کیا تھا کہ ہم اچھے ہیں یا محمدؐ حالانکہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں کو رہائی دیتے ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سے نیک کام کرتے ہیں، اور محمدؐ نے اپنے آبائی دین کی مخالفت اور قطع رحمی کی ہے اور حرم کو خیر باد کہدیا ہے، کہ تم ان اہل ایمان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول بقول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ غزوۂ احد کے بعد یہود کے سردار حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف یہود کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے کر مکہ میں قریش کے ساتھ ملنے آئے، یہود کا سردار کعب بن اشرف، ابوسفیان کے پاس آیا اور اس نے حضور علیہ السلام کے خلاف قریش کے ساتھ تعاون کرنے کا وعدہ کیا، اہل مکہ نے کعب بن اشرف سے کہا کہ تم ایک دھوکہ دینے والی قوم ہو اگر تم واقعی اپنے قول میں سچے ہو تو ہمارے ان دو بتوں ''جبت'' اور ''طاغوت'' کے سامنے سجدہ کرو، چنانچہ اس نے قریش کو مطمئن کرنے کے لئے ایسا ہی کیا، اس کے بعد کعب بن اشرف نے قریش سے کہا کہ تیس آدمی تم میں سے اور تیس ہم میں سے سامنے آئیں، تاکہ رب کعبہ کے ساتھ اس چیز کا عہد کریں کہ ہم سب مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جنگ کریں گے۔ کعب کی اس تجویز کو قریش نے پسند کیا اور اس طرح سے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر دیا، اس کے بعد ابوسفیان نے کعب سے کہا کہ تم اہل علم ہو تمہارے پاس اللہ کی کتاب ہے، لیکن ہم بالکل جاہل ہیں، اس لئے آپ ہمارے متعلق بتائیں کہ ہم حق پر چلنے والے ہیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہیں کعب نے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا ہم حجاج کے لئے اپنے اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں اور ان کا دودھ پلاتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، اپنے عزیز و اقرباء کے تعلقات کو قائم رکھتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کرتے ہیں، اس کے برخلاف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ دیا ہے، اور اپنوں سے علیحدہ ہو کر ہمارے قدیم دین کے خلاف اپنا ایک نیا دین پیش کیا ہے، ان باتوں کو سن کر کعب بن اشرف نے کہا کہ تم لوگ حق پر ہو، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم..... معاذ اللہ) گمراہ ہو چکے ہیں، ان کی اس فضول بکواس کی تردید میں اللہ رب العزت نے مذکورہ آیات کو نازل کیا اور قیامت تک کیلئے یہود کے دجل وفریب کو واضح فرما دیا۔ (معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۴۳۲/۲)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے یہود کی شرارت اور اہل ایمان کے خلاف ان کی عداوت کو بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب الٰہی یعنی تورات کے علم کا ایک حصہ ملا ہے پھر اس کے باوجود وہ بت اور شیطان کی اطاعت کرتے ہیں، اور کفار و مشرکین کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں، پس یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ملعون کیا ہے اور اللہ جس کو ملعون کر دے اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے یہود کو بتوں اور شیاطین کی اطاعت کرنے والا کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن یہود کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے انہوں نے اہل ایمان کی مخالفت میں کفار کے دو بتوں ''جبت'' اور ''طاغوت'' کو سجدہ کیا تھا پس ان کی اسی حرکت کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کو بتوں اور شیاطین کی اتباع کرنے والا قرار دیا ہے۔

جواب (د)

''جبت'' اور ''طاغوت'' سے کیا مراد ہے:

آیت کریمہ میں ''جبت'' اور ''طاغوت'' سے کیا مراد ہے اس سلسلے میں مفسرینؒ کے مابین اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''جبت'' قریش کے ایک بت کا نام تھا اور ''طاغوت'' ہر باطل چیز کو کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات مثلاً حضرت ابن جبیرؒ اور ابو العالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ''جبت'' سے مراد ساحر اور ''طاغوت'' سے مراد کاہن ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''جبت'' سے سحر اور ''طاغوت'' سے شیطان مراد ہے، اور حضرت امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے وہ سب ''طاغوت'' ہیں۔

(انوار البیان ۲/ ۲۶۵..... معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۴۳۲)

واضح رہے کہ ہم نے آیت کریمہ کے ترجمہ میں ''جبت''... ''طاغوت'' کا ترجمہ بت اور شیطان سے ان تمام اقوال کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔

جواب (ہ)

آیت اور تفسیر میں استعمال ہونے والے افعال کی لغوی اور صرفی تحقیق:

''جبت'' بمعنی بت۔

''طاغوت'' اس کی جمع ''طواغیت'' آتی ہے، بمعنی شیطان۔

''ولاة'' یہ ''والی'' کی جمع ہے، بمعنی نگہبان، نگرانی کرنے والا۔

''نسقی'' یہ باب ضرب سے جمع متکلم کا صیغہ ہے، بمعنی پلانا، سیراب کرنا۔

''نقری'' یہ باب ضرب سے جمعنی متکلم کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ''قری'' آتا ہے، بمعنی مہمان نوازی کرنا۔

''نفک'' یہ باب نصر سے جمع متکلم کا صیغہ ہے، بمعنی آزاد کرنا، جدا کرنا۔

''العانی'' یہ ''عوانی'' کا واحد ہے اس کی مؤنث ''عانیة'' آتی ہے، بمعنی قیدی۔

''رحم'' اس کی جمع ''ارحام'' آتی ہے بمعنی رشتۂ قرابت، بچہ دانی۔

''فارق'' یہ باب مفاعلت سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، بمعنی جدا ہونا، آگے بڑھنا۔

''اهدیٰ'' یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور باب ضرب سے استعمال ہوتا ہے، اس کا مصدر ''هداية'' آتا ہے، بمعنی ہدایت پانا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۹﴾

(إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ) أَيْ مَا أُؤْتُمِنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحُقُوقِ **(إِلٰى أَهْلِهَا)** نَزَلَتْ لَمَّا أَخَذَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِفْتَاحَ الْكَعْبَةِ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ الْحَجَبِي

سَادِنِهَا قَهرًا لَمَّا قَدِمَ النَّبِیّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّة عَامَ الْفَتْح وَمَنَعَهُ(وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاس) يَأْمُرُكُمْ(أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) فتح مکہ کس سن میں ہوا اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ کب اسلام لائے اور ان کے اسلام لانے کا کیا واقعہ ہے؟ تحریر کریں (د) لفظ ''نعما'' کی تشریح کرتے ہوئے اس میں ''ما'' کیسا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کے حقوق کی وہ امانتیں جن پر تم کو امین بنایا گیا ہے ان کو پہنچا دو، مذکورہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ حجبی سے جو بیت اللہ کے خادم تھے جبراً لے لی تھی اور آپؐ نے یہ چابی اس وقت لی تھی جبکہ فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے اور عثمان بن طلحہ نے آپ علیہ السلام کو چابی دینے سے انکار کر دیا تھا (اللہ فرماتے ہیں) اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو (اللہ رب العزت) تم کو حکم دیتا ہے کہ عدل و انصاف سے فیصلہ کرو، اللہ تعالیٰ اس بات کی تمہیں نصیحت کر رہا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ باتوں کا سننے والا اور اعمال کا دیکھنے والا ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کا شان نزول جیسا کہ مفسرؒ بیان کیا ہے کہ یہ ہے کہ جب فتح مکہ کے موقع پر کلید بردار کعبہ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے حضور علیہ السلام کو بیت اللہ کی چابی دینے سے انکار کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ

چابی زبردستی لیکر حضور علیہ السلام کے حوالہ کردی حضور علیہ السلام بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور جب باہر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام یہ آیت ’’ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا‘‘ تلاوت فرمارہے تھے اور یہ آیت میں نے اس سے پہلے کبھی آپ علیہ السلام سے نہیں سنی تھی، اسکا مطلب یہ تھا یہ آیت اسی وقت جوف کعبہ میں نازل ہوئی تھی، آپ علیہ السلام نے اس آیت کی تعمیل میں بیت اللہ کی یہ چابی دوبارہ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو ہی واپس کردی۔

جواب (ج)

فتح مکہ کس سن میں ہوا اور حضرت عثمان بن طلحہ کب اسلام لائے؟:

واضح رہے کہ فتح مکہ ۸ھ ہجری ماہ رمضان المبارک میں ہوا ہے، اور عثمان بن طلحہ بھی اس موقع پر اسلام میں داخل ہوئے ہیں، آپؓ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بایں الفاظ خود بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے اور لوگ اس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے، ہجرت سے پہلے ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے تشریف لائے میں اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا میں نے آپ علیہ السلام کو اندر جانے سے روک دیا اور انتہائی ترشی دکھائی، آپ علیہ السلام نے بڑی بردباری کے ساتھ میرے سخت کلمات کو برداشت کیا، پھر فرمایا، اے عثمان! شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اور مجھے یہ اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں سپرد کردوں، میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں! اس وقت قریش آباد اور عزت والے ہوجائیں گے، آپ علیہ السلام یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے، اس کے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین ہوگیا کہ آپ علیہ السلام نے کچھ فرمایا ہے وہ ہوکر رہے گا، میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے اور وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے، اس لئے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا، لیکن جب مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بیت اللہ کی چابی مجھ سے لیکر یہ کہتے ہوئے مجھے ہی واپس کی لو اب یہ چابی قیامت تک ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس رہے گی، جو شخص تم سے یہ کنجی لے گا وہ ظالم ہوگا، تو میں چابی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا آپ علیہ السلام نے مجھے پھر آواز دی اور فرمایا! کیوں عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اب مجھے وہ بات یاد آ گئی جو آپ علیہ السلام نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی کہ ایک روز تم یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، میں نے عرض کیا کہ بیشک آپ کا ارشاد پورا ہوا اور میں اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانیؒ ۲/۴۴۴)

جواب (د)

لفظ ''نعما'' کی تشریح اور اس میں ''ما'' کیسا ہے اس کی تعیین؟:

واضح رہے کہ ''نعما'' فعل مدح ہے، اور اس میں ''ما'' نکرہ موصوفہ اور اس کی صفت مابعد کا جملہ ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے ''نعم شیئاً یعظکم بہ'' اور بہتر شئی سے مراد امانت کا ادا کرنا اور انصاف کا فیصلہ کرنا ہے۔ (تسہیل الجلالین ۱/۵۴۹)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۸۰﴾

(وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ) لَيَتَأَخَّرَنَّ عَنِ الْقِتَالِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ الْمُنَافِقِ وَأَصْحَابِهِ وَجَعَلَهُ مِنْهُمْ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ وَاللَّامُ فِي الْفِعْلِ لِلْقَسَمِ (فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ) كَقَتْلٍ وَهَزِيمَةٍ (قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا) حَاضِرًا فَأُصَابَ (وَلَئِنْ) لَامُ قَسَمٍ (أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ) كَفَتْحٍ وَغَنِيمَةٍ (لَيَقُولَنَّ) نَادِمًا (كَأَنْ) مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيْ كَأَنَّهُ (لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ) مَعْرِفَةٌ وَصَدَاقَةٌ وَهٰذَا رَاجِعٌ إِلَى قَوْلِهِ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اعْتَرَضَ بِهِ بَيْنَ الْقَوْلِ وَمَقُولِهِ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

وَهُو (یٰ) لِلتَّنبِیهِ (لَیتَنِی کُنتُ مَعَهُم فَأَفُوزَ فَوزًا عَظِیمًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر فوائد تفسیر کے پیش نظر تحریر کریں (ج) لام قسم سے کیا مراد ہے اور "منکم" میں ضمیر مخاطب سے کون لوگ مراد ہیں؟ تحریر کریں (د) مفسر کی عبارت میں "وهذا راجع" کا کیا مطلب ہے نیز قول اور مقولہ کو واضح کرتے ہوئے جملہ معترضہ کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو نکلنے میں پس وپیش کرتے ہیں، یعنی لڑائی سے پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی اور اس کو ظاہر کے اعتبار سے مؤمن کہا گیا ہے، اور لام فعل پر برائے قسم ہے، اور پھر اگر تم کو کوئی مصیبت مثلاً قتل اور شکست پہنچتی ہے تو یہ کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ میں ان کے ساتھ لڑائی میں حاضر نہیں ہوا ورنہ تو میں بھی مصیبت میں پھنس جاتا اور اگر تم کو اللہ کا فضل مثلاً فتح اور مال غنیمت پہنچتا ہے تو ایسی شرمندگی سے کہنے لگتا ہے کہ گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی جان پہچان اور دوستی نہیں ہے کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا یعنی مال غنیمت سے بڑا حصہ پاتا "ولئن" میں "لام" قسم کیلئے ہے اور "کَاَن" مخففہ ہے اور اس کا اسم یعنی "کانّہ" محذوف ہے اور اس جملہ کا تعلق "قد انعم اللہ عليَّ" سے ہے اور یہ جملہ قول یعنی "لَیَقُولَنّ" اور مقولہ یعنی "یا لَیتَنِی" کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

ان آیات کریمہ میں اللہ رب العزت نے منافقین کی حالت کو بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ ان منافقین مثلاً عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے جہاد میں جانے کی بات آتی ہے تو ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جہاد ان پر شاق گزرتا ہے دل

سے شرکت کرنا نہیں چاہتے اس لیے بددلی کے ساتھ نکلتے ہیں اور جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو کہتے ہیں کہ اچھا ہوا اللہ نے ہمیں گھر میں بیٹھنے کے انعام سے نوازا اور ہم ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہیں ہوئے ورنہ یہ مصیبت ہمیں بھی پہنچ جاتی لیکن جب مسلمانوں کو اللہ کا فضل شامل حال ہوتا ہے، فتح نصیب ہو جاتی ہے اور مال غنیمت مل جاتا ہے تو یہی منافقین ایسی خودغرضی کے ساتھ کہ گویا مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہائے کیا خوب ہوتا جو ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتے اور ہمیں بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی ہمیں بھی مال و دولت حاصل ہو جاتا (پس اس وقت اس کا یہ افسوس کرنا اس کے کسی کام نہیں آتا ہے)۔(انوار البیان ۲/ ۲۹۸)

فوائد تفسیر:

قولہ یُبَطِّئَنّ.....

یہ مضارع واحد مذکر غائب بانون تاکید ثقیلہ باب تفعیل سے ہے، اس کا مادہ ''بطوء'' ہے بمعنی دیر لگانا، سستی کرنا، پیچھے رہنا۔

قولہ: واللّام لِلْقَسَم.....

اس سے مراد ''لَیُبَطِّئَنّ'' کا لام ہے اور ''لَمَن'' میں لام ابتدائیہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے ''وَاِنّ منکم لَمَنْ اقسم باللّٰہ لَیُبَطِّئن''۔

قولہ: فَاَصَابَ...

ای اَصَابَنِی ما اَصَابَهُم۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

واضح رہے کہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں ''لَیَقُولَن'' شرط کی جزاء ہے اور قاعدہ ہے کہ جزاء جب فعل مضارع واقع ہو تو اس پر فاء لازم ہوتی ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! ''لَئِنْ اَصَابَکُم'' میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں اور قسم مقدم محذوف ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب قسم اور شرط دونوں جمع ہو جائیں تو آنے والا جملہ اول کی جزاء ہوتی ہے لہذا ''لَیَقُولَن'' قسم کا جواب ہے شرط کا جواب نہیں ہے۔

قوله: نَادِماً.....

ای نادماً لفواة الغنیمة لا لِطَلَبِ الثواب۔ (حاشیہ جلالین ۱/۸۱ ...... جمالین ۲/۵۷)

جواب (ج)

لام قسم سے کیا مراد ہے اور ''منکم'' میں ضمیر کے مخاطب کون لوگ ہیں؟:

واضح رہے کہ مفسرؒ کی عبارت ''والـلام فی الـفعل للقسم'' سے مراد ''لَیُبَطِّئَنّ'' کا لام ہے یہ لام یہاں جواب قسم کے ساتھ ملکر ''من'' کا صلہ واقع ہو رہا ہے، اور ''منکم'' میں ضمیر کے مخاطب حضور علیہ السلام کے صحابہؓ ہیں جن کے لشکر حضور علیہ السلام کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے۔ (حاشیہ جلالین ۱/۸۰)

جواب (د)

''وھذا راجع'' کا مطلب، قول ومقولہ اور جملہ معترضہ کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسرؒ کی عبارت ''وھٰذا راجع.... الخ....'' کا مطلب یہ ہے کہ ''کَانْ لَمْ یَکُنْ.... الخ....'' کا تعلق معنی کے اعتبار سے سابقہ جملہ ''قد انعم اللّٰہ عَلَی'' سے ہے اور تقدیر عبارت ہے ''قال قد انعم اللّٰہ عَلَی کان لم یکن ......الخ....'' پھر یہ جملہ بطور جملہ معترضہ مؤخر ہے، اور آیت کریمہ میں ''لَیَقُوْلَنّ'' قول ہے اور ''یالیتنی کنت معھم... الخ....'' مقولہ ہے اور ''کان لم یکن بینکم وبینہ مودۃ'' جملہ معترضہ ہے۔ (جمالین ۲/۵۷ تا ۵۸)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۸۱﴾

(وما لکم لا تُقٰتِلُوْنَ) اسْتِفْھَام تَوْبِیخ (فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ) فی تَخْلِیص (الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ) الَّذِینَ حبسھم الکفار عن الھجرۃ واذوھم (الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ) دَاعِینَ یَا (رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا)

بِالْكُفْرِ (**وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا**) يَتَوَلَّى أُمُورَنَا (**وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا**) يَمْنَعُنَا مِنْهُمْ وَقَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهُمْ فَيَسَّرَ لِبَعْضِهِمُ الْخُرُوجَ وَبَقِيَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنْ فُتِحَتْ مَكَّةُ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) "**في تلخيص** "اور" **داعين**" کو کیوں مقدر مانا گیا ہے، نیز "**المستضعفين**" کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں اور "**القرية**" سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں (د) فتح مکہ کے بعد حضور علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کا حاکم کس کو بنایا تھا اور انہوں نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اور تم ان عورتوں اور بچوں کو چھڑانے میں جنہیں کافروں نے ہجرت سے روک رکھا ہے اور ان کو اذیت پہنچاتے ہیں جہاد نہیں کرتے، حالانکہ یہ لوگ دعاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اس بستی سے جس کے باشندوں نے کفر کر کے ظلم کیا ہے نکال دے، اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی والی مقرر فرما دے جو ہمارے معاملات کی تولیت کرے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار متعین فرما کر ہم کو ان سے بچا دے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی کہ ان کے لئے مکہ مکرمہ سے نکلنا آسان فرما دیا، اور (ان میں کے) کچھ لوگ مکہ ہی میں فتح مکہ تک رہے گئے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کا شان نزول جیسا کہ صاوی میں مذکور ہے یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جہاد کرنا فرض نہیں تھا لیکن جب حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو کچھ لوگ جو ہجرت پر قادر نہیں

تھے مکہ مکرمہ ہی میں رہے گئے اور مشرکین نے ان کو شدید ترین تکالیف پہنچانا شروع کردیں تو اس وقت اللہ رب العزت مسلمانوں پر جہاد فرض فردیا، جہاد کی فرضیت کے بعد بعض مؤمنین نے اور تمام منافقین نے سستی کا اظہار کیا جس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور اہل ایمان کو اعلاء کلمۃ اللہ بلند کرنے اور کمزور اہل ایمان کو کفار کے شکنجے سے آزاد کرانے پر ابھارا اور کافروں کے شکنجے میں مقید اہل ایمان کی دعاؤں سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا۔ (حاشیۃ الصادی ۲/۴۴)

جواب (ج)

''في تلخيص ''اور''داعين ''کو کیوں مقدر مانا گیا ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر علیہ الرحمۃ نے''في سبيل الله ''کے بعد''في تلخيص ''کو اور''يقولون ''کے بعد''داعين ''کو مقدر مانا ہے، اس وجہ یہ ہے کہ مفسرؒ نے''في تلخيص ''سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ''المستضعفين ''حذفِ مضاف کے ساتھ''في سبيل الله ''پر عطف ہے اور''داعين ''سے اس جانب ارشارہ کیا ہے کہ ''يقولون ''کی''هم ''جو ذوالحال ہے اس کا حال''داعين ''ہے جو کہ محذوف ہے۔

''المستضعفين ''کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول اور''القرية ''کی تعیین:

واضح رہے کہ''المستضعفين ''کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ محترمہ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جن کا ذکر اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے، اور''القرية ''سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

جواب (د)

فتح مکہ کے حضور علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کا حاکم کس کو بنایا تھا؟:

واضح رہے کہ فتح مکہ کے بعد حضور علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کا حاکم حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا وہاں کہ مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلادی تھی۔

﴿تم الجواب بعون الملك الوهاب﴾

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

﴿سوال ۱۰۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۸۱﴾

(أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوٓا أَيْدِيَكُمْ)عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ لَمَّا طَلَبُوهُ بِمَكَّةَ لِأَذَى الْكُفَّارِ لَهُمْ وَهُمْ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ(وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ) الكفار أى عذابهم بالقتل (كَخَشْيَةِ)هم عَذَابَ (اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً) مِنْ خَشْيَتِهِمْ لَهُ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) ''فریق منھم '' سے کون مراد ہیں اور جہاد کے فرض ہونے سے ان پر اتنا خوف کیوں طاری ہوگیا تھا؟ تحریر کریں (د) ''اشد '' ترکیب میں کیا واقع ہے اور ''فلما '' کا جواب کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنہیں حکم دیا گیا کہ کافروں کے ساتھ قتال سے ہاتھ روکے رکھو، جبکہ انہوں نے مکہ میں کفار کی ایذا رسانی کی وجہ سے جہاد کا مطالبہ کیا، اور وہ صحابہؓ کی ایک جماعت تھی اور نماز پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے کافروں سے ڈرنے لگی، یعنی قتل کے ذریعہ ان کے عذاب سے ڈرنے لگی جیسا کہ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں یا اللہ کے ڈر سے یازدہ ان کو ڈر لاحق ہوگیا۔

جوب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول جیسا کہ لباب النقول میں نسائی اور مستدرکِ حاکمؒ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض ساتھی ہجرت سے پہلے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ہم جب مشرک تھے تو عزت میں تھے لیکن جب ایمان لے آئے تو ذلت والے ہو گئے لہٰذا ہمیں دشمنان دین سے جنگ کرنی چاہیے، آپ علیہ السلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ مجھے معاف اور درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا جنگ نہ کرو پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ پہنچا دیا تو قتال کا حکم دیا اس وقت لوگ جنگ کرنے سے بچنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور لوگوں کے سابقہ شوق جہاد کو ذکر کرتے ہوئے ان کی موجودہ حالت کو بیان فرمایا۔

واضح رہے کہ جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد جہاد سے پختہ مؤمنین نے جان نہیں بچائی تھی بلکہ کچھ ایسے مسلمانوں نے جو راسخ العلم نہیں تھے یا پھر منافقین نے جہاد سے بچنے کی کوشش کی تھی اور یہی اس آیت میں مراد ہیں۔ (انوار البیان ۲/۳۰۱)

جواب (ج)

"فریق منھم" سے کون مراد ہیں اور جہاد کے فرض سے ان پر.....

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں "فریق منھم" سے کچھ کمزور قلب والے غیر راسخ العلم اہل ایمان اور منافقین مراد ہیں، اور ان حضرات پر جہاد کے فرض ہونے سے اس قدر خوف مشرکین کے ہاتھوں قتل ہونے اور عذاب سہنے کے خدشے کی وجہ سے طاری ہوا تھا یعنی یہ حضرات یہ گمان کر رہے تھے جہاد میں مشرکین کے ہاتھوں قتل ہونا پڑے گا جو ایک عذاب سے کم نہیں ہے، لیکن پھر اللہ رب العزت نے اہل ایمان کے قلوب کو تقویت دی اور انہیں توبہ کی توفیق عطاء فرمائی اور پھر یہ لوگ شوق و ذوق کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے جبکہ منافقین اکثر نفاق ہی کی حالت میں واصل جہنم ہو گئے۔

جواب (د)

"اشد" ترکیب میں کیا واقع ہے اور "فلما" کا جواب کیا ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور "اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً" کا عطف "کَخَشْيَةِ اللّٰهِ" پر ہے

اور یہ ترکیب میں حال واقع ہے اور حال ہونے ہی کی وجہ سے منصوب ہے، اور ''فلما'' کا جواب ''اذا فریق منهم ... الخ....'' ہے، تقدیری عبارت یہ ہے ''فلما کتب علیهم القتال فاجاء تهم الخشیة''۔ (کمالین ۱/۵۸۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۸۴﴾

(وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا) أَيْ مَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَصْدُرَ مِنْهُ قَتْلٌ لَهُ (إِلَّا خَطَأً) مُخْطِئًا فِي قَتْلِهِ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ (وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً) بِأَنْ قَصَدَ رَمْيَ غَيْرِهِ كَصَيْدٍ أَوْ شَجَرَةٍ فَأَصَابَهُ أَوْ ضَرَبَهُ بِمَا لَا يَقْتُلُ غَالِبًا (فَتَحْرِيرُ) عِتْقُ (رَقَبَةٍ) نَسَمَةٍ (مُؤْمِنَةٍ) عَلَيْهِ (وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ) مُؤَدَّاةٌ (إِلَى أَهْلِهِ) أَيْ وَرَثَةِ الْمَقْتُولِ (إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا) يَتَصَدَّقُوا عَلَيْهِ بِهَا بِأَنْ يَعْفُوا عَنْهَا۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تفسیر تحریر کریں (ج) قتل کی اقسام مع احکام تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

کسی مؤمن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے یعنی مؤمن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس سے مؤمن کا قتل سرزد ہو، سوائے غلطی کے یعنی بلا ارادہ غلطی سے قتل ہو جائے (تو اور بات) اور جو کوئی مؤمن غلطی سے قتل کر دے بایں طور کہ شکار یا درخت پر نشانہ لگایا مگر کسی مؤمن کو لگ گیا یا کسی ایسے آلہ سے قتل کر دیا کہ جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا تو اس پر ایک مؤمن غلام آزاد کرنا اور خون بہا دینا لازم ہے (اور یہ خون بہا) اس کے عزیزوں یعنی مقتول کے ورثاء کے حوالے کیا جائیگا، مگر یہ کہ اس (مقتول) کے (عزیز) دیت معاف کر دیں (تو اور بات ہے)۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے قتل کے متعلق احکامات بیان کئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قتل کی قباحت کو بھی بیان کیا ہے، قتل خواہ کسی بھی چیز کا ہو نہایت نامناسب عمل ہے اور پھر جب قتل انسان کا ہو تو اس کی قباحت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اللہ رب العزت اس آیت کریمہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان والے کو قتل کرنا کسی ایمان والے شایان شان نہیں ہے اور اگر کسی ایمان والے سے ایمان والے کا قتل غلطی سے ہو جائے تو قاتل پر مقتول کی دیت اس کے اہل کو ادا کرنا اور قتل کے بدلہ میں ایک مؤمن غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے، ہاں اگر مقتول کے اہل دیت کو معاف کر دیں تو اور بات ہے ورنہ قاتل پر معافی سے پہلے اس کی ادائیگی کرنا لازم ہے۔

فوائد تفسیر:

قوله :مُخطِئاً فی قَتْله....

اس جملہ سے مفسرؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ''خطا'' حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہو اور محذوف کی صفت ہو اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی ''اِلّا قتلاً خطاً''۔

قوله:بان قصد رمی غیره....

اس جملہ سے مفسرؒ نے ''خطأ'' کی تفسیر کی ہے، حاصل تفسیر یہ ہے کہ قتل خطا اس کو کہتے ہیں کہ انسان کسی اور چیز کا مثلاً شکار کا یا پیڑ کا نشانہ لے رہا ہو اور اچانک سامنے انسان آجائے اور وہ قتل ہو جائے یا لڑائی اور جھگڑا ہو رہا ہو اور کوئی ایسی چیز کسی کے ماردی جائے جس عام طور پر قتل نہ ہوتا ہو اور اس کے لگنے سے وہ انسان مرجائے پس ان تمام صورتوں میں ہونے والا قتل شریعت کی نظر میں قتل خطا ہے۔

قوله :عَلَیْهِ.....

اس جملہ سے مفسرؒ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ میں ''تحریر'' مبتداء ہے اور اس کی

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

﴿سوال ۱۰۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۸۵﴾

(وَإِذَا ضَرَبْتُمْ) سَافَرْتُمْ (فِی الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ) فِی (أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ) بِأَنْ تَرُدُّوهَا مِنْ أَرْبَعٍ إِلَى اثْنَتَيْنِ (إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ) أَیْ يَنَالَكُمْ بِمَكْرُوهٍ (الَّذِينَ كَفَرُوا) بَيَانٌ لِلْوَاقِعِ إِذْ ذَاكَ فَلَا مَفْهُومَ لَهٗ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالسَّفَرِ الطَّوِيلُ الْمُبَاحُ وَهُوَ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ وَهِیَ مَرْحَلَتَانِ وَيُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنَّهٗ رُخْصَةٌ لَا وَاجِبٌ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِیُّ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ''بیان للواقع'' سے مفسرؒ کیا بتانا چاہتے ہیں تحریر کریں (د) ''یؤخذ'' سے مفسرؒ نے جس اختلاف کو بیان کیا ہے اس کو فریقین کے دلائل کے ساتھ تحریر کریں اور احناف کی جانب سے اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو نماز کا قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، بایں طور کہ تم چار رکعت والی نماز کی دو رکعت ادا کرلو، اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تمہیں تکلیف پیش آئے گی کہ کافر تمہیں ستائیں گے، یہ نزول کے وقت کے واقعہ کا بیان ہے لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، اور سنت نے بیان کیا ہے کہ سفر سے سفر طویل مراد ہے اور وہ چار برید ہیں جو دو مرحلوں کے مساوی ہیں، اور اللہ کے قول ''فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ'' سے سمجھا جاتا ہے کہ قصر رخصت ہے نہ کہ واجب اور یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حالت سفر میں نمازوں میں قصر کرنے کی اجازت کو بیان

کیا ہے، عہد نبوت میں چونکہ اکثر جہاد اور ہجرت کیلئے سفر ہوتا رہتا تھا اور ساتھ ہی دشمنان اسلام کے حملوں کو اندیشہ بھی ہوتا تھا اس لئے اللہ رب العزت اہل اسلام کو خصوصی طور پر یہ اجازت دی کہ وہ سفر اور خوف کی حالت میں نمازوں میں قصر کر سکتے ہیں، واضح رہے کہ سفر میں قصر کا یہ حکم اگرچہ خاص حالات میں نازل ہوا تھا لیکن بعد میں حالات تبدیل ہو جانے کے بعد بھی اس حکم کو باقی رکھا گیا اور آج بھی یہ حکم ان لوگوں کے حق میں جو اٹھاسی کلو میٹر کا سفر کر رہے ہوں باقی ہے، پس یہ حضرات سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء میں قصر کر سکتے ہیں۔

جواب (ج)

''بیان للواقع'' سے مفسرؒ کیا بتانا چاہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ اس جملے سے مفسر علیہ الرحمۃ نے خوارج کے مسلک کو رد کیا ہے، قصر صلوٰۃ کے سلسلے میں خوارج کا مسلک یہ ہے کہ نمازوں میں قصر اسی وقت جائز ہے یہ کفار کا خوف ہو اگر یہ خوف نہیں ہے تو نمازوں میں قصر کا ناجائز نہیں ہے، یہ حضرات اپنے مسلک پر اللہ رب العزت کے ارشاد ''وان خفتم ..... الخ....'' سے استدلال کرتے ہیں، مفسرؒ ان کے اس مسلک کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب! ''وان خفتم .... الخ....'' اپنے زمانۂ نزول کے مطابق ہے، اس لئے کہ اس وقت عموماً اہل اسلام کو دوران سفر کفار کا خوف ہوتا تھا لیکن یہاں اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے بایں وجہ یہ حکم آج بھی باقی ہے اور آج بھی باوجود اس کے سفر میں کفار کا خوف نہیں ہوتا نمازوں میں قصر کا جائز ہے۔

جواب (د)

''یؤخذ'' سے بیان کردہ اختلاف اور فریقین کے دلائل:

''یؤخذ'' سے مفسر علیہ الرحمۃ اس اختلاف کو بیان کیا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک حالت سفر میں نمازوں کے اندر قصر کرنا واجب ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں قصر صرف جائز ہے واجب نہیں ہے اور حالت سفر میں بھی نمازوں میں اتمام کرنا افضل ہے۔

واضح رہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے اپنے مسلک پر درج ذیل روایت سے استدلال کیا ہے.......

" قال عمر رضی اللہ عنه: صلوٰة الجمعة ركعتان وصلوٰة الفطر ركعتان وصلوٰة الاضحية ركعتان وصلوٰة السفر ركعتان"

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں نماز کی دو ہی رکعتیں ہیں یعنی دوران سفر نمازوں میں قصر کرنا لازم اور ضروری ہے۔

اس کے برخلاف حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنے مسلک قرآن کریم کی آیت سے استدلال کیا ہے.....اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں......" فليس عليكم جناح ان تقصروا من الصلوٰة ".....امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں " فليس عليكم جناح " اباحت کیلئے استعمال ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوران سفر نمازوں میں قصر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ صرف جائز ہے۔

واضح رہے کہ احناف کی جانب سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ دلیل کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضرت! آپؒ کی پیش کردہ آیت کریمہ میں " فليس عليكم جناح " برائے اباحت استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ برائے وجوب ہی استعمال ہوا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ " فمن حج البيت او اعتمر فلاجناح عليه.....الخ...." میں ہے، اس آیت میں بھی " فلاجناح " برائے وجوب ہی آیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۹۳﴾

(يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا) تَتَجَاوَزُوا الْحَدّ (فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا) الْقَوْل (الْحَقَّ) مِنْ تَنْزِيهه عَنْ الشَّرِيك وَالْوَلَد (إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقٰهَآ) أَوْصَلَهَا (إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ) أَيْ ذُو رُوح (مِنْهُ) أُضِيفَ إِلَيْهِ تَعَالَى

تَشْرِيفًا لَهُ وَلَيْسَ كَمَا زعمتم ابنَ اللهِ أَوْ إِلَهًا مَعَهُ أَوْ ثَالِثَ ثَلَاثَةٍ لِأَنَّ ذَا الرُّوحِ مُرَكَّب وَالْإِلٰهُ مُنَزَّهٌ عَنِ التَّرْكِيبِ وَعَنْ نِسْبَةِ الْمُرَكَّبِ إِلَيْهِ۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر مع فوائد تفسیر تحریر کریں (ج) ''الکتاب'' سے کون سی کتاب مراد ہے اور ''الحق'' سے پہلے ''القول'' اور ''الروح'' سے پہلے ''ذو'' کیوں مقدر مانا گیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو اور حق بات اس کا شریک اور ولد سے پاک ہونا ہے (حضرت) مسیح عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم اللہ کے ایک رسول اور اس کے اس فرمان کے سوا کچھ نہیں تھے جو اللہ نے (حضرت) مریمؑ کی طرف بھیجا تھا اور (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اس کی طرف سے ایک روح یعنی ذی روح تھے، اور اللہ کی جانب روح کی نسبت کرنا تشریفاً ہے، اور ایسا نہیں ہے جیسے کہ تم نے سمجھ رکھا ہے کہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ابن اللہ یا اس کے ساتھ الٰہ ہیں یا تین میں سے تیسرے ہیں، اس لئے کہ ذی روح مرکب ہوتا ہے اور اِلٰہ ترکیب سے اور اس کی طرف مرکب کی نسبت کرنے سے پاک ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب کی ایک جماعت نصاریٰ کو خطاب کیا ہے اور ان کو غلو فی الدین سے بچنے کی تاکید کی ہے، اللہ رب العزت نے نصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کی جانب حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔

واضح رہے کہ نصاریٰ کے عقائد فاسدہ کا اصل سبب ان کا غلو تھا ان کی طبیعت میں مبالغہ پسندی تھی ان کا حال یہ تھا کہ جس کے معتقد ہوئے اس کو حد سے بڑھا دیتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور رسالت سے بڑھا کر الوہیت کا درجہ دے رکھا تھا اسی لئے اللہ رب العزت نے انہیں سب سے پہلے غلو فی الدین سے بچنے کی تاکید کی اور ارشاد فرمایا کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو یعنی حد سے آگے نہ بڑھو اور حد سے زیادہ کسی کی تعظیم نہ کرو، اللہ کی نسبت سوائے حق کے کوئی لفظ نہ کہو تمہارا حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا اللہ کی تنقیص ہے اور خدا کے ذمہ جھوٹ لگانا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ کو اپنا بیٹا بنایا ہے۔

واضح رہے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنی عقیدت کو اتنا فروغ دیا کہ حضرت عیسیٰ کو مرتبۂ عبدیت سے اٹھا کر مرتبۂ الوہیت تک پہنچا دیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کے اکثر فرقے خدا کی ذات میں باتمیاز حقیقی تین اقنوم کے قائل ہوئے اور اس کا نام تثلیث رکھا اور پھر تماشہ کیا کہ کہنے لگے کہ تین ایک میں ہیں اور ایک تین میں ہے اور اس کو اپنا بنیادی عقیدہ قرار دیکر توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے قائل ہو گئے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ نصاریٰ کے کل چار فرقے تھے، یعقوبیہ، ملکانیہ، نسطوریہ، مرقوسیہ، ان میں سے یعقوبیہ اور ملکانیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے تھے اور نسطوریہ خدا کا بیٹا اور مرقوسیہ ان کو تین کا تیسرا قرار دیتے تھے یعنی انکا عقیدہ یہ تھا کہ خدا تین اقنوم ہیں یعنی خدا باپ، بیٹے اور روح القدس سے مرکب ہے ان میں سے ایک قنوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں گویا ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین خداؤں میں سے ایک خدا ہے، اللہ رب العزت نے اس آیت میں ان چاروں فرقوں کی تردید کی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت اللہ کے رسول اور اس کے اس فرمان کے سوا کچھ نہیں ہے جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی جانب بھیجا تھا پس تمہارا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانا اللہ رب العزت کی ذات پر بہتان لگانا ہے۔ (معارف القرآن، ادریس کاندھلوی ۲/ ۳۹۸)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

فوائد تفسیر:

قولہ: تتجاوزا الحد....

اس جملہ سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ارشاد باری "لاتغلوا" کی وضاحت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ آیت مبارکہ میں غلوا فی الدین سے بچنے کی جو تاکید ہے اس کا مطلب دین میں حدود سے تجاوز کرنے سے بچنا ہے۔

قولہ: القول....

اس کی وضاحت آگے جزئیہ کے تحت آمذکور ہے۔

قولہ: من تنزیھیه عن الشرک والولد.....

مفسرؒ کی یہ عبارت ارشاد باری "ولاتقولوا علی الاالحق" کی تفسیر ہے، مفسرؒ یہ بتارہے ہیں کہ اللہ رب العزت کے متعلق قولِ حق یہ ہے کہ اس کو ہر قسم کے شرک سے پاک رکھا جائے اس کے ساتھ کسی کو شریک یا کسی کو اس کا ولد قرار نہ دیا جائے۔

قولہ: اوَصلھا....

مفسرؒ نے اپنے اس جملہ سے آیت کریمہ کے لفظ "القاھا" کی تفسیر کی ہے، واضح رہے کہ "القیٰ" کا صلہ "الیٰ" نہیں آتا ہے مفسرؒ نے "اوَصلھا" سے اس کی تفسیر کر کے بتایا ہے کہ یہاں "القیٰ..... اوصل" کے معنیٰ میں آیا ہے اس لئے یہاں اس کا صلہ "الیٰ" استعمال ہوا ہے۔

قولہ: ذوروح....

اس کی وضاحت آگے جزئیہ کے تحت کے مذکور ہے۔

قولہ: اضیف الیه تعالیٰ تشریفاً له.....

اس جملہ سے مفسرؒ نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کے بندے اور رسول ہیں تو پھر کلام الٰہی میں ان کو "روح منه" اللہ کی روح کیوں قرار دیا گیا ہے؟ مفسرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب! کلام الٰہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ رب العزت کی روح فرمایا گیا ہے اس کا

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ؈ اللہ کی دیگر مخلوق کی طرح ایک ذی روح تھے اور رہا اللہ کی جانب روح کی نسبت کرنا تو یہ صرف تشریفاً ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں جیسا کہ نصاریٰ کا گمان ہے بلکہ اس کا صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا گمان کرنا اس لئے بھی باطل ہے کہ آپؑ ذی روح ہیں اور ہر ذی روح مرکب ہوتا ہے اور اللہ رب العزت نہ صرف خود ترکیب سے پاک ہیں بلکہ اپنی جانب کسی مرکب کے منسوب ہونے سے بھی پاک ہیں۔

جواب (ج)

آیت کریمہ میں ''الکتاب'' سے کونسی کتاب مراد ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ''الکتاب'' سے انجیل مراد ہے، جس کی وضاحت خود مفسر علام علیہ الرحمۃ نے کی ہے۔

''الحق'' سے پہلے ''القول'' اور ''روح'' سے پہلے ''ذو'' کیوں مقدر مانا گیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ''الحق'' سے پہلے ''القول'' اور ''روح'' سے پہلے ''ذو'' کو مقدر مانا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں جملوں کو مقدر ماننے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرؒ نے ''القول'' کو مقدر مان کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ''الحق'' موصوف محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور ''ذو'' کو اس لئے مقدر مانا ہے تاکہ ''روح'' کا ''رسول اللہ'' پر حمل درست ہو جائے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۹۳﴾

(يَسْتَفْتُوْنَكَ) فِى الْكَلَالَةِ (قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا) مَرْفُوع بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهُ (هَلَكَ) مَاتَ (لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ) أَىْ وَلَا وَالِدٌ وَهُوَ الْكَلَالَةُ (وَّلَهٗٓ اُخْتٌ) مِنْ أَبَوَيْنِ

أَوْ أَب (فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ) أَیْ الْأَخ كَذٰلِكَ (يَرِثُهَآ) جَمِيع مَاتَرَكَتْ (إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ) فَإِنْ كَانَ لَهَا وَلَد ذَكَر فَلَا شَيْء لَهُ أَوْ أُنْثَى فَلَهُ مَا فَضَل عَنْ نَصِيبهَا وَلَوْ كَانَتْ الْأُخْت أَوْ الْأَخ مِنْ أُمّ فَفَرْضه السُّدُس كَمَا تَقَدَّمَ أَوَّل السُّورَة۔

(الف) عبارت بااعراب لکھ کرترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (د) کلالہ کے لغوی اور شرعی کی معنی وضاحت نیز''ان امرؤا ہلک'' کی ترکیب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارۃ:

لوگ آپ علیہ السلام سے کلالہ کے متعلق فتویٰ معلوم کرتے ہیں ،آپؐ فرمادیں کے اللہ تم کوکلالہ کے متعلق یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگرکوئی شخص لا ولداس طرح فوت ہوجائے کہ اس کا کوئی والدیا اولا د موجود نہ ہوتو یہی کلالہ ہے''اِنِ امْــرُؤٌا''اس فعل کی وجہ سے محذوف ہے جس کی تفسیر ''ھــلـک'' کررہاہے،اوراس کی ایک حقیقی یاعلاتی بہن موجود ہوتو اس بہن کوترکہ کا نصف حصہ ملے گا،اوراسی طرح اگر بہن لاولد مرجائے تو بھائی حقیقی ہویاعلاتی اس بہن کے تمام مال کاوارث بنے گا،اوراگر بہن کےلڑکا ہوتو بھائی کو کچھ نہیں ملے گااوراگرلڑکی ہوتولڑکی کے بچے ہوئے مال کا مستحق ہوگا،اوراگر بھائی بہن اخیافی یعنی ماں شریک ہوں تو ان کے لئے چھٹا حصہ ہے جیسا کہ ابتداءسورت میں گذرچکاہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کاشان نزول:

واضح رہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت جابررضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے،ایک مرتبہ حضرت جابررضی اللہ عنہ شدید بیمار ہوئے اورموت کے آثارمحسوس ہونے لگے تو نبی علیہ السلام

آپؐ کی عیادت کیلئے تشریف لائے، حضور علیہ السلام کو اپنے پاس دیکھ کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ معلوم کیا کہ یا رسول اللہ! میں کلالہ ہوں اپنے مال کا کیا کروں؟ اس سوال کے جواب میں اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور کلالہ کی میراث کا حکم واضح فرمادیا۔

جواب (ج)

تفسیر العبارۃ:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے کلالہ کی وراثت کے احکام بیان کئے ہیں، واضح رہے کہ اگر کوئی میت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ اور اولاد موجود نہ ہو البتہ اس کا اخافی بھائی یا بہن موجود ہو تو یہی بھائی بہن اس کے متروکہ مال کے وارث ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کے مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ بھائی بہن ایک سے زائد ہوں تو سب ثلث میں برابر کے شریک ہوں گے اور اس میں مذکر و مؤنث سب برابر ہوں گے۔ کما مر سابقاً۔

جواب (د)

کلالہ کے لغوی اور شرعی معنی:

واضح رہے کہ کلالہ باب ضرب سے استعمال ہوتا ہے، اس کے لغوی معنی کمزور ہونے کے آتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جو لاولد اس حال میں مرجاتا ہے کہ اس کے اصول اور فروع موجود نہیں ہوتے ہیں۔

"ان امرؤا ھلک" کی ترکیب:

"ان امرؤا ھلک" کی ترکیب یہ ہے......

"ان" حرف شرط "امرؤا" ماقبل میں محذوف "ھلک" کا فاعل اور مابعد موجود "ھلک" کی ضمیر فاعل اس کی جانب راجع ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

(مرتب کی دیگر کتابیں)

۱	الکلام المجود شرح اردو الموطاء للامام محمد
۲	الکلام المحمود لحل أسئلة سنن ابی داؤد
۳	الکلام النہائی لحل أسئلة سنن نسائی
۴	محمود النکات لحل أسئلة المشکوٰة
۵	انوار الفضائل لحل أسئلة الشمائل
۶	تیسیر الوقایہ شرح اردو شرح الوقایة
۷	انوار الدرر لحل أسئلة نخبة الفکر
۸	العنایہ لحل أسئلة الہدایہ اوّل
۹	الفوائد لحل أسئلة شرح العقائد
۱۰	الزوائد علی الفوائد لحل أسئلة شرح العقائد

ملنے کا پتہ

دار الکتاب دیوبند

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup